اسلامیات

(اختیاری)

انٹرمیڈیٹ

یونٹ:1-18

کورس کوڈ:343

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کوڈ 343

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب.................................اسلامیات اختیاری

سطح.......................................انٹرمیڈیٹ

اشاعت اول....................2007ء

اشاعت دہم....................2013ء

اشاعت بارہویں....................2020ء

تعداد اشاعت.................... 20000

قیمت....................-/280 روپے

نگران طباعت....................مینجمنٹ کمیٹی برائے پی پی یو

طابع.................................. منیہ کاپی ہاؤس پرنٹرز لاہور

ناشر....................................علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین کورس ٹیم: .... پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

تالیف .... ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

پروفیسر حافظ احمد یار

پروفیسر حافظ عبدالشکور

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

نظر ثانی: .... پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

رابطہ کار: .... قاری محمد رفیق صادق

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	یونٹ نمبر
9	تعارفِ قرآن	1
57	القرآن ...... غلبہ دینِ حق	2
99	القرآن ...... اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	3
147	القرآن ...... مشاہدہ کائنات	4
209	القرآن ...... امر بالمعروف ونہی عن المنکر	5
267	الحدیث، اہمیت، تدوین، اہم کتب	6
297	ارکان اسلام	7
337	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ...... محاسن اخلاق	8
363	رذائل اخلاق	9
383	تہذیب واخلاق اسلامی	10
419	اسلامی معاشرہ	11
453	معاشرتی ادارے (الف)	12
485	معاشرتی ادارے (ب)	13
527	سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم	14
577	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	15
613	امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	16
651	حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہم	17
691	اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن	18

پیش لفظ

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے۔ اس کے تحفظ اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام اور نظریۂ پاکستان سے روشناس کرائیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر حکومت پاکستان نے تمام تعلیمی مراحل کے لئے اسلامیات کے ایک مختصر اور جامع نصاب کو لازمی قرار دیا ہے، تاہم جو طلبہ وطالبات علوم اسلامیہ کا نسبتاً تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے اسلامیات اختیاری کے مضمون کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انٹرمیڈیٹ اسلامیات اختیاری کا یہ کورس پیش کر رہی ہے۔

اس کورس کی تیاری میں یہ امر پیش نظر رہا ہے کہ اس میں ان معلومات کا اعادہ نہ کیا جائے جو اسلامیات لازمی میں شامل ہیں بلکہ علوم اسلامیہ سے متعلق مزید معلومات دی جائیں تاکہ طلبہ کا ذہنی اور علمی افق وسیع ہو۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے طلبہ وطالبات میں اسلام کا صحیح علم اور اسلام کے عملی نفاذ کے لئے جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو۔ وہ اپنے ملک اور اسلامی نظریئے کے وفادار رہیں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا نصب العین ہر دروازے پر علم کی دستک دینا اور گھر گھر علم کے چراغ روشن کرنا ہے۔ یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات میں ہر عمر، پیشہ اور صلاحیت کے افراد شامل ہوتے ہیں اور انہیں مروجہ رسمی تعلیمی اداروں کے طلبہ کی سی سہولتیں میسر نہیں ہوتیں۔ اس لئے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ تمام کورسز اس اسلوب سے مرتب کئے جائیں کہ ان سے استاد کی مدد کے بغیر استفادہ آسان ہو۔ اس مقصد کے لئے آسان زبان کے

استعمال، علمی اصطلاحات کی تشریح، اہم نکات کے اعادہ اور خود آزمائی کے سوالات پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

زیرِ نظر کورس ....۱۹ میں ترتیب دیا گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ترمیم واضافہ کے ضمن میں اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے تجاویز موصول ہوتی رہیں۔ مقام مسرت ہے کہ شعبہ حدیث وسیرت کے صدرنشین پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی نے پوری محنت اور عرق ریزی کے ساتھ اس کتاب پر نظر ثانی کی اور اسے نئے اسلوب اور انداز میں ترتیب دیا۔ مجھے امید ہے کہ طلبہ اب اس کتاب کو پہلے سے بہتر پائیں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو کامیاب فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمود الحسن بٹ

وائس چانسلر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو روئے زمین پر پیدا کیا تو ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے انبیاء اور رسول بھی بھیجے۔ان تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ لوگ اپنے خالق و مالک کو پہچانیں، اس کے اور آپس میں ایک دوسرے کے حقوق دیانت داری سے ادا کریں، دنیا میں پرسکون زندگی اور آخرت کی کامیابی اور سعادت سے ہم کنار ہوں۔

شروع میں انسان کی زندگی سادہ تھی۔ اس کے تقاضے محدود اور اس کے مسائل تھوڑے تھے۔ اس لئے اس دور کی الہامی تعلیمات اس زمانے کے انسانوں کے عقل وشعور اور ضروریات زندگی کے مطابق سادہ اور محدود تھیں اور محض موٹی موٹی اخلاقی باتوں پر مشتمل تھیں۔

جس قدر زمانہ گزرتا گیا، انسان کو عقل وبصیرت ترقی کرتی گئی، زندگی کی ضروریات میں وسعت اور مسائل میں پیچیدگی پیدا ہوتی گئی اسی نسبت سے اس دور کی تعلیمات میں وسعت اور گہرائی آتی گئی۔ انسانی تمدن جب ترقی کی انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ نے اپنا آخری قانون اور رہنمائی کی آخری کتاب نازل فرمائی جو وسعت اور جامعیت میں حرف آخر ہے۔

اسلام قیامت تک ساری کائنات کے تمام مادی اور روحانی ، دنیوی اور دینی ، اخلاقی اور معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کے لئے جامع ضابطۂ حیات ہے۔

اسلام کو اگر اس کے اصل مآخذ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے بنیادی مآخذ دو ہیں:

۱) **کتاب اللہ :** یعنی قرآن حکیم، وہ آخری آسمانی اور الہامی کتاب جو تقریباً تیئس سال کی مدت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور جس کا ایک ایک لفظ، نقطہ اور شوشہ آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس کتاب نے اس کائنات میں اتنا بڑا اور مثبت انقلاب پیدا کیا جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

۲) **حدیث نبوی** (صلی اللہ علیہ وسلم): یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، یا جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے درست قرار دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک اشارہ یاد

رکھتے تھے اور اسے آگے نقل کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ نبوی زندگی کے اقوال واعمال زبانی وروایت سے آگے بڑھتے ہوئے تحریر اور تدوین کے مراحل تک پہنچے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند کتابیں معرض وجود میں آئیں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے اسلامیات اختیاری برائے انٹرمیڈیٹ کے زیرِ نظر کورس کا ابتدائی حصہ انہی مآخذ کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ جس میں قرآن وحدیث کی جمع وتدوین اور قرآنی اصطلاحات اور کتب حدیث کا تعارف کروانے کے بعد متن قرآن اور متن حدیث کے منتخب حصے مع ترجمہ وتشریحات پیش کئے گئے ہیں۔

انسانی زندگی کو جب ہم مختلف شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں تو وہ معاشرتی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی پہلو کہلاتے ہیں۔ اسلام نے ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے ان تمام شعبوں کے لئے ہدایات مہیا کی ہیں۔ چنانچہ کورس متعد بہ حصے کو ان شعبوں میں اسلام کی ہدایات سے روشناس کرانے کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ جس میں معاشرتی مسائل، خاندانی زندگی، میاں بیوی کے حقوق وفرائض، اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں اور معاشرتی ادارے مثلاً مکتب، مسجد وغیرہ زیر بحث لائے گئے ہیں۔ سیاسی مسائل میں قومیت اور ریاست، فرد اور ریاست کے حقوق وفرائض پر گفتگو کی گئی ہے۔ نیز بہت سے اخلاقی، سیاسی اور معاشی پہلو متن قرآن اور متن حدیث سے متعلق یونٹوں میں ضمنی طور پر بیان کئے گئے ہیں تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہو کہ اسلام ایک وحدت ہے جس کے تمام شعبے اس طرح ایک دوسرے سے پیوست ہیں جیسے ایک انسان کے بدن کے مختلف اجزاء۔

علوم اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ تاریخ اسلام ہے۔ اسلام کا وجود تاریخ کے تمام ادوار میں مسلسل رہا ہے۔ جس میں کسی قسم کا انقطاع واقع نہیں ہوا۔ کوئی دور ایسا نہیں آیا جس میں دنیا سے مسلمان یا اسلام نیست ونابود ہو گیا ہو۔ اسلام کی شاندار تاریخ ہے اور اس کا سب سے روشن اور سنہرا دور عہد خلافت راشدہ ہے۔ چنانچہ کورس کے آخر میں اسلام کے اس عہد کی مختصر تاریخ بیان کردی گئی ہے۔

امید ہے کہ یہ کورس آپ کو اسلام کے مآخذ اور اس کے مختلف پہلوؤں سے متعارف کرانے میں کامیاب ہوگا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح طور پر اسلام کے سمجھنے اس پر عمل کرنے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسے عملاً نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
صدر، شعبہ حدیث وسیرت

تعارفِ قرآن

تحریر: ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
نظرثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے پڑھنے کے بعد آپ:

۱) قرآن حکیم سے اجمالی طور پر متعارف ہو جائیں گے اور آپ کو اس کی ضرورت واہمیت کا پتہ چل جائے گا۔

۲) قرآن کے مختلف ناموں، قرآن سے متعلق بعض اصطلاحات اور قرآنی رسم الخط سے واقفیت حاصل کریں گے۔

۳) قرآن کی جمع وتدوین کے واقعہ سے آگاہ ہو جائیں گے۔

۴) آپ یہ جان لیں گے کہ قرآن سارے کا سارا ایک ہی بار نازل کیوں نہیں ہوا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوتا رہا؟

۵) قرآن کے اسباب نزول سے آپ کو آگاہی ہو جائے گی اور یہ جان لیں گے کہ قرآن کس کس اعتبار سے معجزہ ہے۔

۶) قرآن کی عظمت، فضیلت اور تلاوت قرآن کے آداب سے واقف ہو جائیں گے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	تعارف	13
2-	قرآن کی ضرورت واہمیت	15
3-	قرآن کے نام اور اصطلاحات	18
	3.1- آیت	18
	3.2- سورت	19
	3.3- پارے اور رکوع	20
	3.4- منزل	20
	3.5- اہم نکات	21
	3.6- مکی اور مدنی سورتیں	22
	3.7- مکی سورتوں کی فضلیت	23
	3.8- مدنی سورتوں کی فضلیت	23
	3.9- قرآنی رسم الخط	24
4-	جمع وتدوین قرآن	28

28	4.1- نزول وحی	
29	4.2- ترتیب قرآن	
30	4.3- کتابت قرآن	
33	4.4- تدوین قرآن... عہد صدیقی میں	
35	4.5- جمع قرآن...... عہد عثمانی میں	
37	قرآن حکیم کا تدریجی نزول	5-
39	اسباب نزول	6-
43	اعجاز قرآں	7-
47	عظمت قرآن	8-
48	8.1- آداب تلاوت	
50	قرآن حکیم کے اثرات	9-
53	خود آزمائی	10-
55	جوابات	11-

۱......تعارف

پہلے انبیاء کی تعلیمات مٹ چکی تھیں، روئے زمین پر ہر طرف کفر وشرک اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ پوری زمین پر کہیں بھی ہدایت کی روشنی موجود نہ رہی تھی۔ بالخصوص عربوں کی حالت اور بھی ابتر تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور جب ایک مرتبہ دو خاندانوں یا قبیلوں میں دشمنی ہو جاتی تو برس ہا برس دشمنی کا سلسلہ چلتا رہتا اور کئی کئی نسلیں خاندانی عداوتوں کی بھینٹ چڑھ جاتیں۔

عقائد میں خرابی کا یہ عالم تھا کہ خانہ کعبہ، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا، ۳۶۰ جھوٹے خداؤں کا گھر بن گیا تھا، لوگ اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے اور پھر انہیں کے سامنے پیشانی ٹیک دیتے، انہیں سے مرادیں مانگتے۔

ڈاکہ، غارت گری، چوری، جواء، شراب نوشی، بدکاری، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا الغرض کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔

پھر اچانک ان میں سے ایک فرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز غار حرا سے اترے تو انہوں نے لوگوں کو توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان لانے اور تمام برے کام چھوڑ کر اچھے کام کرنے کی دعوت دی۔ شروع شروع میں مخالفتیں بھی ہوئیں، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اذیتیں بھی دی گئیں۔ آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بھی بنے، آپ کے خلاف جنگیں بھی لڑی گئیں لیکن بالآخر وہی عرب جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے دنیا کی بدترین قوم تھے ہر اعتبار سے انسانیت کی بہترین امت بن گئے۔ ان میں شرک کی جگہ توحید نے، باہمی دشمنیوں کی

جگہ محبت اور اخوت نے بدکاری اور بدکرداری کی جگہ نیکی اور پاک دامنی نے لے لی۔ وہ لوگ جو خود کسی نظام کے تابع نہیں تھے انہوں نے چند سالوں میں اس وقت کی معلوم دنیا کے دو تہائی حصے کو ایک نظام کے تابع کر دیا لیکن وہ خود حاکم نہیں بن بیٹھے بلکہ انہوں نے خدا کی زمین پر خدا کا قانون نافذ کر دیا۔

یہ اتنا بڑا انقلاب اس پیغام کا کرشمہ تھا جسے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے اترے اور پھر صفا و مروہ پر، منیٰ اور عرفات میں، گھروں اور بازاروں میں گلی اور کوچوں میں، ریگ زاروں اور نخلستانوں میں، مسجد میں اور میدان جنگ میں ہر جگہ لوگوں تک پہنچایا۔ وہ پیغام کیا تھا ـــ

آں کتاب زندہ قرآن حکیم　　　　حکمت او لایزال است وقدیم

اس یونٹ میں آپ اس زندہ کتاب۔ قرآن حکیم سے متعارف ہوں گے۔

۲...... قرآن کی ضرورت واہمیت

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آپ رات کی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھی دیکھیں تو کچھ نہیں دیکھ سکتے جبکہ ان ہی آنکھوں سے آپ دن کے وقت ہر چیز آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

اگر آپ رات کے وقت بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں اور اچانک بجلی چلی جائے یا آپ کا لیمپ بجھ جائے تو آپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہیں گی لیکن آپ کو کچھ سجھائی نہیں دے گا اور جب بجلی آجائے گی یا آپ لیمپ دوبارہ جلائیں گے تو ہر چیز روشن ہو جائے گی۔

آپ یہ جانتے ہیں کہ دیکھنے کے لئے صرف آنکھوں کی بینائی ہی کافی نہیں بلکہ کسی خارجی روشنی کا ہونا بھی ضروری ہے، وہ روشنی خواہ سورج کی ہو یا لیمپ کی۔ گویا کسی بھی مادی چیز کو دیکھنے کے لئے ہمیں ایک داخلی روشنی چاہئے جو ہماری نگاہ ہے اور ایک خارجی روشنی کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جب ہم ان چیزوں میں امتیاز کرنا چاہتے ہیں جن کو ہماری ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مثلاً کون سا کام نیکی ہے اور کون سا برائی؟ ایمان کیا ہے اور کفر کیا ہے؟ ان چیزوں کو جانچنے کے لئے ہمارے پاس ایک داخلی روشنی ہے اور وہ ہے عقل، لیکن ابھی ہم نے پڑھا ہے کہ داخلی روشنی ان چیزوں میں تب امتیاز کر سکتی ہے جبکہ کوئی خارجی روشنی بھی موجود ہو۔ پس ہم غیر مادی چیزوں کی حقیقت جاننے کے لئے ایک خارجی روشنی کے محتاج ہیں اور وہی روشنی قرآن ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب آئی ہے''۔

اگر اندھیرے میں کوئی کتاب ہمارے ہاتھ میں آجائے تو ہم یہ تو محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ کتاب ہے لیکن روشنی کے بغیر یہ نہیں جان سکیں گے کہ یہ کون سی کتاب ہے، کس موضوع پر ہے، اس میں کس کس صفحے پر کیا کیا لکھا ہے؟ اسی طرح صرف عقل کی روشنی سے ہم بعض حقیقتوں کو کسی حد تک جان سکتے ہیں لیکن مکمل رہنمائی اور ہدایت کے لئے قرآن کی روشنی ضروری ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاتَّبِعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَه‘

''اس روشنی کا اتباع کرو جو رسول اللہ کے ساتھ اتاری گئی۔''

کیا آپ جانتے ہیں کہ انسان اور انسان کی لاش میں کیا فرق ہے؟

جب تک ہمارے جسم اور روح کا تعلق، باقی ہے ہم انسان ہیں اور جب یہ تعلق ختم ہو جائے تو انسانی لاش ہیں۔

گویا انسان دو چیزوں سے مل کر بنتا ہے، جسم اور روح۔

ہمارا جسم مٹی سے بنا ہے اس لئے ہمارے جسم کی تمام ضرورتیں مٹی سے (زمین سے) حاصل ہوتی ہیں ہمیں غذا کی ضرورت ہے، بیمار ہوں تو دوا چاہئے، ہمیں لباس اور مکان ہی نہیں آرائش و زیبائش کا سامان بھی چاہئے۔ ہمیں اپنے دفاع کے لئے اسلحے کی بھی ضرورت ہے۔

آپ اپنی بے حساب جسمانی ضرورتوں کا تصور کریں اور پھر غور کریں کہ ان میں سے ہر چیز بالواسطہ یا براہ راست زمین سے حاصل ہوتی ہے۔

لیکن انسان صرف جسم کا نام تو نہیں، اس میں ایک روح بھی ہے اگر ہمیں پیاس محسوس ہو تو ہماری پیاس بجھانے کے لئے روئے زمین پر بے شمار چشمے ابل رہے ہیں لیکن ہماری روح کو پیاس لگے تو .... ؟ ہمارے بدن اور کپڑوں کا میل کچیل صاف کرنے کے لئے قسم قسم کے صابن موجود ہیں لیکن اگر ہماری روح میلی ہو جائے تو اسے صاف کرنے کے لئے کیا کریں؟ ہمیں پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو اسے نکالنے کے لئے ان گنت سوئیاں

دست یاب ہیں لیکن اگر ہماری روح میں شک اور بے یقینی کے کانٹے چبھ جائیں تو انہیں نکالنے کے لئے سوئی کہاں سے لائیں؟ اگر ہمارا جسم بیمار پڑجائے تو علاج کے لئے ڈھیروں دوائیاں موجود ہیں اور اگر ہم بیمار پڑجائیں تو اس کا علاج کیسے کریں؟

جب اللہ نے ہماری معمولی سے معمولی جسمانی ضرورت کا اس قدر خیال رکھا ہے کہ زمین کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں تو کیا اس نے ہماری روحانی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھا ہوگا، یقیناً رکھا ہے اور اس کی حکمت دیکھئے کہ:

جسم مٹی سے بنا ہے اس لئے اس کی تمام ضرورتیں مٹی سے پوری کرنے کے لئے زمین بچھادی اور روح عالم بالا کی ضرورت ہے اس لئے اس کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کے لئے عالم بالا سے قرآن اتارا اور ارشاد فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

''اور ہم قرآن اتارتے ہیں جو سراپا شفا ہے اور ایمان والوں کے لیے باعث رحمت''

ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اصولی طور پر قرآن حکیم میں رہنمائی موجود نہ ہو۔

۳...... قرآن کے نام اور اصطلاحات

قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے تمام انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اتاری جس طرح اللہ کے بہت سے نام ہیں مثلاً الرّحمٰن، الرّحیم، الصمد، الملک، القدّوس وغیرہ اسی طرح قرآن کے بھی بہت سے نام ہیں مثلاً

(۱) **الکتاب:** خاص کتاب یعنی اللہ کی کتاب

(۲) **الفرقان:** حق اور باطل میں فرق کرنے والی

(۳) **الذکر:** نصیحت

(۴) **النور:** روشنی

(۵) **الشفاء:** پیغام صحت

ان کے علاوہ اور بہت سے نام ہیں لیکن سب سے زیادہ مشہور قرآن ہے۔ قرآن حکیم سے متعلق کچھ ایسی ضروری معلومات اور اصطلاحات ہیں جو بڑی کثرت سے استعمال ہوتی ہیں اور وہ اتنی اہم ہیں کہ ہر طالبعلم کو ان سے واقف ہونا چاہئے۔ آیئے ہم ان اصطلاحات سے واقفیت حاصل کرلیں۔

3.1 آیت

آیت کے لغوی معنی علامت اور نشانی ہیں۔ اس کی جمع آیات آتی ہے۔ قرآن حکیم کی کسی بھی سورت کو آپ کھولیں۔ آپ کو ہر سورت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم نظر آئے گی۔ بالعموم ان ٹکڑوں کو ایک دوسرے

سے الگ کرنے کے لئے دائرہ O لگایا جاتا ہے اور قرآن حکیم کے بعض نسخوں میں ان دائروں میں نمبر بھی ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ایک گول دائرے سے دوسرے گول دائرے تک کا حصہ ایک آیت کہلاتا ہے اور دائروں میں نمبر اس سورت میں آیت کا نمبر بتلاتا ہے۔ مثلاً سورۃ الکوثر

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ② إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ③

(الکوثر: پارہ ۳۰)

تین آیات پر مشتمل ہے۔

لمبی عبارت کو چھوٹی چھوٹی آیات میں تقسیم کرنے کی وجہ سے ایک تو کلام اللہ میں خوبصورتی اور ادبی چاشنی پیدا ہوگئی ہے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے اسے یاد کرنا اور یاد رکھنا آسان ہوگیا ہے، یہاں تک کہ چھوٹی عمر کے بچے بھی قرآن مجید کو حفظ کر لیتے ہیں بلکہ وہ زیادہ آسانی سے یاد کر لیتے ہیں۔

3.2 سورت

سورت کا لفظ سور سے بنا ہے، سور کا معنی ہے فصیل اور شہر پناہ۔ سورت کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ جس طرح شہر پناہ کی وجہ سے ایک شہر زمین کے دوسرے حصوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک سورت قرآن کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے علیحدہ کرتی ہے اور جس طرح شہر پناہ کے اندر آباد شہر محفوظ ہوتا ہے اسی طرح ہر سورت کے اندر موجود آیات محفوظ ہیں۔

ایک سورت کو دوسری سورت سے الگ کرنے کے لئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی آیت استعمال کی گئی ہے جہاں بھی قرآن حکیم میں بسم اللہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلی سورت ختم ہوگئی ہے اور نئی سورت شروع ہوگئی البتہ قرآن میں ایک سورت ایسی ہے جو بِسْمِ اللّٰهِ کے بغیر شروع ہوتی ہے اور وہ ہے سورہ توبہ۔ اور ایک جگہ سورت کے درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ آئی ہے اور وہ سورۃ النمل میں ہے۔

قرآن حکیم کی کل چھوٹی بڑی سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔

3.3 پارے اور رکوع

قرآن حکیم کو سورتوں اور آیات میں تو اللہ تعالیٰ نے خود تقسیم کیا ہے لیکن بعد میں علماء نے قرآن مجید کو برابر تیس حصوں میں تقسیم کردیا جن میں سے ہر حصے کو پارہ یا جز کہتے ہیں۔ پھر ہر پارے کو مزید تقسیم کرکے رکوع بنادیئے گئے۔ پورے قرآن میں رکوع کی تعداد ۵۵۸ ہے۔ قرآن مجید کی یہ تقسیم چوں کہ قرآن کا حصہ نہیں ہے بلکہ بعد میں لوگوں نے کی ہے اس لیے پارے اور رکوع کی علامت کو قرآن کے اندر متن میں نہیں لکھتے بلکہ حاشیے پر لکھتے ہیں۔

قرآن مجید کو تیس پاروں میں تقسیم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا اور ہر ماہ میں کم از کم ایک بار پورے قرآن کی تلاوت مکمل کرے گا۔ عام لوگوں کے لئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ اپنے طور پر قرآن کو اس طرح برابر تیس حصوں میں تقسیم کرلیں کہ روزانہ اس کا ایک حصہ تلاوت کرکے ایک مہینے میں مکمل کرلیں اس لیے اہل علم نے لوگوں کی سہولت کے لئے یہ کام کردیا۔

رکوع کی تقسیم میں غالباً اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ایک مسلمان عام طور پر نماز میں کس قدر تلاوت کرتا ہے۔ اتنے ٹکڑے کو رکوع کا نام دیا گیا اور یہ نام رکھنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ نماز میں جس قدر تلاوت کرنے کے بعد آدمی رکوع کرتا ہے۔ اتنی مقدار کو رکوع کا نام دے دیا گیا۔

3.4 منزل

بعض صحابہ کو جو قرآن مجید کی تلاوت کا بہت شوق رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہفتے میں پورے قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی تھی اور آپ نے خود روزانہ تلاوت کی مقدار فرمادی تھی۔ اس مقدار کا

نام منزل رکھا گیا۔ اس اعتبار سے قرآن کو حسب ذیل سات منزلوں میں تقسیم کر دیا گیا:

پہلی منزل: سورہ الفاتحہ سے سورہ النساء کے آخر تک

دوسری منزل: سورہ المائدہ سے سورہ توبہ کے آخر تک

تیسری منزل: سورہ یونس سے سورہ النحل کے آخر تک

چوتھی منزل: سورہ بنی اسرائیل سے سورہ فرقان کے آخر تک

پانچویں منزل: سورہ الشعراء سے سورہ یٰسین کے آخر تک

چھٹی منزل: سورہ والصفت سے سورہ الحجرات کے آخر تک

ساتویں منزل: سورہ ق سے آخر قرآن تک

بعض صحابہ اس ترتیب سے سات دن میں مکمل قرآن حکیم تلاوت کر لیتے تھے۔

3.5 اہم نکات

اوپر کی بحث سے آپ جان گئے ہوں گے کہ:

۱) قرآن کیا ہے اور اس کے مشہور نام کون کون سے ہیں؟

۲) آیت اور سورت کا کیا مفہوم ہے، قرآن حکیم میں کتنی سورتیں ہیں؟

۳) قرآن حکیم کو تیس پاروں اور ۵۵۸ رکوعوں میں کیوں تقسیم کیا گیا ہے؟

۴) قرآن کو سات منزلوں میں تقسیم کرنے کا مقصد کیا ہے؟

3.6 مکی اور مدنی سورتیں

آپ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، نبوت ملنے سے پہلے چالیس سال اور نبوت سے بعد تیرہ سال تک آپ مکہ معظمہ میں رہے پھر آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور زندگی کے آخری دس سال آپ کا قیام وہیں رہا۔ قرآن حکیم مکہ معظمہ میں نازل ہونا شروع ہوا اور جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تب بھی نزول قرآن کا سلسلہ جاری رہا گویا قرآن کا کچھ حصہ مکہ میں اور کچھ مدینہ میں نازل ہوا۔ اس اعتبار سے قران کی سورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) مکی سورتیں

ایسی سورتیں جو پوری یا ان کا اکثر حصہ ہجرت سے پہلے نازل ہوا مکی سورتیں کہلاتی ہیں۔ مکی سورتوں کی تعداد چھیاسی ہے۔

(ب) مدنی سورتیں

وہ سورتیں جو پوری یا ان کا اکثر حصہ ہجرت کے بعد نازل ہوا مدنی سورتیں کہلاتی ہیں۔ ان کی تعداد اٹھائیس ہے۔ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں کہ سورت کا اکثر حصہ ایک شہر میں نازل ہوا اور اسی سورت کی کچھ آیات دوسرے شہر میں نازل ہوئیں۔ علماء نے ایسی تمام آیات کی نشاندہی کردی ہے لیکن آپ کے لئے ان کا جاننا ضروری نہیں ہے۔

یہ یاد رکھیں کہ مدنی سورت یا آیت کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورت یا آیت مدینہ میں نازل ہوئی کیوں کہ بہت سی آیات مدینہ سے باہر سفر میں نازل ہوئیں بلکہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے لیکن وہ بھی مدنی کہلاتی ہیں اس لئے کہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ پس مکی اور مدنی کا تعلق ہجرت سے ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہونے

والا حصہ مکی ہے اور ہجرت کے بعد کا مدنی ہے، چاہے جہاں ہوا ہو۔

اب آپ یہ سمجھ گئے ہوں کہ جب آپ قرآن کھولتے ہیں تو ہر سورت کے شروع میں اس کے نام کے ساتھ "مکیّہ" (مکہ میں نازل ہونے والی) یا "مدنیّہ" (مدینہ میں نازل ہونے والی) لکھا ہوا ہوتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے۔

3.7 مکی سورتوں کی خصوصیات

مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو اسلام کی دعوت دی وہ شرک میں مبتلا تھے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے، اس لئے مکی سورتوں میں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ مکی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس لئے اس دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں آپ کو صبر کی بھی تلقین کی گئی۔

مکہ کے لوگ اپنی فصاحت و بلاغت، ادبی و شاعرانہ قابلیت پر بہت فخر محسوس کرتے تھے اس لیے مکی سورتوں میں چھوٹی چھوٹی آیات میں ایسی فصاحت و بلاغت اور اس طرح کا ادبی اسلوب پیش کیا گیا کہ جو بھی سنتا حیران رہ جاتا اور قرآن کے بار بار کے چیلنج کے باوجود قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مقابلے میں بھی سب مل کر کوئی سورت نہ بنا سکے۔

3.8 مدنی سورتوں کی خصوصیات

مدینہ منورہ میں تین طرح کے لوگ آباد تھے:

(۱) اہل اسلام (مہاجرین اور انصار)

(۲) منافقین

(۳) یہودی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اسلامی نظام حکومت کو چلانے کے لئے نئے نئے مسائل سامنے آئے چنانچہ مدنی سورتوں میں ان مسائل کو حل کرنے کے بارے میں ہدایات ہیں یعنی معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کے سلسلے میں رہنمائی کی گئی ہے، مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور منافقین اور یہود کے ساتھ تعلق کے بارے میں احکامات دیئے گئے، جہاد کی فرضیت، زکوۃ، حج، عدل و انصاف، تجارت، وراثت، حدود اور دوسرے ملکی قوانین کے متعلق مکمل رہنمائی کی گئی۔

مدینہ میں نازل ہونے والی سورتیں زیادہ تر بڑی بڑی ہیں اور ان میں اس طرح کے پرجوش الفاظ نہیں ہیں جیسے کہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں ہیں۔

3.9 قرآن کا رسم الخط

قرآن حکیم جس دور میں نازل ہوا اس وقت حروف پر نقطے اور حرکات (زیر، زبر، پیش) لگانے کا رواج نہیں تھا۔ عرب چونکہ اہل زبان تھے ان کی اپنی زبان عربی تھی اور قرآن بھی عربی میں نازل ہوا اس لیے انہیں اس کی تلاوت میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی جب غیر عرب کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے اور انہیں نقطے اور حرکات نہ ہونے کی وجہ سے بعض حروف اور الفاظ کو پڑھنے میں مشکل پیش آنے لگی تو ایک جیسے حروف کو نقطے لگا کر ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا گیا اور حرکات کے ذریعے صحیح تلاوت میں آسانی پیدا کر دی گئی۔

قران حکیم میں کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کے لکھنے کا طریقہ عام عربی زبان کی کتابت سے مختلف ہے مثلاً عام عربی زبان میں صلاۃ (نماز) اور زکاۃ (زکوۃ) لکھتے ہیں جبکہ قرآن میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح کے کچھ اور الفاظ بھی ہیں جن کا قرآنی رسم الخط، عام رسم الخط سے مختلف ہے۔ اس لیے خیال رہے کہ جب بھی آپ قرآن کی کوئی آیت لکھنا چاہیں تو اسے قرآن سے دیکھ کر اسی طریقہ سے لکھیں جس طرح قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔ صرف یادداشت پر بھروسہ کر کے لکھنے سے کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔

یہ تو تھا بعض الفاظ میں حروف کی کمی بیشی کا مسئلہ جس کے بارے میں قران کے خاص رسم الخط کی

پابندی کی جاتی ہے۔ ایک اور فرق آپ نے دیکھا ہوگا اور وہ یہ کہ کچھ کتابیں ٹائپ کے حروف میں چھپتی ہیں اور کچھ کاتبوں کی خطاطی سے چھپتی ہیں۔ ان دونوں قسم کی کتابوں میں حروف کی بناوٹ میں فرق ہوتا ہے۔ ایک لفظ کے حروف تہجی تو دونوں قسم کی کتابوں میں ایک ہی ہوں گے لیکن ان حروف کی بناوٹ الگ الگ ہوگی لیکن اس فرق کی قرآن کی کتابت میں پابندی نہیں، آپ چاہیں تو ٹائپ کے حروف (نسخ) میں لکھیں، چاہیں کتابت کے عام حروف (نستعلیق) میں۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر تک کتاب جس خط میں قرآن مجید لکھتے تھے اسے خط کوفی کہتے ہیں۔ اگلے صفحہ پر خط کوفی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو جس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

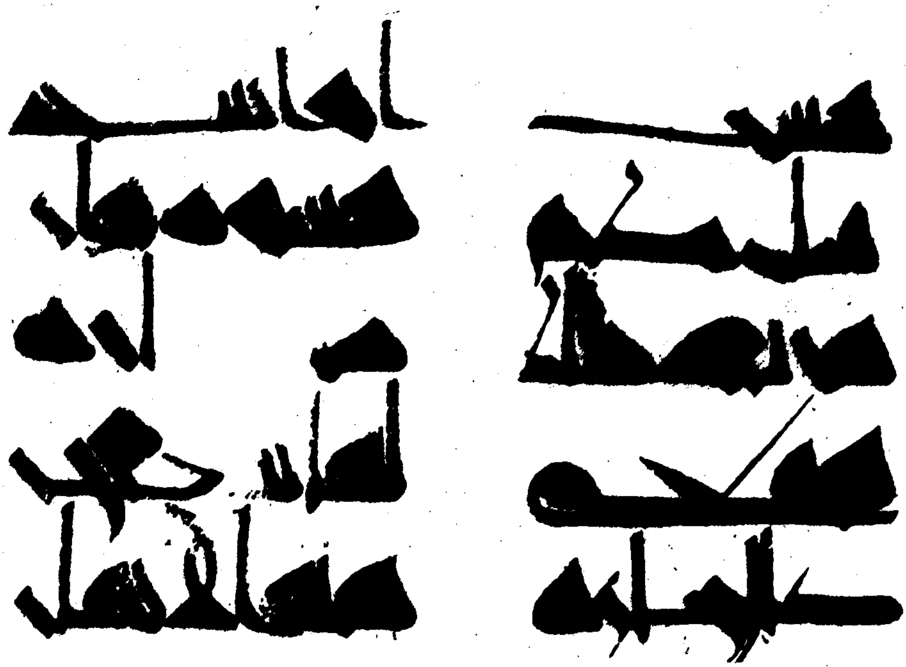

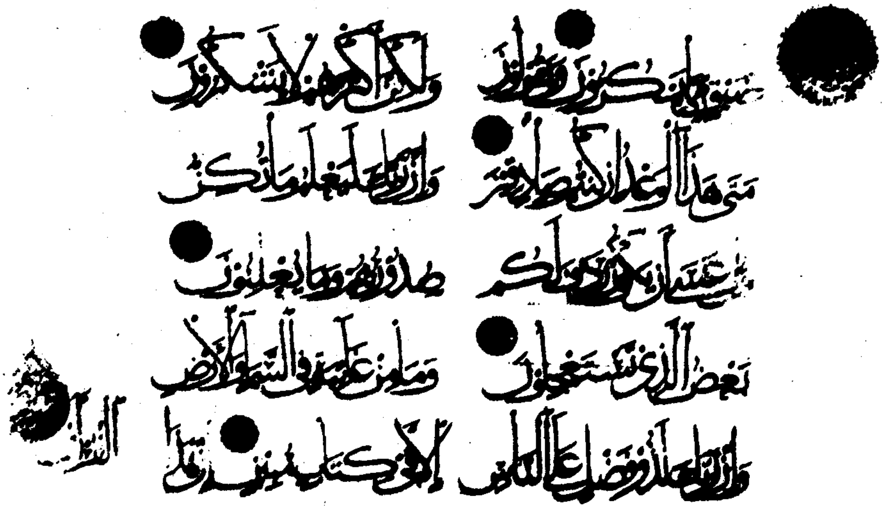

۴ ......جمع وتدوین قرآن

جمع وتدوین قرآن کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب (قرآن حکیم) کیسے تیار ہوئی اور اپنی موجودہ شکل میں کب اور کیسے مکمل ہوئی۔ قرآن مجید آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار نازل نہیں ہوا بلکہ آہستہ آہستہ تقریباً تیئیس برس تک نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کی ابتدا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال کے رمضان المبارک میں ہوئی۔ آپ غار حرا میں اللہ کی عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھائیں جو یہ ہیں:

> اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۞۱ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۞۲
> اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۞۳ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۞۴ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ
> مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۞۵ (العلق۔ پارہ ۳۰)

قرآن حکیم کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے تریسٹھویں سال ذوالحجہ کے مہینے میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیاسی دن دنیا میں رہے۔

4.1- نزول وحی

قرآن مجید وحی الٰہی ہے، وحی کے معنی ہیں ''چھپا کر اطلاع دینا،، اور اس سے مراد وہ خاص غیبی طریقہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کسی نبی تک کوئی بات یا اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ وحی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں،

کبھی یہ سچے خواب کی صورت میں ہوتی ہے، کبھی فرشتہ اپنی اصلی یا کسی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر خدا کا پیغام پہنچاتا ہے اور کبھی ایک خاص کیفیت طاری ہونے کے بعد غیب سے کلام سنائی دیتا ہے۔ قرآن مجید زیادہ تر اسی آخری طریقے پر نازل ہوا۔

نزول وحی کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، چہرہ مبارک کا رنگ سرخ ہو جاتا۔ سانس تیزی سے آنے لگتا اور سخت سردیوں کے موسم میں بھی پیشانی مبارک پسینے سے شرابور ہو جاتی۔ آپ سر مبارک جھکا لیتے اور ساتھ ہی آپ کو ایک بھاری بوجھ محسوس ہوتا بلکہ اگر آپ نزول وحی کے وقت کسی اونٹنی وغیرہ پر سوار ہوتے تو وہ جانور اس بھاری پن کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور بیٹھ جاتا تھا۔ اس حالت میں آپ کو کلام الٰہی سنائی دیتا تھا اور وحی کی کیفیت ختم ہونے کے بعد آپ کو اس طرح سنا ہوا پورا کلام یاد ہو جاتا تھا۔

نزول وحی کے لئے کوئی وقت، جگہ یا مقدار مقرر نہیں تھی۔ گھر، سفر، دن رات میں جب اور جہاں حکم الٰہی ہوتا فرشتہ آپ کے پاس کلام الٰہی لے کر آ جاتا جو کبھی ایک آدھ آیت، کبھی پوری سورت اور کبھی کئی سورتوں کی کئی آیات ہوتیں۔

4.2- ترتیب قرآن

ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ سب سے پہلے سورہ العلق پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ یہ سورت موجودہ ترتیب میں 96 نمبر پر ہے اور آخری پارے میں ہے جہاں سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سورہ البقرہ کی آیت نمبر 281 ہے جو تیسرے پارے میں ہے اس سے خود بخود یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کی ترتیب اس کی موجودہ ترتیب تلاوت (جو الحمد سے شروع ہو کر والناس پر ختم ہوتی ہے) سے مختلف تھی تاہم قرآن مجید کی تمام ۱۱۴ سورتوں کے نام اور آیتوں اور موجودہ ترتیب توقیفی ہے۔ توقیفی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی ہے۔ ہر نئی وحی کے بعد آپ صحابہ کرام کو یہ بتا دیا کرتے تھے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں، فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے بعد پڑھنا ہے یعنی ہر آیت اور ہر سورت کی

جگہ آپ نے خود بتلائی ہے۔ ہر سال رمضان کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس وقت تک کے نازل شدہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ دور کا مطلب یہ ہے کہ جبریل پڑھتے تھے اور آپ سنتے جاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے اور جبریل سنتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری رمضان میں یہ دو دفعہ کیا گیا تھا اور اس دور میں یہی ترتیب رہی جس ترتیب پر آج ہمارے پاس قرآن حکیم موجود ہے یعنی الحمد سے شروع کر کے والناس پر ختم کیا گیا۔

4.3- کتابت قرآن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے اس بات کا اہتمام کیا کہ کلام الٰہی کو خود اپنی عام بات چیت سے الگ محفوظ اور ممتاز کر دیا جائے۔ آپ خود تو امّی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے نزول وحی کے بعد کسی پڑھے لکھے آدمی کو بلا کر اس سے نازل شدہ کلام لکھوالیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب میں کاغذ کا رواج بہت ہی کم تھا۔ لکھنے کے لیے کھجور کے چوڑے پتے، اونٹ کے شانے کی چوڑی ہڈی اور ہرن کی جھلی وغیرہ استعمال ہوتی تھی۔ نزول وحی کے وقت جو چیز بھی فوری طور پر دستیاب ہوتی اس پر نازل شدہ آیات لکھی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس تحریر کو مسلمانوں میں پھیلاتے جو اسے زبانی یاد کر لیتے اور اس سے نقل کر کے اپنے پاس بھی رکھ لیتے اس طرح ابتدائی دور میں ہی مکہ کے مسلمان گھروں میں قرآن حکیم سے لکھے ہوئے حصے موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ لوگوں کے پاس قرآن کے لکھے ہوئے حصے موجود تھے۔ (دیکھیے یونٹ نمبر ۱۶، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ)

دراصل قرآن کریم کی پہلی ہی وحی میں علّم بالقلم (اللہ نے قلم سے علم سکھایا) کہہ کر کتاب کی تحریر کے ذریعے سے حفاظت کی طرف اشارہ کر دیا۔ وحی کے لکھوانے کا یہ کام ہمیشہ کسی مسلمان سے ہی کروایا جاتا تھا اور آگے چل کر یہ خاصا معزز اور ذمہ دارانہ عہدہ بن گیا۔ جن صحابہ نے وحی کو لکھنے کی خدمت انجام دی، انہیں کاتبان وحی کہا جاتا ہے۔

آپ ہر نئی وحی کو لکھوانے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ ہمیشہ سفر میں بھی لکھنے کا سامان ساتھ رکھا جاتا حتیٰ کہ ہجرت مدینہ کے خطرناک سفر میں بھی آپ نے لکھنے کا سامان ساتھ رکھا ہوتا تھا تاکہ اگر راستے میں کوئی وحی نازل ہو تو اسے اسی وقت لکھ لیا جائے اور سفر کے ساتھی کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا جو کاتب وحی تھے۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد آپ نے یہ بندوبست بھی کر دیا تھا کہ قرآن مجید کا ہر نیا نازل ہونے والا حصہ لکھوانے کے بعد مسجد نبوی میں ایک صندوق میں رکھ دیا جاتا تھا اور تمام مسلمان اس سے اپنے لئے نقلیں تیار کرتے رہتے تھے۔ اس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (ربیع الاول ۱۱ھ) تک قرآن پاک کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو تحریری صورت میں کسی مسلمان گھرانوں میں موجود نہ ہو۔ البتہ یہ مسلسل اور ایک جگہ مرتب کتاب کی شکل میں نہ تھا بلکہ بکھرے ہوئے اوراق کی مانند تھا۔

مستند تحریر کے ساتھ کسی کتاب کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ اسے زبانی یاد کر لینا ہے۔ قرآن حکیم سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ان میں سے کسی کو بھی زبانی یاد کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا، قرآن حکیم واحد کتاب ہے جس کو پہلے دن سے آج تک زبانی یاد کرنے کے ذوق وشوق میں کوئی فرق نہیں آیا اور ہر زمانے میں ہزاروں لاکھوں انسان قرآن کے حافظ ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

عربی زبان میں اس زمانے تک حروف پر حرکات (زبر، زیر، پیش) ڈالنے کا رواج نہ تھا اس لیے شروع ہی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کو وحی الٰہی کی درست قرأت (پڑھنے کا طریقہ) بھی سکھا دیتے تھے اور جو صحابہ آپ سے براہ راست سیکھتے وہ آگے دوسروں کو اسی تلفظ کے ساتھ قرآن حکیم پڑھاتے تھے جو انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا ہی سے قران کریم کو حفظ کرنے پر زور دیا۔ حفظ قرآن کے ذریعے مختلف اوقات میں نازل ہونے والی آیات کے الفاظ کی صحیح قرأت ہی نہیں بلکہ ان الفاظ، عبارتوں اور آیتوں کی اندرونی ترتیب کی حفاظت بھی مقصود تھی۔

ابھی ہم نے پڑھا ہے کہ سورتوں اور آیتوں کا نزول نہ تو ترتیب وار تھا اور نہ موجودہ ترتیب کے مطابق۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ایک سورت ابھی مکمل نہ ہونے پاتی تھی کہ درمیان میں دوسری سورت نازل ہونا شروع ہو جاتی تھی۔ سلسلہ وحی چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر تک جاری رہا۔ اس لیے آپ کی بتائی ہوئی ترتیب تلاوت کو مسلسل ایک کتاب کی صورت میں لکھنا ممکن نہ تھا۔ البتہ حافظے کی مدد سے یہ ترتیب ملحوظ اور محفوظ رکھی جاسکتی تھی۔ دوسری طرف بہت سی باتوں نے مسلمانوں میں قرآن حفظ کرنے کا بے پناہ شوق پیدا کر دیا مثلاً:

١) یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اللہ کا کلام ہے۔ اس سے ہر مسلمان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ متبرک کلمات وہ دوسروں سے پہلے حاصل کرے اور اپنے سینے میں انہیں محفوظ کر لے۔

٢) آپ جب کوئی اچھا شعر سنتے ہیں تو اسے لکھ لیتے ہیں اور یاد بھی کر لیتے ہیں۔ عربوں میں اس طرح کا ادبی ذوق بہت زیادہ تھا۔ اکثر لوگ لمبے لمبے ادبی قصیدے اور نظمیں یاد کرتے اور انہیں مختلف ادبی محفلوں میں سناتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس کی فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ ادبی معیار کے سامنے عربوں کی شاعری ماند پڑ گئی اور وہ قرآن کی بے پناہ ادبی حیثیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کئی ادیب اور شاعر، شاعری چھوڑ کر قرآن یاد کرنے کے درپے ہو گئے۔

٣) نماز ہر مسلمان پر فرض ہے اور قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے اتنا قرآن یاد کرنا ہے مسلمان پر فرض ہے جس سے اس کی نماز ادا ہو جائے

٤) امامت، تعلیم قرآن اور بعض دوسرے سرکاری عہدوں کے لئے ان لوگوں کو ترجیح دی جاتی تھی جو قرآن کے حافظ اور قاری ہوتے تھے۔

٥) قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور تیئیس سال میں مکمل ہوا اس لیے یاد کرنے والوں پر یک دم کوئی بوجھ نہیں پڑا بلکہ جس طرح تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا اسی طرح لوگ یاد کر لیتے۔

٦) سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن یاد کرنے کی بار بار تلقین کی اور اس کی اتنی

فضیلتیں بتائیں کہ انہوں نے اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بے شمار افراد مکمل قرآن حفظ کر چکے تھے۔ ان میں سے بعض تو ہر رات میں مکمل قرآن کا ختم کرتے تھے بلکہ اس حد سے بڑھے ہوئے شوق کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ یا تین راتوں سے کم میں قرآن ختم کرنے سے منع فرمانا پڑا۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پورے کا پورا قرآن مجید مکتوب و محفوظ موجود تھا یعنی ایک طرف تو مکمل قرآن لکھا ہوا موجود تھا البتہ مسلسل ترتیب کے ساتھ ایک کتاب کی شکل میں نہیں تھا بلکہ متفرق طور پر الگ الگ چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔ اس کی مثال ایسی تھی جیسے ایک مکمل کتاب صفحوں کے نمبر لگائے بغیر مختلف اوراق پر لکھی ہوئی پوری موجود ہو مگر اس کے صفحے ترتیب وار نہ ہوں۔ اس کے ساتھ حفظ کی وجہ سے ان اوراق کی ترتیب لوگوں کو یاد تھی اور تمام آیات اور سورتوں کی اندرونی ترتیب کا ایسا مکمل انتظام ہو چکا تھا کہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ فلاں سورت کی اتنی آیات ہیں اور یہ آیت فلاں سورت کی ہے۔ ترتیب کے متعلق یہ معلومات حافظوں کے سینوں میں محفوظ تھیں۔

4.4- تدوین قرآن......عہد صدیقی میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کو نہایت سخت ہنگامی صورتحال اور خطرناک حالات سے گزرنا پڑا۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے ساتھ جنگوں میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں سے یمامہ کی جنگ میں جو مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں لڑی گئی (دیکھئے یونٹ ۱۵) بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں سے انتالیس پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اگرچہ مکمل قرآن کے حافظوں کی تعداد اب بھی بہت زیادہ تھی لیکن ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی نئی آیت کے نازل ہونے کا امکان نہیں تھا اور دوسرے یہ خیال کہ اسی طرح کی جنگوں میں اگر حفاظ شہید ہوتے رہے تو کسی وقت کوئی مشکل نہ پڑ جائے ان دو باتوں کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی بتائی ہوئی اور حفاظ کو یاد کرائی ہوئی ترتیب کے مطابق اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوی مستند تحریروں سے پڑتال کر کے' قرآن حکیم کو جمع کرنے کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ پر ڈالی گئی۔ حضرت زید بن ثابتؓ ایک تو کاتب وحی تھے اور دوسرے ان کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل علیہ السلام کے آخری دورہ قرآن میں شامل رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے حضرت زیدؓ کے پاس وہ تمام چیزیں جمع کرادی گئیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اہتمام سے آیت اور سورتیں لکھوائی تھیں۔ اس کے بعد منادی کروا کر تمام وہ تحریریں بھی اکٹھی کر لی گئیں جو مختلف صحابہ نے اپنے لیے لکھ کر محفوظ رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت زیدؓ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ایک آیت کو لکھنے سے پہلے اس تحریری مجموعے میں دیکھتے پھر اس آیت کی ترتیب کے لئے حفاظ کی یادداشت سے مقابلہ کرتے اور پھر اسے لکھتے صرف حفظ یا صرف تحریر کے اعتماد پر نہیں لکھتے تھے بلکہ دونوں ذریعوں سے تصدیق حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس طرح انتہائی احتیاط' تصحیح اور مقابلے کے بعد یہ کتاب مرتب ہوئی جو عبارت اور ترتیب ہر لحاظ سے ہر طرح وہی قرآن تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپ نے نہ صرف ایک آیت املا کرائی بلکہ جسے اپنی مقرر کی ہوئی ترتیب کے مطابق اپنی زندگی میں ہی کئی صحابہ کو یاد کرا دیا تھا۔

یہ مصحف (کتاب) مکمل کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رکھ دیا گیا۔ یہاں ضمناً یہ بات یاد رکھی کہ قرآن کریم کے ایک نسخے کو مصحف کہتے ہیں اور اگر قرآن حکیم کے بہت سے نسخے ہوں تو انہیں مصاحف کہیں گے۔ قرآن ایک ہی ہے مصاحف یعنی قرآن کے نسخے کئی ہو سکتے ہیں اس لیے یوں کہنا کہ میں نے دس قرآن دیکھے درست نہیں اس کے بجائے کہنا چاہئے "میں نے دس مصاحف دیکھے"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ والے نسخے کی نقلیں تیار کرا کے کہیں بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی اس لیے کہ اپنے طور پر مکمل کیے ہوئے مصاحف بہت سے صحابہ کے پاس موجود تھے اور قرآن کریم کی چند سورتوں کے حافظ تو حد وشمار سے باہر تھے۔

4.5- تدوین قرآن...... عہد عثمانی میں

قرآن حکیم کی پورے ملک بلکہ پوری اسلامی ریاست میں شب و روز تعلیم صحابہ کے اپنے اپنے نسخوں اور آگے ان سے تیار کردہ نسخوں کے مطابق جاری رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چودہ پندرہ برس بعد) قرآن حکیم کے بہت سے الفاظ کے بارے میں اختلاف پیدا ہونے لگا جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ غیر عرب بڑی کثرت سے مسلمان ہونے لگے۔ وہ عربی زبان سے آشنا نہ تھے اس لیے ان کا لب ولہجہ عربوں سے مختلف تھا۔ پھر خود عرب میں مختلف قبائل کے آپس کے لہجوں میں اختلاف تھا مثلاً یمن کے رہنے والے سین کو تا بولتے تھے اور الناس کا تلفظ النات کرتے اور کاف کو شین کی آواز میں پڑھتے تھے۔ اسی طرح مختلف قبیلوں کے اپنے اپنے لہجے تھے اور قرآن ان کی اپنی زبان عربی میں تھا اس لیے وہ اسے اپنے قبیلے کے لہجے میں پڑھتے تھے۔ عرب اس بات سے واقف تھے کہ یہ الفاظ کا فرق نہیں بلکہ لہجہ کا فرق ہے جس سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن غیر عرب اس فرق کی حقیقت سے واقف نہیں تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور بعض مقامات پر ناخوشگوار واقعات بھی رونما ہوئے۔ باخبر صحابہ نے اس سے ایک نئے فتنے کا خطرہ محسوس کیا اور حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس خطرے کی طرف توجہ دلائی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام کے مشورے اور اتفاق رائے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والا نسخہ منگوایا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا اور ان کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس تھا جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس نسخے سے کئی نسخے تیار کرائے اور تمام صوبوں کے صدر مقام پر ایک ایک نسخہ بھیجا۔ چوں کہ اس وقت تک مصاحف میں حرکات (زبر، زیر، پیش) نہیں تھیں اس لیے مزید

احتیاط کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر شہر میں مصحف کے ساتھ ایک مستند اور مشہور حافظ و قاری بھی بھیجا جو اس شہر کے لوگوں کو ٹھیک ٹھیک قرآن پڑھانے پر مامور کیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کا ایک لقب ''جامع قرآن،، بھی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کی جمع و تدوین کا کام آپ نے کیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو قرآن کی تلاوت کے ضمن میں ایک لہجے پر جمع کیا اور وہ قریش کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لہجہ تھا۔

آج دنیا میں قرآن کریم کے جتنے بھی نسخے ہیں وہ حضرت عثمانؓ کے اس مصحف کے مطابق ہیں جس کی نقلیں تیار کروائی گئی تھیں۔ اس طرح قرآن حکیم دنیا بھر میں آج تک اسی طریقے سے لکھا اور پڑھا جاتا ہے جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھا اور پڑھا جاتا تھا۔

۵......قرآن حکیم کا تدریجی نزول

قرآن حکیم سے پہلے اللہ نے جتنی کتابیں اتاری ہیں وہ ساری کی ساری ایک دم نازل کردیں لیکن قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال کے عرصے میں نازل فرمایا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن بھی سارا اکٹھا ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے تدریجی نزول یعنی تھوڑا تھوڑا اترنے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ آیئے چند ایک حکمتیں ہم بھی جان لیں:

۱) عرب کے لوگ بے شمار برائیوں میں مبتلا تھے اور اللہ تعالیٰ وہ سب برائیاں ان سے چھڑانا چاہتا تھا لیکن بہت سی عادتیں آدمی ایک ہی بار نہیں چھوڑ سکتا جبکہ ایک ایک کر کے ساری بری عادتیں آسانی سے چھوڑی جاسکتی ہیں۔ اگر قرآن ایک ہی بار نازل ہوتا تو لوگ اپنے عقائد، معاشرتی، معاشی، سیاسی زندگی اور تمام بری عادتیں ایک ہی بار بدلنے کو تیار نہ ہوتے اور قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کردیتے۔ قرآن کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک ایک کر کے قرآن نے تمام برائیاں ان سے چھڑادیں اور ان کی جگہ آہستہ آہستہ تمام اچھے اخلاق پیدا کردیئے۔

۲) روزمرہ کی زندگی میں لوگوں کو طرح طرح کے مسائل اور ضروریات پیش آتیں جن کا حل معلوم کرنے کے لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایسے موقع پر جبریل علیہ السلام قرآن کی وہ آیات لے کر حاضر ہوجاتے جن میں ان مسائل کا حل ہوتا۔ اس طرح لوگوں کو ایک تو تسلی اور اطمینان حاصل ہوتا اور دوسرے وہ آیات اور ان کا مفہوم ہمیشہ کے لئے یاد ہوجاتا۔

۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی وجہ سے کفار اور مشرکین کی طرف سے سخت دشمنی اور طرح طرح کی

ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اسی دوران میں قرآن نازل ہوتا رہتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان رہتا تھا کہ میرا رب میرے اس کام میں ہر وقت میرے ساتھ ہے اور ہر موقع پر اس کی طرف سے مجھے رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے پیغامات ملتے رہتے ہیں اگر قرآن ایک ہی بار نازل ہوتا تو یہ بات نہیں ہوسکتی تھی۔

۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اُمّی تھے اور عرب کے اکثر لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے اگر قرآن ایک ہی بار نازل کردیا جاتا تو حافظے کے قابو میں آنا مشکل تھا اور غلطی کا امکان تھا۔ اس طرح تئیس سال میں کئی لوگ پورے قرآن کے حافظ ہوگئے۔

۵) جس شخص کے پاس کتاب ہو، بسا اوقات وہ کتاب پر اس قدر اعتماد کر بیٹھتا ہے کہ نہ تو اسے یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ساری پڑھنے اور اس پر غور وفکر کرنے کی۔ بلکہ سوچتا یہ ہے کہ کتاب ہر وقت میرے پاس ہے جب ضرورت ہوگی کھول کر اسے دیکھ لوں گا۔ اس طرح کتاب کے علم سے لاپرواہی ہوجاتی ہے۔ اگر قرآن ایک بار نازل ہوتا تو اس بات کا ڈر تھا۔ تھوڑا تھوڑا نازل ہونے سے یہ خطرہ بھی نہ رہا کہ لوگ اس سے لاپرواہی برتیں گے۔

۶) قرآن کے آہستہ آہستہ نازل ہونے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کون سی چیز بہت زیادہ اہم ہے اور کس چیز کا درجہ بعد میں ہے۔ مثلاً شروع شروع میں جو آیات اور سورتیں نازل ہوئیں ان میں شرک کا ردّ اور توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت ہے اور حلال وحرام کے مسائل بعد میں نازل ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کا درجہ پہلے ہے اور اعمال کا بعد میں۔ عقیدہ درست ہوئے بغیر اعمال خواہ ان کی شکل کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، بے سود ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قرآن حکیم کے تدریجی نزول کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''سب سے پہلے ایسی سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر تھا، جب لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو پھر حلال اور حرام کے متعلق احکام اترنے لگے۔ اگر شروع ہی میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوجاتا تو لوگ کہتے، ہم شراب نہیں چھوڑیں گے۔''

٦......اسباب نزول

سبب نزول، جسے شان نزول بھی کہتے ہیں سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے زمانے میں کوئی واقعہ پیش آتا یا کوئی خاص صورتحال پیدا ہوتی جس کے بارے میں لوگ اللہ کا حکم جاننا چاہتے اور کوئی آیت یا سورت اس واقعہ کا حکم بتانے کے لئے نازل ہوتی تو وہ واقعہ اس آیت یا سورت کا سبب نزول کہلاتا۔

قران حکیم کے تدریجی طور پر نازل ہونے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اس طرح قرآن کو سمجھنا آسان ہوجاتا تھا مثلاً جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا اور مسلمان اس کے بارے میں اللہ کا حکم جاننے کے لئے بے چین ہوجاتے تو قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوکر ان کی رہنمائی کرتا۔ اس طرح قرآن کے اترنے کے کئی فائدے ہوتے۔

۱) قرآن کی ان آیات کا مطلب اور مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی، چونکہ واقعہ لوگوں کے سامنے ہوتا تھا اس لیے اس کے بارے میں قرآن جو کچھ کہتا اس کا مطلب اس واقعہ کی روشنی میں واضح طور پر سمجھ آجاتا۔

۲) لوگوں کو اللہ کے حکم کا شدید انتظار ہوتا اور اس وقت اللہ کی طرف سے جو ہدایت ملتی اس سے ہر مسلمان کے دل کو اطمینان نصیب ہوتا۔

۳) ایسے حالات میں جو حکم نازل ہوتا وہ ذہنوں میں پختہ ہوجاتا تھا اور پھر کبھی نہ بھولتا۔

بعض مفسرین (قرآن کی تفسیر کرنے والے علماء) یہاں تک کہتے ہیں کہ جب تک کسی آیت سے متعلق واقعہ اور اس کا سبب نزول معلوم نہ ہو اس آیت کی تفسیر معلوم نہیں ہوسکتی۔ ہر آیت کے بارے میں یہ کہنا کہ شان نزول معلوم نہ ہو تو اس کی تفسیر معلوم نہیں ہوسکتی درست نہیں۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ قرآن حکیم میں کئی

آیات ایسی ہیں کہ اگر ان کی شان معلوم نہ ہو تو ان کا مطلب سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

قرآن کی کئی تفسیریں اس طرح لکھی گئی ہیں کہ ہر آیت کا سبب نزول بتایا گیا ہے اگر آپ کسی ایسی تفسیر کا مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ اس پریشانی میں مبتلا ہو جائیں کہ ایک ایک آیت کے سبب نزول میں کئی کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ان واقعات میں آپس میں اختلاف بھی ہوتا ہے یعنی سب واقعات ایک طرح کے نہیں ہوتے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ واقعات ایک دوسرے کے الٹ ہوتے ہیں۔ مزید برآں سبب نزول میں کبھی کبھی ایسے واقعات بھی بیان کر دیئے جاتے ہیں جو اس آیت کے اترنے کے بعد پیش آئے۔ یہ چیزیں دیکھ کر ایک عام آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ اتنے سارے قصے کیسے ایک آیت کے نزول کا سبب بن گئے۔ آیئے اس مشکل کو حل کرتے ہیں۔

صحابہ اور تابعین کی یہ عام عادت تھی کہ جب وہ کہتے کہ فلاں آیت فلاں واقعے کے بارے میں نازل ہوئی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ پہلے یہ واقعہ پیش آیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ آیت اس واقعہ کے بارے میں حکم بتاتی ہے۔ اسباب نزول میں بیان کئے گئے واقعات کے بارے میں یہ ضروری نہیں کہ آیت اسی زمانے میں نازل ہوئی ہو جس زمانے میں واقعہ پیش آیا ہے۔ اسے یوں سمجھیں کہ اگر آپ کہیں سفر میں ہوں اور آپ کو وضو کے لئے پانی نہ ملے اور آپ کو کوئی رفیق سفر پوچھے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے تو آپ کہیں کہ اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّباً

''جس شخص کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیں۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آیت اب نازل ہوئی یا آپ کے واقعہ پر نازل ہوئی بلکہ اس آیت کے سبب نزول میں بہت سے واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان کی یہی حیثیت ہوتی ہے کہ مفسر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان تمام واقعات کا حکم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کی تفسیروں میں شان نزول کے طور پر جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ ان سے قرآن کا مطلب سمجھنے میں کوئی زیادہ مدد نہیں ملتی۔ قرآن کا مفہوم صحیح طور پر سمجھنے کے لئے دو طرح کے واقعات کا جاننا ضروری ہے۔

۱) وہ واقعات جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے اور آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے پس منظر میں کوئی واقعہ ہے۔ اس کی ایک عمدہ مثال سورہ المجادلہ میں ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی ہے اور اللہ سے شکوہ کر رہی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت میں جس عورت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اگر وہ پوری تفصیل سے معلوم ہو تو اس سے اس آیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۲) وہ واقعات جو کسی عام حکم کو خاص کر رہے ہوں مثلاً:

''اللہ ہی کے لئے ہے مشرق و مغرب، تم (نماز میں) جس طرف اپنا رخ کرو اسی طرف اللہ کی ذات موجود ہے''۔

اس آیت کے ترجمہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم جس طرف چاہیں منہ کر کے نماز پڑھ لیں۔ خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہے لیکن آیت کا صحیح مطلب تب معلوم ہوگا جب ہمیں اس کا سبب نزول معلوم ہو اور وہ یہ ہے کہ ایک تاریک رات میں چند صحابہ نے اس طرح نماز پڑھی کہ قبلہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ہر ایک نے سوچ

بچار کر کے جس طرف اس کا دل جما اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی اور یہ پتہ نہیں چلا کہ کس نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کیا اور کس کس نے دوسری طرف کا رخ کیا۔ جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کا عمل ضائع نہیں کیا اور ان کی نماز قبول کر لی۔

اب آپ اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر اس آیت کو دوبارہ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آیت کا حکم عام نہیں کہ ہر شخص جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھے بلکہ خاص قسم کے حالات سے متعلق ہے۔

اگر چہ اسباب نزول میں بیان کئے گئے کچھ واقعات سے قرآن کا مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے تاہم بار بار ہمیں یہ بات بتائی ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا تعلق کسی خاص واقعہ سے اس طرح نہیں ہے کہ اس سے ملتے جلتے دوسرے واقعات میں اس آیت سے رہنمائی نہ حاصل کی جا سکتی ہے اور اس واقعہ کے بعد اس آیت کا حکم ختم ہو جائے بلکہ اس طرح کے حالات جب اور جہاں پیدا ہوں گے قرآن کی وہ آیت انسانوں کے لئے وہیں موجود ہوگی۔ قرآن کا تعلق کسی خاص علاقے یا زمانے سے نہیں بلکہ یہ دائمی اور عالمگیر ہدایت کا پیغام ہے۔ یہ ہر دور، ہر علاقے، ہر خطے اور انسانوں کے ہر طبقے کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے اس لئے اس کی آیات کسی خاص واقعہ سے وابستہ نہیں ہو سکتیں۔

درحقیقت قرآن کا اصلی اور حقیقی سبب نزول لوگوں کی وہ حالت اور کیفیت ہے اور انسانوں کو پیش آنے والے وہ واقعات ہیں جن میں انہیں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور قرآن ہر شخص کی ہر حالت و کیفیت اور ہر واقعہ میں رہنمائی کرتا ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآن میں ہر شخص کا اس کے حالات اور کیفیتوں کے حوالے سے ذکر موجود ہے اور قرآن ہر ہر فرد کو ذاتی طور پر خطاب کر کے رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے، کاش جب ہم قرآن کی تلاوت کریں تو یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ براہ راست مجھ سے ہم کلام ہے۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو کتنے اچھے انداز میں کہا ہے:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

۷......اعجاز قرآن

معجزے کا لفظ آپ نے بارہا پڑھا اور سنا ہوگا۔ یہ لفظ عجز سے بنا ہے، عجز یا عاجز آ جانا ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں، معجزہ اس کام کو کہتے ہیں جسے کوئی نبی یا رسول اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور لوگ اس طرح کا کام کرنے سے عاجز ہو جائیں۔

اعجاز قرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم ایک معجزہ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی طرح ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ قرآن حکیم نے ساری کائنات کو چیلنج کرتے ہوئے کہا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ص
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ ج
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

”اور اگر تم اس کلام کے بارے میں کسی شبہ میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی لے آؤ، اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو پس اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“

اس آیت کو ایک بار پھر پڑھیں آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم کا یہ چیلنج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ دوسرے انبیاء کرام کے معجزات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے میں ایک بڑا فرق ہے۔

تھوڑی دیر یہاں رک کر آپ خود غور کریں کہ وہ فرق کیا ہے؟

آیئے اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ وہ فرق کیا ہے اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ نے خود جو فرق سوچا تھا وہ صحیح تھا یا نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ معجزہ تھا کہ آپ کی لاٹھی اژدہا بن جاتی تھی اور آپ کا ہاتھ چمکنے لگتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ معجزہ تھا کہ آپ کوڑھی، برص والے اور پیدائشی اندھے شخص کو درست کردیتے تھے لیکن کیا یہ معجزات اب بھی باقی ہیں؟ نہیں، تمام انبیاء کے معجزات ان کی زندگیوں تک تھے، جب ان کا وصال ہوا تو معجزات ساتھ ہی ختم ہوگئے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ......قرآن حکیم۔ آپ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح معجزہ ہونے کی حیثیت سے باقی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھا بلکہ یہ معجزہ اس قدر عام ہوگیا کہ ہر مسلمان ساری دنیا کے انسانوں کو چیلنج کرسکتا ہے کہ اگر تمہیں اس کے کلام الٰہی ہونے میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ اوپر جو آیت ہم نے پڑھی ہے اس کا چیلنج آج تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گا لیکن نہ کوئی پہلے اس کا مقابلہ کرسکا اور نہ آئندہ کرسکے گا۔

قرآن حکیم کس اعتبار سے معجزہ ہے؟

آیئے ذرا اس سوال کا جواب تلاش کریں۔

قرآن حکیم جس زمانے میں نازل ہوا اس وقت عربوں میں شعر و شاعری، فصاحت و بلاغت کا بہت زور تھا۔ ان میں شاعری اور خطابت کے آپس میں مقابلے ہوتے۔ الفاظ و معانی پر بحث ہوتی۔ ہر بڑا شاعر دوسروں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا اور عرب کے لوگ باقی ساری دنیا کو اپنے مقابلے میں گونگا سمجھتے تھے۔ ایسے

حالات میں ایک ایسے شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) جنہوں نے چالیس سال تک کوئی شعر نہ کہا تھا۔ کوئی خطبہ نہ دیا تھا، کہیں تعلیم حاصل نہ کی تھی جن کے بیشتر سرپرست ان کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ ٹھیک چالیس سال کے بعد ان کی زبان مبارک پر ایسا کلام آنے لگا جو الفاظ اور معانی دونوں کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ جسے سن کر لوگ ششدر رہ گئے کہ یہ نہ تو شاعری ہے اور نہ نثر، اس طرح کا کلام نہ پہلے کبھی سنا تھا اور نہ دوسرا کوئی شخص اس طرح کا کلام پیش کر سکتا ہے۔ قرآن نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساری دنیا کو چیلنج دے دیا کہ سب مل کر اس کی چھوٹی سی سورت کی طرح کی کوئی سورت بنالاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اکٹھے ہوئے، بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں، کئی کئی سال کوششیں جاری رہیں لیکن سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

گویا قرآن کے معجزہ ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن اپنی ادبی زبان، الفاظ اور اسلوب کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ قرآن حکیم نے آئندہ پیش آنے والے کئی واقعات کے بارے میں پیش گوئیاں کی ہیں اور وہ واقعات اسی طرح پیش آئے جس طرح قرآن نے بتائے تھے مثلاً نزول قرآن کے زمانے میں فارس اور روم کی جنگ چھڑ گئی جس میں رومیوں کو اتنی عبرت ناک شکست ہوئی کہ انہیں کوئی جائے پناہ نہیں ملتی تھی۔ قرآن نے اس وقت پیش گوئی کرتے ہوئے کہا کہ دس سال گزرنے سے پہلے اہل فارس کو شکست ہو جائے گی اور رومی غالب آجائیں گے۔ ان حالات میں یہ بات اتنی عجیب لگتی تھی کہ مکہ کے سرداروں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس پیش گوئی پر شرط باندھ لی اور ان کا خیال تھا کہ اب رومی کبھی سر نہیں اٹھا سکیں گے لیکن قرآن کا کہا سچا ہوا اور دس سال پورے ہونے سے پہلے اہل فارس کو شکست ہوگئی اور رومی غالب آگئے۔ مکہ کے سرداروں کو شرط میں مقرر کیا ہوا مال دینا پڑا جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبول نہیں کیا کیونکہ دوطرفہ شرط اسلام میں جائز نہیں رہی تھی۔

معلوم ہوا کہ قرآن مجید اپنی پیش گوئیوں اور غیب کی خبروں کے ہو بہو سچا ہونے میں بھی معجزہ ہے۔

قرآن حکیم نے ان بے شمار علوم کو جن کا احاطہ آج تک نہ کسی کتاب نے کیا ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اتنے مختصر حجم اور تھوڑے کلمات میں جمع کر دیا ہے جو تمام انسانوں کی ہمیشہ ہمیشہ کی ضروریات

کے لئے کافی ہیں۔

قرآن نے شخصی اور خاندانی زندگی سے لے کر شہری اور بین الاقوامی زندگی تک جو قانون دیئے ہیں۔ دنیا کے تمام قانون دان مل کر ان میں سے کسی قانون میں کوئی خامی نہیں بتا سکتے اور نہ اس سے بہتر قانون لا سکتے ہیں۔

قرآن حکیم نے انسان کی معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی ہر طرح کی ضرورت کے لئے ایسے رہنما اصول دیئے ہیں کہ دنیا قسم قسم کے تجربات کرنے کے بعد آخر قرآن کی تعلیمات کو قبول کرنے پر مجبور ہو رہی ہے۔

قرآن نے بہت سی سائنسی معلومات دی ہیں اور سائنس اپنی بے پناہ ترقی کے باوجود قرآن کے بیان کئے ہوئے حقائق میں سے کسی ایک لفظ کے بارے میں بھی سائنس دان یہ ثابت نہیں کر سکے کہ یہ درست نہیں ہے۔

قرآن نے بے شمار تاریخی معلومات دی ہیں لیکن آج تک کوئی محقق قرآن کی کسی بات کو غلط ثابت نہیں کر سکا۔

گویا قرآن ہر علم کے علماء کے لئے معجزہ ہے اور نہ معلوم ابھی قرآن کے معجزہ ہونے کے کتنے پہلو ایسے ہوں گے جو آج ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں لیکن علم کی ترقی کے ساتھ ان کی معجزانہ حیثیت لوگوں کے سامنے آئے گی۔

۸......عظمت قرآن

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے جس طرح اللہ کی ذات عظمت اور بزرگی والی ہے، ہر عیب سے پاک ہے اسی طرح اس کی کتاب بھی عظمت اور اونچی شان والی ہے اور ہر قسم کی غلطی سے پاک ہے۔ یہ اتنی عظمت والی کتاب ہے کہ اگر پہاڑوں پر نازل ہوتی تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے اور ساتھ ہی اس میں اتنی شیرینی اور اتنا اثر ہے کہ اسے پڑھ کر آنکھیں نم آلودہ ہو جاتی ہیں اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب بڑی برکتوں والی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے متبرک سمجھ کر اونچے طلاق یا الماری میں رکھ دیں بلکہ یہ کتاب ہماری رہنمائی کے لئے ہے۔ رہنمائی کا کیا مطلب ہے؟

> آپ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے طالبعلم ہیں۔ آپ کو یونیورسٹی کی طرف سے جو کتابیں جاتی ہیں ان میں ''رہنمائے طلبہ،، کے نام سے ایک پمفلٹ ہوتا ہے آپ نے وہ پمفلٹ پڑھا ہوگا وہ یونیورسٹی کے طریق تعلیم، مختلف کورسوں، ہفتہ وار یا پندرہ روزہ تدریسی اجتماعات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، پروگرام فیسوں، امتحانات وغیرہ ہر چیز کے بارے میں آپ کو معلومات مہیا کرتا ہے۔ گویا اگر آپ اس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو رہنمائے طلبہ میں درج ایک ایک بات کا علم ہونا چاہئے اور کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اس پر عمل کریں۔

اب آپ رہنمائی کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ قرآن ہماری زندگی اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر لمحے کے لئے رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اگر ہم اسے بغیر سمجھے پڑھ لیتے ہیں تو ہمیں ثواب تو ہوگا رہنمائی نہیں ملے گی اور اگر سمجھ کر پڑھیں گے لیکن عمل نہیں کریں گے تو معلومات میں تو اضافہ ہوگا لیکن کامیابی نہیں ہوگی۔ سو رہنمائی

حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور اس کی ایک ایک بات پر عمل کریں۔

چوں کہ یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے اس کو پڑھنے اور پڑھانے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَه'

''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

اور آپ نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کرنے پر ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس لیے اس کی تلاوت کے کچھ آداب ہیں۔ آیئے ہم وہ آداب جان لیں تا کہ اس کی برکتوں سے محروم نہ رہیں۔

8.1- آداب تلاوت

۱) قرآن مجید اگر دیکھ کر پڑھیں تو باوضو ہو کر پڑھیں۔ زبانی پڑھنا ہو تو بغیر وضو کے بھی جائز ہے۔

۲) قرآن کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پڑھ لیں اور ذہن میں یہ باتیں تازہ کرلیں کہ مجھے اپنی زندگی کے لئے صرف اسی کتاب سے رہنمائی حاصل کرنی ہے اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے، جو چیزیں میری زندگی میں قرآن کے خلاف ہیں مجھے ان سب چیزوں کو چھوڑ دینا ہے اور اپنی زندگی قرآن کے مطابق ڈھال لینی ہے۔

۳) قرآن مجید کو جلد جلد نہیں بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، ایک ایک حرف صحیح ادا کریں۔

۴) ہر آیت کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر غور وفکر کریں اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی

کا جائزہ لیں۔

۵) خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کریں لیکن یہ خیال رکھیں کہ آپ کی خوش الحانی گانے اور موسیقی سے قریب تر نہ ہو جائے۔

۶) اگر آپ تنہائی میں پڑھ رہے ہیں یا ایسی جگہ جہاں لوگ آپ کی تلاوت سننے کے لئے آمادہ ہیں وہاں بلند آواز سے پڑھیں اور اگر دوسرے لوگ بھی عبادت اور تلاوت وغیرہ میں مصروف ہیں یا آرام کر رہے ہیں یا اپنے کاموں میں مشغول ہیں تو آپ آہستہ آہستہ تلاوت کریں۔

۷) تلاورت کرتے ہوئے بغیر کسی مجبوری کے درمیان میں سلسلہ تلاوت کاٹ کر بات نہ کریں اگر مجبوری ہو اور بات کرنا پڑے تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھ کر شروع کریں۔

۸) صرف ترجمے کی تلاوت نہ کریں بلکہ پہلے آیات پڑھیں اور پھر ان کا ترجمہ دیکھ لیں۔

۹) جہاں سجدہ تلاوت آئے وہاں سجدہ کریں۔

۱۰) قرآن حکیم میں کچھ نشانات ہوتے ہیں جنہیں رموز واوقاف کا نام دیا گیا ہے بالعموم قرآن کے اکثر نسخوں کے شروع یا آخر میں ان کی تفصیل دی ہوئی ہوتی ہے کہ فلاں علامت پر ٹھہر جائیں۔ فلاں پر ملا کر پڑھیں وغیرہ۔ ان رموز واوقاف کا مطالعہ کریں اور تلاوت میں ان کا خیال رکھیں۔

۱۱) تلاوت کے اختتام پر اپنے لیے' اپنے والدین' رشتہ داروں وغیرہ کے لئے دعا کریں۔

۹......قرآن حکیم کے اثرات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن لوگوں کو صرف پڑھ کر ہی نہیں سنایا بلکہ جو حصہ آپ پر نازل ہوتا، آپ اسے پڑھاتے خود بھی عمل کرتے اور دوسرے مسلمانوں سے بھی عمل کراتے تھے۔ آپؐ نے قرآن حکیم کے ذریعے عرب کے جاہل اور اجڈ معاشرے کے مزاج، اخلاق، اعمال، معاشرت اور تمدن میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کیا جس کی انسانی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

قران اللہ کی کتاب ہے اور اس کے اثرات حیرت انگیز تھے۔ ابتدائی دور میں اکثر لوگ صرف قرآن سن کر اسلام لے آئے۔ کتنے ہی لوگوں کے واقعات ہیں کہ وہ اسلام کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے لیکن اچانک کسی وقت قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑگئی اور دل میں گھر کرگئی۔

نزول قرآن کے ابتدائی چند سال تو اس حال میں گزرے کہ مسلمان چھپ کر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن کی تعلیمات کو کھلے طور پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن پڑھاتے تھے۔ کئی سال بعد جب اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کا کام شروع ہوا تو مکہ معظّمہ میں مسلمانوں کو اس طرح کا اختیار اور اقتدار حاصل نہیں ہوسکا کہ وہ قرآن کے لائے ہوئے قانون کو عملی طور پر نافذ کریں۔ ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دس سال دنیا میں موجود رہے لیکن ان دس سالوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے پہلے چھ سال مشرکین مکہ کے ساتھ لڑائیوں اور منافقین اور یہود کی سازشوں کی نذر ہوگئے۔ مسلمانوں کے خلاف سب بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور دوسری کئی لڑائیاں اسی مدت کے اندر ہوئیں۔ ہجرت کے چھٹے سال دس سالوں کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا اور صرف ایک سال قائم رہنے کے بعد پھر قریش نے اسے توڑ دیا۔ ان

چار سالوں میں مسلمانوں کو نسبتاً سکون نصیب ہوا۔ گو اس میں فتح مکہ، غزوہ حنین وغیرہ اہم معرکے پیش آئے تاہم یہی تھوڑا سا وقت ہے جو آپ کو قرآن کی دعوت عام کرنے کے لئے اور قرآن کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے ملا۔ پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ آپ کی قوم ایک ایسی قوم تھی جس نے کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی اور مشرکین عرب یہود و نصاریٰ سب آپ کے خلاف تھے۔ آپ کے پاس دنیوی مال و اسباب، افرادی قوت اور کام کرنے کے لئے وقت سبھی چیزیں بہت کم تھیں۔ اس پوری صورتحال کو سامنے رکھیں اور پھر دیکھیں کہ آپ کے وصال کے وقت تقریباً پورے جزیرہ عرب پر قرآن کی حکومت تھی جو ایک طرف روم کی سرحد تک، دوسری طرف عراق تک اور تیسری طرف عدن تک پہنچ چکی تھی۔ بلاشبہ یہ قرآن کے بے پناہ اثرات تھے کہ یہ پورا خطہ زمین امن و سکون کا گہوارہ بن گیا تھا۔

قرآن حکیم کی وجہ سے عربی زبان کی معیاری صورت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی۔ قرآن نے پوری امت کو ایک ایسی زبان عطا کی ہے جو فصیح و بلیغ ہے اور ان کے آپس کے رابطے کا ذریعہ ہے۔ یہ زبان قرآن کی بدولت آج بھی اتنی ہی تروتازہ اور زندہ ہے جتنی کہ نزول قرآن کے وقت تھی ورنہ انسانی تاریخ میں کئی زبانیں پیدا ہوئیں اور بعد میں اس طرح ختم ہوگئیں کہ ان کا نام جاننے والا کوئی نہیں رہا۔

قرآن کے نزول کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تک پہنچنے کا راستہ دکھایا جائے لیکن قرآن نے اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس میں کائنات پر غور وفکر اور اس کائنات میں موجود چیزوں کو مسخر کرنے کی ترغیب بھی شامل ہے۔ اس کے بارے میں تفصیلات آپ یونٹ نمبر ۴ میں پڑھیں گے۔

قرآن حکیم مسلمانوں کے دنیوی عروج اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔ جب تک مسلمانوں نے قرآن حکیم کی تعلیم کو اپنائے رکھا انہیں دنیا میں عروج اور اقتدار حاصل رہا اور جب انہوں نے قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا تو اپنی قوت و طاقت کے باوجود تباہ و برباد ہوگئے مسلمانوں کے لئے قران حکیم نے عروج اور کامیابی کی ایک ہی شرط لگائی ہے اور وہ ہے۔

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْن

"تمہیں برتر ہوگے اگر تم مومن ہوئے۔"

آج اگر مسلمان قرآن کی تعلیمات کے مطابق باہمی اختلافات کو طے کر کے اخوت اور مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کریں اور اپنے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کو قرآن کے اصولوں پر از سر نو منظم کریں اور اپنی تبلیغ اور جہاد کی پالیسیوں کو قرآنی حکمت کے مطابق مرتب کریں تو آج بھی انہیں حیرت انگیز عروج اور اقتدار حاصل ہوسکتا ہے اور اگر مسلمان کہلانے کے باوجود قرآن کو پس پشت ڈال دیں گے تو اس انجام سے نہیں بچ سکتے جس کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"جو شخص قرآن کو چھوڑ دے گا خدا اسے تہس نہس کردے گا۔"

خلاصہ یہ کہ قرآن نے انسانی معاشرے پر بے پناہ اثرات چھوڑے ہیں مثلاً

۱) بہت سے لوگ صرف قرآن کو سن کر مسلمان ہوگئے۔

۲) قرآن کی وجہ سے عربوں کی جاہل اور اجڈ قوم پوری انسانیت کی رہنما بن گئی۔

۳) قرآن نے عربی زبان کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا۔

۴) قرآن نے مشاہدہ کائنات کی تعلیم دی۔

۵) قرآن ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔

۱۰......خود آزمائی

۱) رات کی تاریکی میں ہم کیوں نہیں دیکھ سکتے ؟

۲) غیر مادی چیزوں میں امتیاز کرنے کے لیے کون سی دو روشنیاں ضروری ہیں؟

۳) ہمارے روحانی بیماریوں کے لیے اللہ نے کون سا نسخہ شفا نازل فرمایا؟

(۴) آیت اور سورت میں کیا فرق ہے؟

۵) کیا پارے اور رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائے؟

۶) قرآن کی کل کتنی سورتیں ہیں؟

۷) قرآن کی منزلیں کتنی ہیں؟

۸) کون سی سورتیں مکی کہلاتی ہیں اور کون سی مدنی؟

۹) جو سورت ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں نازل ہو وہ مکی ہے یا مدنی؟

۱۰) دو ایسے الفاظ بتائیں جن کا عام عربی رسم الخط قرآنی رسم الخط سے مختلف ہے

۱۱) سب سے پہلی اور سب سے آخری وحی کون سی ہے؟

(۱۲) کیا نزول وحی کے لیے کوئی جگہ یا وقت مقرر تھا؟

۱۳) قرآن کی ترتیب کے توقیفی ہونے کا کیا مطلب ہے؟

۱۴) قرآن کے دور سے کیا مراد ہے؟

۱۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی حفاظت کا کیا انتظام فرماتے تھے؟

۱۶) قرآن کتنے سال میں مکمل نازل ہوا؟

۱۷) قران کی کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کس کس چیز پر کی جاتی تھی؟

۱۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کی تدوین کیوں ممکن نہ تھی۔

۱۹) قرآن پہلے کس خلیفہ کے حکم سے مدون ہوا؟

۲۰) قرآن کو پہلے پہل مدون کرنے والے صحابی کا نام کیا تھا؟

۲۱) حضرت حفصہؓ کون تھیں؟

۲۲) حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن کیوں کہتے ہیں؟

۲۳) قرآن کے تدریجی نزول کا کیا مطلب ہے؟

۲۴) حضرت عائشہؓ نے قرآن کے تدریجی نزول کی کیا حکمت بتائی ہے؟

۲۵) سبب نزول کسے کہتے ہیں؟

۲۶) بعض مفسرین نے ایک آیت کے کئی کئی سبب نزول کیوں بیان کئے ہیں؟

۲۷) کس قسم کی آیتوں کا سبب نزول جاننا ضروری ہے؟

(۲۸) معجزہ سے کیا مراد ہے۔قرآن کو کس لیے زندہ معجزہ کہتے ہیں؟

۲۹) کیا قرآن بلند آواز میں پڑھنا چاہیے یا آہستہ؟

۳۰) آج کے دور میں مسلمان پھر سے عروج اور اقتدار کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

۱۱...... جوابات

یونٹ نمبر ۱

(۱) کیوں کہ رات کو خارجی روشنی نہیں ہوتی۔

۲) (۱) عقل کی روشنی (۲) وحی کی روشنی۔

(۳) قران حکیم

۴) قرآن حکیم میں ایک گول نشان ○ سے دوسرے گول نشان ○ تک کا حصہ آیت اور ایک بسم اللہ سے دوسری بسم اللہ تک کا حصہ سورت کہلاتا ہے۔

۵) نہیں۔

۶) ۱۱۴ (ایک سو چودہ)

۷) سات (۷)

۸) ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں مکی اور بعد میں نازل ہونے والی مدنی ہیں۔

۹) مدنی۔

۱۰) صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو عام عربی رسم الخط میں صلاۃ اور زکاۃ لکھتے ہیں۔

۱۱) سب سے پہلی وحی ''اقرا باسم ربک الذی خلق اور آخری اذا جاء نصر اللہ کی سورت ہے۔

۱۲) نہیں۔

۱۳) توقیفی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مقرر کی ہے۔

۱۴) ایک شخص قرآن پڑھے اور دوسرا سنے پھر وہ پڑھے اور پہلا سنے اسے دور کہتے ہیں۔

۱۵) کاتب سے لکھواتے اور لوگوں کو یاد کرواتے تھے۔

۱۶) تقریباً تئیس سال میں۔

۱۷) چمڑے، لکڑی کی تختیوں، ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر۔

۱۸) کیوں کہ قرآن ابھی نازل ہو رہا تھا۔

۱۹) حضرت ابوبکر صدیقؓ۔

۲۰) حضرت زید بن ثابتؓ۔

۲۱) حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ۔

۲۲) مختلف بولیوں کا فرق ختم کر کے حضرت عثمانؓ نے سب لوگوں کو قریش کے لہجے میں قرآن پڑھنے پر جمع کر دیا تھا اس لیے انہیں جامع قرآن کہا جاتا ہے۔

۲۳) جواب کے لئے دیکھئے نمبر ۵۔

۲۴) دیکھئے ۶، ۵۔

۲۵) جو واقعہ کسی آیت کے نازل ہونے کا سبب بنا ہو اسے سبب نزول کہتے ہیں۔

۲۶) دیکھئے نمبر ۶۔

۲۷) دیکھئے نمبر ۶، ۱، ۲۔

۲۸) معجزہ اس کام کو کہتے ہیں جسے کوئی نبی یا رسول اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور لوگ اس طرح کا کام کرنے سے عاجز ہو جائیں۔ دیکھئے نمبر ۷

۲۹) دیکھئے ا۔۸ نمبر ۶

(۳۰) قرآن پر عمل کر کے پھر عروج حاصل کیا جا سکتا ہے۔

القرآن

غلبۂ دینِ حق

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار

نظرثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے سے آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱) قرآن کریم کی ان منتخب آیات کی لفظی اور بامحاورہ ترجمے سے واقف ہوں جن کا تعلق غلبۂ دین حق سے ہے۔

۲) یہ جان لیں گے کہ غلبۂ دین حق سے متعلقہ آیات کس طرح ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہیں۔

۳) آپ پر واضح ہو جائے گا کہ غلبۂ دین حق کے لئے مسلمانوں پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔

۴) آپ مسلمان حکمران پر عائد ہونے والے فرائض کی وضاحت کر سکیں گے۔

یونٹ کا تعارف

یونٹ نمبر ۱ میں آپ نے قرآن کریم کی جمع وتدوین ، اس کی ضرورت اور اس کے فضائل کے بارے میں پڑھا ہے۔ اب اگلے چار یونٹوں (۲ تا ۵) میں آپ کو قرآن کریم کے متن (یعنی اس کی عبارتوں) کے کچھ حصے ترجمہ اور معانی سمجھانے کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ کورس کے اس حصے میں قرآن کریم کی ایک سورت کی بجائے ، مختلف موضوعات پر منتخب آیات ، بطور نصاب مقرر کی گئی ہیں۔ ذرا اس کی وجہ بھی سن لیجئے!

۱) آپ نے یونٹ نمبر ۱ میں پڑھا ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب تلاوت جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر فرمائی ہوئی ہے۔ یہ نہ تو ترتیب نزول کے مطابق ہے اور نہ ہی اس میں مضامین کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں قصے ، عقائد ، احکام ، مواعظ ، مباحثے ، بشارات ، اخلاقیات اور بیسیوں دیگر موضوعات بغیر کسی ترتیب اور تقسیم کے ، مگر ایک دوسرے کے آس پاس ایسے خوبصورت انداز میں بکھرے ہوئے موجود ہیں ، جیسے کرۂ ارض پر اونچے پہاڑ ، لق ودق صحرا ، سرسبز میدان ، ناپیدا کنار سمندر اور گھنے جنگلات کے ملے جلے سلسلے دھرتی کے مناظر کو پرکشش بناتے ہیں۔ اگر پہاڑ ، سمندر ، صحرا ، میدان اور جنگلات وغیرہ میں سے ایک الگ الگ ایک ایک خطۂ زمین میں ہوتا ، تو غالباً یہ مناظر اکتا دینے والے ہوتے۔ جو لوگ ساری دنیا کی سیاحت خود نہیں کر سکتے۔ ان کی دلچسپی اور معلومات کے لئے تمام دنیا کے پہاڑوں ، تمام سمندروں ، تمام صحراؤں ، ایک ایک قسم کے جانوروں وغیرہ پر الگ الگ کتابیں لکھی گئیں ہیں۔

۲) جس طرح روئے زمین ایک ''صحیفۂ قدرت'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایک کھلی کتاب ہے۔ اس طرح قرآن کریم ''صحیفۂ ہدایت'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی کتاب ہے۔ قرآن کریم کا اصل موضوع

تو ''انسانوں کے لئے راہِ ہدایت'' ہے۔ مگر جامع موضوع کے بیسیوں پہلوؤں پر قرآن مجید میں ایک سے زیادہ جگہوں پر اور اسلوب بدل بدل کر بات کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اسی کلام کی بار بار اور بکثرت تلاوت کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ ترجمہ اور معانی سے واقف آدمی کے لئے ، مختلف موضوعات پر قرآن کریم کی تعلیمات کے مختلف گوشے وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہیں۔ جو لوگ پورے قرآن مجید کو اس طرح نہیں سمجھ سکتے ، ان کے لئے قرآن کی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کی ایک بہتر صورت یہ بھی ہے کہ کسی ایک اہم موضوع پر قرآن کریم کی ہدایات اور تعلیمات کو ایک جگہ جمع کر کے سمجھا جائے۔ اسی طرح کسی بھی مسئلہ یا موضوع کے مختلف گوشے، قرآن کریم کی روشنی میں، اجاگر ہو کے سامنے آجاتے ہیں۔ اسی لئے آپ کے اس کورس میں قرآنی موضوعات کے انتخاب کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

۳) مجموعی طور پر آپ کے لئے قرآن کریم کے چار اہم موضوعات مقرر کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) غلبۂ دین حق (۲) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) مشاہدۂ کائنات (۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر .... اور یہی چار ترتیب وار آپ کے اس کورس کے یونٹ ۲، ۳، ۴ اور ۵ کے عنوانات ہیں۔ یوں تو ہر ایک مسلمان مرد اور عورت کو پورے قرآن کا فہم حاصل کرنے اور اس کے تمام احکام اور ہدایات کو جان لینے کا حکم ہے مگر وقت کی کمی اور دیگر کئی اسباب کی بناء پر یہ بات سب کے لئے ممکن نہیں ہوتی ...... تو کم از کم ...... ہر ایک مسلمان ، مرد، عورت کو قرآن کریم کے اہم احکام اور ضروری تعلیمات ہی کو جاننے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

اب آیئے! اسی ارادے کے ساتھ اللہ کا نام لے کر ان یونٹوں کا مطالعہ شروع کیجئے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر ان کا فہم آسان کر دے اور پڑھنے ، سمجھنے کے بعد اس پر عمل کی توفیق دے، آمین!

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	غلبۂ دین حق	63
	آیت	63
	اہم نکات	66
	آیت	67
	اہم نکات	71
	آیت	72
	آیت	74
	اہم نکات	77
	آیت	78
	اہم نکات	80
	آیت	80
	اہم نکات	83
	آیت	84

	اہم نکات	87
	آیت	88
	اہم نکات	91
-2	خلاصہ	92
	اللہ کے وعدے	92
	اللہ کے وعدے پورے ہونے کا منظر	93
	مسلمانوں کے فرائض	93
-3	خود آزمائی	95
-4	جوابات خود آزمائی	97

ا...... غلبۂ دین حق

هُوَ	الَّذِیْٓ	اَرْسَلَ	رَسُوْلَهٗ	بِالْهُدٰی	وَ	دِیْنِ	الْحَقِّ
وہ	جو کہ	اس نے بھیجا	اپنا رسول	ہدایت کیساتھ	اور	دین	سچائی (کا)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ

لِیُظْهِرَهٗ	عَلَی	الدِّیْنِ	كُلِّهٖ	وَ	لَوْ	كَرِهَ	الْمُشْرِكُوْنَ ○
تاکہ وہ غالب کردے اس کو	اوپر	دین	پورا اس کا	اور	اگرچہ	وہ ناخوش	شرک کرنے والے

تاکہ وہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے سب کے سب دینوں پر اور پڑے برا مانیں مشرک

سورۃ الصّف: آیت نمبر ۹

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول کو مکمل ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس (دین) کو (ہر لحاظ سے) پوری طرح غالب (دین) بنادے اور اسے سب کے مقابلے پر بلند کردے) خواہ (یہ بات) اہل شرک کو (کتنی ہی) ناگوار گزرے۔

1.1.1- مرکب الفاظ:

رَسُوْلَهٗ	=	رَسُوْل + ہٗ	اس کا
بِالْهُدٰی	=	ب (ساتھ) + الھدٰی	ہدایت
لِيُظْهِرَه	=	ل (تا کہ) یظھر (وہ غالب کردے) + ہٗ (اس کو)	
كُلِّهٖ	=	کل (پورا تمام) + ہٖ (اس کا)	

1.1.2 - تفسیری اشارات:

۱) آیت میں رسولہ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ الھدیٰ سے مراد قرآن کریم اور دین الحق سے مراد دین اسلام ہے۔

۲) اس آیت کا مفہوم قرآن کریم میں دو اور جگہوں پر بھی آیا ہے۔ سورۃ میں تو بالکل اسی عبارت کے ساتھ اور سورۃ الفتح (پ ۲۶) میں الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ۔

۳) اس آیت میں دین اسلام کے غلبہ کا وعدہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری اس وقت دی گئی۔ جبکہ مسلمان بہت کمزور تھے اور بظاہر کسی غلبے کی توقع تک نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ٹھیک ٹھیک پورا ہوا (دین کی کمزوری) اور پھر غلبے کے اس دور کا بیان یونٹ نمبر ۱۴ میں بھی آپ پڑھیں گے)۔ اس لحاظ سے یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

۴) دین کے معنی نظام زندگی یا ایک نظام اطاعت کے ہیں۔ اس طرح دین الحق کو سارے کے سارے دین (الدین کلہ) پر غالب کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(الف) دین اسلام کا ہر اس نظام زندگی پر غالب آنا جو بحیثیت ایک نظام کے دین کی نوعیت رکھتا اور لوگوں سے اپنی اطاعت اور وفاداری طلب کرتا ہے۔ اس میں تمام مذاہب و ادیان بھی

آ جاتے ہیں اور ہر قسم کے ''ازم'' بھی۔ اس صورت میں ''الدین'' واحد ہوتے ہوئے جمع کے معنوں میں لیا جاسکتا ہے جیسے کہیں ''انسان فانی ہے'' تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ سب انسان فانی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان عالم کے مقابلے پر زبردست غلبہ حاصل ہوا۔ حکومت و اقتدار کے لحاظ سے بھی اور دلائل کے زور کے لحاظ سے بھی۔ تمام اقوام ومذاہب پر اسلام کے روحانی، عقلی، سیاسی، معاشرتی اور مادی اثرات کی جھلک اب تک صاف نظر آتی ہے۔

(ب) غلبہ دین کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ دین جسے قرآن کریم نے ''الدین'' کہا ہے اور جس کا تمام انبیاء نے پرچار کیا اور جو اصولی طور پر حضرت آدم سے آنحضرت تک احکام میں اختلاف کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس دین کی بنیادی تعلیمات تک تحریف کرکے اسے مسخ کیا جاچکا تھا اور پھر وہ ابھی تشنہ تکمیل بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے اس دین کو تحریف کے کھوٹ سے پاک کیا اسے اصلی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا اور آخری ارتقائی منازل تک پہنچادیا اور یہ بھی غلبہ دین ہے۔

۵) آیت میں مسلمانوں کو اپنے دین کے روشن مستقبل پر اعتماد اور یقین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے اور دین کے غلبہ کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہنے کا حکم بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ دین کے لئے جدوجہد کا ایک اسوہ حسنہ اور طریق کار کا ایک بہترین نمونہ ہمارے لئے چھوڑا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی تو آئے گا نہیں۔ اس لیے دین اسلام کے مقابلے پر آنے والے ہر باطل نظام زندگی کو (چاہے اس کا نام کچھ ہو) اکھاڑ پھینکنے اور اس کی جگہ دین حق کو قائم اور نافذ کرنے کی ذمہ داری اب امت کے رہنماؤں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ایک دن دین حق کو غلبہ دے گا (اور اس غلبہ کے لئے اہل ایمان ہمیشہ کوششیں جاری رکھیں گے)۔

٦) آیت میں جس دین کی خاطر کام کرنے کا حکم دیا اور اس کے غالب آنے کی خوشخبری موجود ہے۔ وہ

صرف اس دین کے لئے ہے ''جو اللہ کا رسول' اللہ کی طرف سے لایا تھا''۔ دین اسلام کی اصل اور برحق صورت صرف وہی ہے جس میں سے محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا اور اس غلبے کے لیے کامیابی کا ضامن طریق کار بھی وہی ہوسکتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا: اسلام کے کسی خودساختہ تصور کے ساتھ اپنی خواہشات سے دھوکے کھاتے پھرنا اور اسلام کے صرف لیبل یا کھوکھلے نعروں کو غلبہ حق کی جدوجہد سمجھنا یہ تو قرآن کے وعدوں کے احکام سب کے ساتھ مذاق کرنے والی بات ہے۔

۷) اسلام کے دین غالب ہونے کی صلاحیت رکھنے میں اس طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ اسلام ہی انسانیت کے تمام مسائل کا حقیقی حل اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی لیے غلبہ حاصل کرنا اس کی فطرت ہے۔ اسلام تقاضا کرتا ہے کہ وہ باقی سب نظام ہائے حیات کو اپنے تابع اور اپنی حدود کے اندر رکھے جاہلیت یعنی کسی بھی غیر اسلامی نظام کے ماتحت یا سمٹ سکڑ کر اور مغلوب ہوکر رہنا اسلام کے لیے ممکن ہی نہیں۔ قرآن کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کسی حکمران قوم کو مخاطب کرتا ہے اور جو مسلمان اقتدار پاکر' خودمختاری کے بعد بھی اپنے دین کو اپنی زندگی میں' اپنی حکومت میں' اپنی معاشرت اور ثقافت میں حیثیت دینے کو تیار نہ ہوں۔ اس آیت کی رو سے تو وہ مشرکین کی صفوں میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں جن کو دین میں مختلف قسم کی آمیزش کے بغیر خالص ''دین حق'' کا غلبہ سخت ناگوار گزرتا ہے۔

1.2- اہم نکات

۱) دین حق اور راہ ہدایت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قرآن میں ہی ہے۔

۲) اللہ نے دین حق کے غلبے کا وعدہ کیا جو پورا ہوا آئندہ کے لئے بھی یہ وعدہ موجود ہے۔

۳) مسلمانوں کو دین حق کے غلبے کے لئے کام کرنا چاہئے۔ یہ ان کا سب سے پہلا دینی فریضہ ہے۔

۴) اسلام کو ہر معاملے میں اپنا رہنما بنانا اور دنیا کے سامنے اسے اسی حیثیت سے اور اس کی اصلی، رسول اللہ کی دی ہوئی صورت میں پیش نظر رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

۵) غلبہ دین حق ماضی میں اسلام کی صداقت کی تاریخی دلیل بن چکا ہے آئندہ بھی یہ مسلمانوں کے لئے دین حق کے روشن مستقبل پر یقین کی مستحکم بنیاد مہیا کرتا رہے گا۔

وَعَدَ	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مِنْكُمْ	وَ	عَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ
وعدہ دیا	اللہ (نے)	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	تم میں سے	اور	انہوں نے کیے	اچھے کام
اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا کہ جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے							

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	فِي	الْاَرْضِ	كَمَا	اسْتَخْلَفَ	الَّذِيْنَ
کہ ضرور وہ خلافت دے گا ان کو	میں	زمین	جیسا کہ	اس نے خلافت دی	وہ جو کہ
کہ وہ ضرور ان کو زمین میں خلافت دے گا جس طرح اس نے ان لوگوں کو خلافت دی جو					

مِنْ قَبْلِهِمْ ص	وَ	لَيُمَكِّنَنَّ	لَهُمْ	دِيْنَهُمُ	الَّذِي
ان سے پہلے (تھے)	اور	وہ ضرور ہی جما دے گا	ان کے لیے	دین ان کا	وہ جو کہ
ان سے پہلے (ہوئے) اور یہ کہ وہ ضرور ان کے لیے مضبوط کردے گا ان کے دین کو جس کو					

ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ

اس نے پسند کرلیا	ان کے لئے	اور	وہ ضرور ہی بدل دے گا ان کو	بعد اس کے	ان کا ڈرنا	امن

اس نے ان کے لئے پسند کرلیا اور وہ ضرور بدل دے گا ان (کی حالت) کو ان کے خوف میں رہنے کے بعد امن سے

یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِكُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا ؕ وَ مَنۡ كَفَرَ

وہ عبادت کریں گے میری	وہ نہیں شریک بنائیں گے	میرے ساتھ	کوئی چیز	اور جس نے	کفر کیا

وہ میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں گیاور جس نے کفر کیا

بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝

بعد	اس (کے)	تو وہ سب	وہ (ہی)	نافرمانی کرنے والے

اس کے بعد تو ایسے لوگ ہی بے حکم (اور نافرمان) ہیں۔

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان سے اللہ (تعالیٰ) نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں (حکومت اور) خلافت عطا فرمائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت (اور حکومت) دی تھی اور (یہ تھی کہ) وہ ان کے اس دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، اسے ضرور بالضرور قوت (اور غلبہ) عطا فرمائے گا اور وہ ضرور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن (کی حالت) میں بدل دے گا۔ وہ میری ہی بندگی کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کریں گے۔ اور جو شخص اس کے بعد کفر (اور ناشکری) کا راستہ اختیار کرے گا تو ایسے ہی لوگ (اطاعت حق سے ہٹ جانے والے فاسق ہوتے ہیں۔ (سورہ النور:۵۵)

1.3.1- مرکب الفاظ

مِنۡكُمۡ	من (میں سے) + كم (تمہارے)
لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ	ليستخلفن (وہ ضرور خلافت دے گا) + هم (ان کو)
مِنۡ قَبۡلِهِمۡ	من (سے) قبل (پہلے) + هم (ان)
لَهُمۡ	ل (لئے) + هم (ان کے)
دِيۡنَهُمۡ	دين (دین) + هم (ان کا)
لَيُبَدِّلَنَّهُمۡ	ليبدلن (وہ ضرور ہی بدل دے گا) + هم (ان کو)
مِنۡ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ	من (سے) + بعد (پیچھے) + خوف (ڈر) + هم (ان کا)
يَعۡبُدُوۡنَنِيۡ	يعبدون (وہ عبادت کرتے ہیں) + نی (مجھ کو)
بِيۡ	ب (ساتھ) + ی (میرا)

1.3.2- تفسیری اشارات

اس آیت کو اس کے مضمون کی مناسبت سے ''آية استخلاف'' بھی کہتے ہیں یعنی وہ آیت جس میں خلافت ملنے کا ذکر ہے۔ آیت کے ترجمے پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے۔ امید ہے آپ کا ذہن باآسانی مندرجہ ذیل نکات کی طرف منتقل ہو سکے گا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو تین وعدے دیئے جانے کا ذکر ہے۔

۱) زمین میں حکومت اور خلافت ملے گی۔

۲) ان کا دین مضبوطی سے جم جائے گا یعنی اسے غلبہ حاصل ہوگا۔

۳) ان کی موجودہ خوف و ہراس کی کیفیت ختم ہو جائے گی اور انہیں مکمل امن و امان حاصل ہوگا۔

یہ تینوں پیشگوئیاں عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ جن حالات میں یہ وعدہ کیا گیا اس میں بظاہر مسلمانوں کے اقتدار اور غلبہ پانے کے کوئی آثار نہ تھے بلکہ خود اس آیت میں اُس خوف اور اضطراب کا ذکر ہے جس سے اس وقت مسلمان دوچار تھے اس لحاظ سے یہ آیت بھی قرآن اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کی ایک روشن دلیل ہے۔

آیت میں جس ''حالت خوف'' کا ذکر ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے دو باتیں ذہن میں رکھئے۔

۱) مکی دور مسلمانوں کی مظلومی اور بے بسی کا دور تھا۔ کفار مکہ کی اذیت رسانی سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔

۲) ہجرت کے بعد مدنی دور کے ابتدائی چار پانچ سال یہ حالت رہی کہ دشمن کے حملے کے خوف سے مسلمان ہر وقت مسلح رہنے پر مجبور تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ''ہر وقت کی ہتھیار بندی اور خوف و ہراس سے کب نجات ہوگی؟ اس پر ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ اور پھر امن و امان کا وہ دور خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھ لیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق زیور پہنے اکیلی عورت عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتی تھی اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا۔

۳) آیت سے اللہ کے پسندیدہ حکمرانوں کے اوصاف اور علامات کا یہ نقشہ سامنے آتا ہے۔

(۱) ایمان (۲) عمل صالح (نیک اعمال) کا پابند ہونا

(۳) اللہ کے بندے بن کر رہنا (۴) شرک کے شائبے سے بھی بچ کر رہنا

(۵) دین کو ہر جگہ غالب کرنا اور ہر وقت دین کی جڑیں مضبوط کرنے میں کوشاں رہنا

(۶) امن و امان قائم رکھنا اور لوگوں کو ہر طرح کے خوف سے نجات دلانا۔

۴) اللہ کا یہ وعدہ اب بھی قائم ہے۔ اس وعدہ پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کی طرز

کی حکومت قائم کرنا یا کم از کم اس کا خواہاں ہونا اور اس کے لیے کوشاں رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس مقصد کے لئے کسی خوف وخطر سے نہ گھبرانا بلکہ مردانہ وار اس کا مقابلہ کرنا ہی کامیابی کی ضمانت ہوسکتا ہے۔ مسلمان کے لیے حکومت دین حق کی سرفرازی کا ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ ذاتی سر بلندی کی۔

۵) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شرائط اور اوصاف سے خالی بلکہ ان کی ضرورت ہی سے منکر لوگ دراصل بے حکم اور نافرمان ہوتے ہیں جو اللہ کے دین کا وفادار نہیں وہ کسی سے بھی وفا نہیں کرتا۔

٦) یونٹ کے موضوع کے اعتبار سے اس آیت میں دین حق کی یہ صفت خاص طور پر ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ یہی وہ دین ہے جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے، مسلمان کا دین ہے یعنی اسلام ہی وہ دین ہے جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

1.4- اہم نکات

(۱) اس آیت میں تین پیشگوئیاں ہیں جو ٹھیک پوری ہوکر نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تاریخی دلیل بن چکی ہیں۔

(۱) حکمرانی ملنا (۲) دین کی قوت ملنا

(۳) خوف کی حالت ختم ہوکر امن کی حالت قائم ہونا۔

(۲) آیت کے مضمون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مکی و مدنی زندگی میں خوف و ہراس کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

(۳) اہل ایمان حکمرانی کے اوصاف اور شرائط یہ ہیں: ایمان، عمل صالح، عبادت گزاری، شرک سے پرہیز کرنا، غلبہ دین حق کے لئے جدوجہد اور خوف وخطر میں ثابت قدمی۔

(۴) اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ یہی انسان کے سارے خوف دور کرسکتا ہے۔

(۵) ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دین کی بلندی کے لیے کام کرتا جائے اور اللہ کے وعدوں پر یقین رکھے۔

1.5 آیت

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنْ	تَنْصُرُوا	اللّٰهَ	يَنْصُرْ	كُمْ
اے	وہ جو کہ	ایمان لائے	اگر	تم مدد دو گے	اللہ (کو)	وہ مدد دے گا	تم کو
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تم کو مدد دے گا							

وَ	يُثَبِّتْ	اَقْدَا مَكُمْ ۝
اور	وہ جما دے گا	قدم تمہارے
اور وہ تمہارے قدم جما دے گا		

سورۃ محمد (پ ۲۶): ۷

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

1.5.1- مرکب الفاظ

اَقْدَامَکُمْ (اقدام (قدم کی جمع) + کم (تمہارا، تم کو)

1.5.2- تفسیری اشارات

اللہ دین حق کو غلبہ ضرور دے گا مگر وہ یہ کام مسلمانوں سے لے گا اور ان کو آزمائے گا۔ ترجمہ سے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے تاہم مندرجہ ذیل نکات ذہن نشین ہونے چاہئیں:

۱) اللہ کی مدد کرنے کا مطلب اللہ کے دین کی مدد کرنا ہے، دین کی باتوں پر عمل کرنا بھی دین کی مدد کرنا ہے۔ تبلیغ دین اور اشاعت دین کے لئے کام کرنا بھی دین کی مدد ہے اور غلبہ دین کے لئے عملی جدوجہد اور ضرورت پڑنے پر جنگ میں حصہ لینا بھی دین کی مدد ہے۔ ہر شخص اپنے حالات اور اپنے دائرہ اختیار میں دین کی مدد کر سکتا ہے۔

۲) اللہ کی طرف سے مدد ملنے کی بھی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ دشمن پر جنگ میں فتح پانا، دلیل و برہان سے غالب آنا، دشمن پر کوئی آسمانی یا زمینی آفت نازل ہونا، صبر اور ثابت قدمی کی توفیق ملنا یہ سب اللہ کی نصرت اور اس کی تائید سے ہوتا ہے۔

۳) آیت میں مسلمانوں کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ راہ حق میں دی گئی قربانیاں کبھی ضائع نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر بہترین اجر دے گا نیز مضبوط ارادہ اور عزم وثبات اس کا پہلا انعام ہے۔

1.6 آیت

وَ لَاتَهِنُوْا وَ لَاتَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ

اور	تم بودے نہ بنو	اور	تم غم نہ کھاؤ	اور	تم (ہی)	برتر (ہوگے)	اگر
اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور تم ہی برتر رہو گے اگر							

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

تم ہوئے	ایمان والے
تم ایمان رکھتے ہو تو	

اورتم (بودے بن کر) ہمت مت ہارو اور غم مت کھاؤ، اس لیے کہ اگر تم (پورے) مومن رہے تو (بالآخر) تم ہی برتر اور غالب رہو گے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ

سو تم ہمت ہارو	اور	مت بلاؤ	کی طرف	صلح/امن	اور	تم (ہی)	برتر (ہوگے)
سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی برتر رہو گے۔							

وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ○

اور	اللہ	تمہارے ساتھ	اور	وہ ہرگز کم نہ کرے گا تم کو	تمہارے اعمال
اور اللہ تمہارے ساتھ ہے			اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہیں کرے گا۔		

(سورہ محمد: ۳۵)

پس تم بودے مت بنو اور (ذلت اٹھا کر) آپ ہی (امن اور) صلح کی درخواست مت کرو اور (یقین کرو کہ بالآخر) تم ہی برتر و غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے (نیک) اعمال (کی جزا) میں کمی نہیں کرے گا۔

1.6.1- مرکب الفاظ

مَعَكُمْ — مع (ساتھ + کم (تمہارا)

لَنْ يَّتِرَكُمْ — لن یتر (وہ ہرگز کمی نہ کرے گا +) کم (تم کو، تمہاری)

اَعْمَالُكُمْ — اعمال (عمل کی جمع) + کم (تمہارے)

نوٹ: لفظ الاعلون، جو دونوں آیت میں آیا ہے، یہ الاعلیٰ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سب سے اونچا۔

1.6.2 تفسیری اشارات

ان دونوں آیتوں کا مضمون ایک جیسا ہے بلکہ عبارت بھی ملتی جلتی ہے۔ رواں ترجمے پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے اور اس کے بعد حسب ذیل نکات غور سے پڑھئے۔

۱) دین اسلام ایک نظام زندگی ہے جب دوسرے نظاموں کے مقابلے پر اسے بلند اور نمایاں کرنے بلکہ ان پر (بالآخر) غالب کرنے کے لیے کام کیا جائے گا تو لازماً قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں گی حتیٰ کہ ایک وقت مسلمانوں کو اپنی بقا اور دین حق کی نصرت کے لئے ہتھیار بھی اٹھانے پڑیں گے، یہی کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو پیش آیا، مسلح کشمکش کے اس مرحلے میں کئی نفسیاتی کمزوریوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ سب سے بڑی کمزوری عجلت پسندی ہے، آدمی اپنے مقصد کے حصول میں درپیش مشکلات سے گھبرا کر اپنی محنت اور کوشش کو بظاہر ضائع ہوتا دیکھ کر ہمت ہار بیٹھتا ہے اور اس وقت وہ اپنے بہترین اصولوں کی قیمت پر حالات کے ساتھ (یا جنگ کی صورت میں دشمن کے ساتھ ساتھ) سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے ان دو آیتوں میں اسی خطرناک موڑ کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔

ان آیات کا تاریخی پس منظر جنگ احد اور صلح حدیبیہ ہیں جن کے بارے میں یونٹ نمبر ۱۴ میں تفصیل موجود ہے)۔

۲) ان آیات میں چار باتوں کی تلقین کی گئی ہے۔

(الف) دل شکستہ ہوکر بودے پن کا اظہار مت کرو۔ ہمت مت ہارو، کسی بھی جدوجہد میں وہ مسلح ہو یا غیر مسلح۔ کامیابی کا دارومدار مادی وسائل اور ہتھیاروں سے زیادہ ہمت اور حوصلہ پر ہوتا ہے۔

(ب) ڈٹے رہو، لڑائی ہو تو جم کر لڑو۔ دین کی عزت خاک میں ملا کر تم صلح کا ہاتھ دشمن کی طرف مت بڑھاؤ، ظلم اور ستم کے آگے ہتھیار ڈالنا امن پسندی نہیں، بزدلی ہے۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں دشمنوں کی جراتیں اور بڑھ جائیں گی۔

(ج) اپنے دین کے غلبے کا یقین رکھو۔ اللہ ایمان والوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس لیے بالآخر غلبہ اور برتری اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگی۔ مومن بنو، ایمان کے تقاضے سمجھو اور پورے کرو۔ مقصد

کی بلندی اصل برتری ہے۔ اگر تم حق اور ایمان کے لئے جدوجہد کر رہے ہو تو تمہاری ''اونچی شان،، تو اسی سے ظاہر ہے۔ اعلیٰ مقصد کے لیے ناکام رہنے والا بھی گھٹیا مقصد والے سے برتر ہے۔

(د) ثمرۂ عمل پر یقین رکھو۔ تمہارے اعمال ضرور پھل لائیں گے۔ تمہاری قربانیاں ہرگز رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اللہ تمہارے ہر ہر عمل کی رتی رتی جزا دینے والا ہے۔ تو پھر مایوسی کیوں پیدا ہو؟

۳) اپنے تاریخی پس منظر کے لحاظ سے ان آیات میں اس وقت کے مسلمانوں کے لئے فتح اور غلبہ کی بشارت بھی تھی جو پوری ہوئی ...... یہ وعدہ آئندہ کے لئے بھی ہے اور سچا وعدہ ہے مگر ان مسلمانوں کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے طریقے اور نمونے کے مطابق سرگرم عمل ہوں گے۔

1.7- اہم نکات

غلبہ دین حق کے لئے جدوجہد میں اور وقت آنے پر مسلح دشمن کے مقابلے میں:

(۱) مسلمانوں کو کمزوری نہیں دکھانی چاہئے بلکہ حوصلے بلند رکھنے چاہئیں۔

(۲) دین اور ملت کے مقابلے میں خصوصاً وحشی اور غیر عادل دشمن کے مقابلے میں نرمی دکھانا بھی گناہ ہے۔

(۳) اس بات پر یقین محکم رکھو کہ اللہ ہمیشہ سچے مومنوں کا ساتھ دے گا اور وہ ان کی محنت کا پھل پورا پورا دے گا۔

1.8- آیت

قَاتِلُوْ هُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ

تم لڑو	ان سے	سزا دے گا ان کو	اللہ	تمہارے ہاتھوں سے	اور	رسوا کرے گا ان کو

تم ان سے لڑو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سخت سزا دے گا اور ان کو رسوا کرے گا

وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ○

اور	مدد دے گا تم کو	ان کے خلاف	اور	وہ شفا دے گا	سینوں (کو)	ایک گروہ	ایمان والوں (کے

ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا اور وہ جماعت مومنین کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

(سورہ التوبہ:۱۴)

تم ان سے جنگ کرو (اللہ کا وعدہ ہے کہ) وہ ان کو تمہارے ہاتھوں سخت سزا دلوائے گا اور ان کو ذلیل وخوار کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور بہت سے مومنوں کے جی ٹھنڈے کرے گا۔

1.8.1- مرکب الفاظ

يُعَذِّبْهُمْ يعذّب (وہ عذاب دے گا) + هم (ان کو)

بِاَيْدِيْكُمْ ب (کے ساتھ) + ايدى (يد کی جمع، ہاتھ) + كم (تمہارا)

عَلَيْهِمْ على (اوپر، خلاف) + هم (ان، وہ سب)

1.8.2- تفسیری اشارات

اس آیت کا مضمون ۱:۵ والی آیات سے ملتا جلتا ہے۔ البتہ ان آیات میں صراحتاً جنگ کا ذکر نہیں اور غلبہ دین کی کسی بھی منظّم کوشش پر ان کا اطلاق ہوسکتا ہے وہ مسلح ہو یا غیر مسلح، اگر چہ اپنے تاریخی پس منظر (شان نزول) کے لحاظ سے ان آیات کا تعلق بھی حالت جنگ سے ہی تھا...... زیر مطالعہ آیت کا ظاہر مضمون ہی صاف حالت جنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ آیت کے ترجمے پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے اور مندرجہ ذیل باتوں پر غور کیجئے:

۱) اس آیت کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش مکہ نے اپنے حلیف قبیلہ بنوبکر کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ پر حملہ کرکے ان کو سخت جانی نقصان پہنچایا تھا (تفصیل کے لیے دیکھئے یونٹ نمبر ۱۴)۔ اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کو کفار مکہ اور ان کے حلیفوں وغیرہ سے فیصلہ کن جنگ کرنے کا حکم دینے کے علاوہ مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کی ذلت وخواری کی پیشگوئی بھی کی گئی ہے۔ یہ پیشگوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ فتح مکہ کے موقع پر قریش کو تو ہتھیار اٹھانے کی جرات ہی نہ ہوسکی اور بعد میں عرب کے دوسرے قبائل پر بھی مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور جس نے لڑنے کی کوشش کی (مثلاً بنی ہوازن دیکھئے یونٹ نمبر ۱۴۔ جنگ حنین) اس نے بری طرح شکست کھائی ...... اس طرح یہ آیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔

۲) سخت سزا سے مراد مغلوب اور رسوا ہونا ہے۔ مغلوب بھی ایسے کہ پھر وہ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کے قابل نہ رہے۔ سرداران قریش کی ذلت اور مکمل شکست خاص طور پر ان مسلمانوں کے جی ٹھنڈے کرنے کا باعث ہوئی جنہوں نے ان کافروں کے ہاتھوں ہجرت سے پہلے کے دور میں سخت اذیتیں اٹھائی تھیں۔ مظلوموں نے اپنے ظالموں کی ذلت کا اور ظالموں نے ان مظلوموں کی سربلندی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بنوخزاعہ کے انتقام کی بھڑاس بھی نکل گئی۔

۳) خاص تاریخی پس منظر کے باوجود آیت کا حکم ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ وقت آنے پر ہر ظالم عہد شکن اور مسلم کش ذہنیت رکھنے والے دشمن (جس کی ایک مثال یہود اور ہنود ہیں) سے ٹکرا جانے کے لئے تیار رہیں۔ عمل اور ایمان کے لحاظ سے بھی اور اسلحہ اور سامان کے لحاظ سے بھی۔

1.9- اہم نکات

۱) آیت میں اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کی خوشخبری ہے جو من وعن پوری ہوئی۔

۲) مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس قسم کے بدترین دشمنوں کی عبرتناک شکست تک ان سے لڑو اور اللہ کے وعدہ نصرت پر یقین رکھو اور اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرو۔

1.10- آیت

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ وَ رَاَيۡتَ النَّاسَ

جب	آ گیا	مدد	اللہ (کی)	اور	فتح	اور	تونے دیکھ لیا	لوگوں (کو)

جب آجائے اللہ کی مدد اور فتح اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ

يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ

وہ داخل ہوتے ہیں	میں	دین	اللہ (کا)	فوجیں	سوتو پاکی بیان کر	تعریف کے ساتھ

وہ داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج تو تم اپنے پروردگار کی ثناء کے ساتھ

رَبِّكَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

اسکی پاکیزگی بیان کرو	اور	تو بخشس مانگ اس (سے)	بے شک وہ	ہے	بہت توجہ فرمانے والا

اس کی پاکیزگی بیان کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک وہ بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(سورہ النصر: ۱......۳)

جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے اور (کامل غلبہ سے) فتح حاصل ہو جائے اور (اے نبیؐ!) تم دیکھ لو کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو تم اپنے رب کی حمد کے ساتھ (ساتھ) اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت (کی دعا) مانگو۔ بے شک وہ بہت (اور بار بار) توبہ قبول کرنے والا ہے۔

1.10.1- مرکب الفاظ

فَسَبِّحْ	ف (پس، سو) + سبّح (تو تسبیح کر)
بِحَمْدِ	ب (کے ساتھ + حمد (تعریف)
رَبِّكَ	رب (پروردگار) + ك (تیرا)

1.10.2- تفسیری اشارات

سورۃ النصر، جو قرآن کریم کی آخری چھوٹی سورتوں میں سے ہے، بلحاظ نزول بھی قرآن کی ۱۱۴ سورتوں میں سے سب سے آخری سورت ہے۔ اس سورت کے بعد مختلف سورتوں کی کچھ آیات تو نازل ہوئیں مگر آخری مکمل سورت یہی نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مسلمانوں سے غلبۂ دین حق، فتح و نصرت کامل اور تمکین فی الارض (حکومت و اقتدار) کے جو وعدے وقتاً فوقتاً کیے تھے۔ سورۃ النصر کے نزول کے وقت تک وہ تمام وعدے ایک ایک کر کے پورے ہو چکے تھے اللہ کی مدد سے کفار پر پوری فتح حاصل ہو چکی تھی اب ملک میں کوئی بھی اسلام سے ٹکر لینے کے قابل نہ رہا تھا۔

ا) یہ فتح صرف کافروں پر نہ تھی بلکہ کفر بھی اسلام کے مقابلے میں مغلوب ہو گیا تھا۔ یوں تو صلح حدیبیہ کے بعد سے اشاعت اسلام کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ مگر فتح مکہ کے بعد تو عرب کے تمام قبائل کے وفد مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے قبول اسلام کے اعلان کرنے لگے۔ (یونٹ نمبر ۱۴ میں عام الوفود کا ذکر پڑھیے)۔ اب اکا دکا نہیں بلکہ لوگوں کے گروہ کے گروہ، پورے قبائل اور مختلف علاقوں کی پوری آبادیاں فوج در فوج

اللہ کے دین میں داخل ہو رہے تھے۔

۲) غور کیجیے اس سورت میں دین اسلام کو دین اللہ (اللہ کا دین) کہا گیا ہے۔آپ کو یاد ہوگا اس سے پہلے آپ اسلام کے دو اور صفاتی نام پڑھ چکے ہیں یعنی دین حق اور اللہ کا پسندیدہ دین۔ابھی آگے آپ اسی موضوع پر اور بھی پڑھیں گے۔

۳) فتح ونصرت کے اس موقع پر ''جشن،، منانے کے بجائے تسبیح اور استغفار کی تلقین،کئی لحاظ سے قابل غور ہے۔

(الف) اتنی بڑی کامیابی پر بھی دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ یہ تمہارے کسی کمال کا نتیجہ ہے اللہ کا شکر کرو کہ اس نے یہ کامیابی دی اس کے لیے حمد وثناء کا مستحق وہی ہے۔

(ب) اور نہ ہی یہ خیال کرو کہ دین کی یہ فتح تمہاری کوششوں کی محتاج تھی۔اللہ اس سے بہت بلند اور پاک ہے کہ اس کے بارے میں ایسا خیال بھی دل میں گزرے بلکہ تم زبان سے بھی اس بات کا اعتراف کرو کہ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے تم سے یہ خدمت لے لی اور تمہارے ہاتھوں اپنے دین کا بول بالا کرایا تسبیح پڑھنے،سبحان اللہ کہنے کا مطلب یہی ہے۔

(ج) غلبہ دین حق کے لیے تم نے جو بھی جانفشانی کی اس کے متعلق کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ لاؤ کہ شاید میں نے اپنے رب کا حق ادا کر دیا بلکہ اس طویل جدوجہد میں مایوسی اور غم یا قلق و اضطراب کے موقع پر جو برے خیالات بھی دل میں گزرتے تھے ان کی بھی اللہ سے معافی مانگو اور دعا کرو اس خدمت کی انجام دہی میں جو بھول چوک یا کوتاہی بھی ہوئی ہو اللہ اس سے درگزر فرما کر یہ حقیر خدمت قبول کرلے۔

(د) ایسی فتح ونصرت کے موقع پر بڑی تعداد میں لوگوں کا دین میں داخل ہونا اس لحاظ سے خطرناک بھی ہے کہ ان لوگوں میں ایمان کی وہ پختگی نہیں ہوگی جو ایک مومن کا خاصا ہے یہ

کمزور ایمان والے، کم تربیت یافتہ لوگ دین کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتے ہیں اس سے محفوظ رہنے کے لیے بھی اللہ سے دعا مانگو۔

۴) سورت میں مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا سبق بھی ہے اگر رسول اللہ علیہ وسلم کے اس سارے انقلابی کارنامہ پر بھی جس کی نظیر تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔ جشن منانے کا نہیں بلکہ اللہ کی حمد وثناء اور تسبیح و دعا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کسی عمل پر اترائے یا کامیابی پر شیخی بگھارتا پھرے مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی ہر کامیابی اور ہر کوشش کو اللہ کا انعام اور فضل سمجھے اور ایسا کوئی موقع آئے۔ انفرادی زندگی میں یا قومی سطح پر......تو وہ اللہ کی حمد و ثناء کرے، شکر بجالائے اور کسی غرور میں مبتلا ہونے کی بجائے توبہ واستغفار سے کام لے۔

1.11-اہم نکات

۱) اللہ نے غلبہ دین حق کے وعدے پورے کر دیئے اور سورۃ النصر اس عظیم کامیابی کی تصویر پیش کرتی ہے۔

۲) عظیم سے عظیم کامیابی پر بھی اللہ کی مہربانیوں کا شکر اور اپنی کوتاہیوں کا احساس کرنا چاہئے۔ ڈینگیں مارنے اور جشن منانے والے لوگ اصلی عظمت سے عاری اور بڑے کھوکھے کھوکھلے ہوتے ہیں۔

۳) اپنی ''خدمات،، سے زیادہ اپنی ''لغزشوں،، پر نظر رکھو اور بار بار اللہ کی طرف رجوع کرو۔

۴) دین اسلام ہی ''اللہ کا دین،، ہے اس دین کی کچھ خدمت کرسکنے کی توفیق ملے تو اللہ کا شکر بجالاؤ اور اگر کوئی کمی کوتاہی ہوجائے تو اللہ سے معافی مانگو۔

آیت -1.12

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْ هُمْ

آج	ناامید ہوگیا	وہ جنہوں نے	کفر کیا	سے	دین تمہارا	سوتم مت ڈرو	ان (سے)

آج کافروں کی آس ٹوٹ گئی تمہارے دین کی طرف سے تو تم ان سے مت ڈرو

وَ اخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ

اور	تم ڈرو مجھ (سے)	آج	میں نے پورا کردیا	تمہارے لئے	دین تمہارا	اور

اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور

اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

میں نے پورا کردیا	تم پر	میری نعمت	اور	میں نے پسند کرلیا	تمہارے لئے	اسلام (کو)	(بطور) دین

میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین (بننا) پسند کرلیا

(سورۃ المائدہ: ۳)

آج کافر تمہارے دین کو نقصان پہنچا سکنے سے مایوس ہوگئے ہیں سو تم ان سے مت ڈرو ہاں مجھ سے (ضرور) ڈرو آج میں تمہارے لیے دین کامل کر چکا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے اسلام کو تمہارا دین (بننے کے لیے) پسند کرلیا۔

1.12.1- مرکب الفاظ

دِيْنَكُمْ	دین (دین) + کم (تمہارا)
اَخْشَوْنِ	اخشوا (تم ڈرو) + ن (مجھ سے)
لَكُمْ	ل (لئے) + کم (تمہارے)
نِعْمَتِیْ	نعمة (نعمت) + ی (میری)

1.12.2- تفسیری اشارات

یہ عبارت سورۃ المائدہ کی تیسری آیت کا کچھ حصہ ہے۔اس آیت میں اور بھی بہت سے اہم احکام بیان ہوئے ہیں جو تفصیل طلب بھی ہیں اور قدرے مشکل بھی، چونکہ آیت کے زیر مطالعہ حصہ کا تعلق غلبۂ دین حق کے موضوع سے ہے۔اس سلسلے میں حسب ذیل نکات ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔

۱) آیت میں الیوم (آج کے دن) سے مراد، تاریخی پس منظر کی روشنی میں ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ (حجۃ الوداع) کا دن ہے جس دن۔اکثر روایات کے مطابق۔یہ آیت نازل ہوئی اور جس دن آپ نے اپنے خطبے میں اس آیت کی خاص طور پر تلاوت فرمائی۔ویسے الیوم (آج) کا با محاورہ ترجمہ "دور یا زمانہ" بھی ہوسکتا ہے یعنی اب وہ دور آ گیا ہے کہ۔

۲) کافر زوال اسلام سے مایوس ہوگئے ان کی بتوں کی عبادت ہی نہیں خود بتوں کا نام و نشان مٹ

گیا۔ دین اسلام حاکمانہ قوت کے ساتھ قائم اور نافذ ہوگیا۔ کافروں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ وہ مسلمانوں کی ''قوت عقیدہ'' کے سامنے بھی عاجز ہیں۔ ان کے لیے یہ بھی ممکن نہیں رہا کہ مسلمانوں کو کسی طرح دین سے پھیرلیں۔ مغلوب کرلینا تو دور کی بات ہے۔

اس حالت میں شکر کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا سب کا خوف دل سے نکال دو مگر اللہ کا خوف ہر لحہ رہے حکومت و اقتدار پا کر خدا سے نہ ڈرنا۔ مجبوری نہیں بغاوت ہے۔ سیاسی آزادی اور استقلال (خود مختاری) کے بعد بھی ذہنی اور تہذیبی غلامی میں مبتلا رہنا۔ اپنے آپ کو اللہ کی دی ہوئی نعمت کے لیے نااہل ثابت کرنے والی بات ہے۔

۳) اس آیت کے نزول کے وقت تک دین حق کا اندرونی اور بیرونی غلبہ جس نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا اس کے تین نمایاں پہلوؤں کی طرف اس آیت میں توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) اکمال دین (۲) اتمام نعمت اور (۳) دین اسلام ہی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔

اب ان تین نکات کی تھوڑی سی مزید وضاحت سن لیجئے۔

۴) اکمال دین (دین کامل کردینا) کا مطلب ہے دین کے احکام مکمل ہوگئے دین کو ایک مستقل نظام فکر و عمل بنادیا گیا۔ زندگی کے تمام مسائل کا حل اصولاً یا تفصیلاً اس میں موجود ہے یعنی بعض مسائل کے حل کیلئے رہنما اصول دیئے ہیں اور بعض پر تفصیل کے ساتھ احکام دیئے گئے ہیں اب اس دین پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اضافے کرنا دین کی تحریف اور اس سے انحراف سمجھا جائے گا۔ اتمام نعمت کے معنی ہیں پوری کی پوری ہدایت مل جانا۔ اب اس دین سے کسی چیز کو کم کرنا یا اس کو کوئی ایک حکم نکال دینے کا مطلب ہوگا ادھوری ہدایت یا ناقص دین قبول کرنا۔ اکمال دین اور اتمام نعمت کے اس اعلان سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اب نبوت ختم ہوگئی کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی

۵) اللہ کا ہمارے لیے دین اسلام کو چن لینے' اسے اپنی رضا کا ذریعہ بنانے اور اسے پسند کرلینے کا مطلب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکمل اور پورے اسلام سے کم تر کسی چیز سے راضی نہیں ہوگا۔ اس آیت میں صاف طور پر اسلام ہی کو اللہ کا پسندیدہ دین کہا گیا ہے۔ اسلام کا لفظ قرآن کریم میں چھ جگہ آیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو دین اسلام کے بارے میں قرآن کریم کی تین وضاحتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔

(۱) آیت زیر مطالعہ میں "رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" یعنی اب رضائے اللہ دین مصطفیٰ میں ہے۔

(۲) سورہ آل عمران (پ۳)=۱۹۔ کی یہ وضاحت کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْإِسْلَامُ (یقیناً اللہ کے ہاں تو دین صرف اسلام ہی ہے) اور اسی سورۃ آل عمران (پ۳)=۸۵ میں یہ صراحت کہ: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ،، (اور جو کوئی بھی اسلام (اور صرف اسلام) کے سوا کوئی اور دین، مذہب یا طریقہ (اختیار کرنا) چاہے گا تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخر میں وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا)۔ نوٹ کیجئے کہ دین اسلام کو کسی طرح کہیں مسلمانوں کی نسبت سے دینکم (تمہارا دین) یادینھم (ان کا دین) کہا گیا ہے۔ کہیں اسے دین حق، کہیں اللہ کا دین، کہیں اسے اللہ کا پسند کردہ دین، کہیں دین کامل کہا گیا ہے۔ کہیں اسے صرف الدین (وہ دین کہ دین کا لفظ سنتے ہی جس کی طرف ذہن منتقل ہو) کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان سب باتوں سے دین اسلام کی اہمیت اور عظمت واضح ہوتی ہے۔

1.13- اہم نکات

۱) اللہ نے غلبۂ دین حق کے تمام وعدے اس شان سے پورے کر دیئے کہ کافروں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔

۲) حکومت اور اقتدار حاصل ہونے کے علاوہ دین اپنی تعلیمات کے لحاظ سے بھی کامل اور مکمل ہو گیا۔

۳) یہی کامل اور پورا پورا دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس سے ہٹنا گمراہی ہے اور اس میں کمی بیشی کرنا پورا یا اصل اسلام قبول نہ کرنے کے برابر ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے، سکھائے ہوئے اور نافذ کیے ہوئے دین سے کم تر کسی چیز پر راضی نہیں ہوگا۔

1.14- آیت

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

اَلَّذِيْنَ	اِنْ	مَّكَّنّٰهُمْ	فِی	الْاَرْضِ	اَقَامُوا	الصَّلٰوةَ
وہ جو کہ	اگر	ہم نے جما دیا ان کو	میں	زمین	انہوں نے قائم رکھا	نماز (کو)
یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکین / حکومت دیں (تو) وہ نماز قائم کریں						

وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا

وَ	اٰتَوُا	الزَّكٰوةَ	وَ	اَمَرُوْا	بِالْمَعْرُوْفِ	وَ	نَهَوْا
اور	انہوں نے ادا کی	زکوٰۃ	اور	انہوں نے حکم دیا	ساتھ بھلائی (کے)	اور	انہوں نے منع کیا
اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیں اور روک دیں							

عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

سے	برائی	اور	اللہ کے لئے	انجام	سب کام
برے کاموں سے اور سب کاموں کا انجام تو اللہ کے اختیار میں ہے۔					

(سورۃ الحج:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں (کسی جگہ) اقتدار (اور حکومت) عطا کریں تو یہ لوگ نماز کو برپا کرنے کا اہتمام کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر،، (کا التزام) کریں گے اور انجام کار تمام امور کا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

1.14.1- مرکب الفاظ

مَكَّنّٰهُمْ — مکنا (ہم نے اقتدار دیا) + ھم (ان کو)

بِالْمَعْرُوْفِ — ب (ساتھ) المعروف (بھلائی، نیکی)

لِلّٰهِ — ل (کے لیے) + اللہ (اللہ)

اصطلاحات: حسب ذیل اصطلاحات کی وضاحت ضمیمہ میں دیکھئے، الصلوۃ، الزکوٰۃ، المعروف، المنکر

1.14.2- تفسیری اشارات

قرآن کریم میں یہ مضمون مختلف مقامات پر اور اسلوب بدل بدل کر کئی بار بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بالآخر دین حق کو غلبہ دے گا۔ مسلمانوں کو زمین میں خلافت و اقتدار ملے گا۔ اللہ حق کی مدد کرنے والوں کو فتح و

نصرت عطا فرمائے گا۔ ان کا ضعف قوت میں اوران کا خوف امن میں بدل جائے گا۔

ان کے دشمن ذلیل اور مغلوب ہوں گے اور آخر کار اہل ایمان ہی غالب اور برتر رہیں گے وغیرہ۔ آیت زیر مطالعہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب اسلامی حکومت قائم ہوگی تو اس کا نصب العین کیا ہوگا اس کے حکمرانوں اور افسروں کی خصوصیات کیا ہوں گی؟ اسلام کے سایہ میں انسانی معاشرہ کس قسم کا ہوگا؟ حکومت اور خلافت فی الارض کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے کارکنوں اور لیڈروں کی تربیت میں کن امور کو مدنظر رکھا جائے گا، اس سلسلے میں اس آیت کے حسب ذیل نکات ذہن نشین کر لیجئے!

۱) اہل ایمان حکمران نماز کو قائم رکھنے کا اہتمام کریں گے وہ بھی نمازوں کے پابند ہوں گے اور سرکاری اور غیر سرکاری ہر سطح پر اقامت صلوۃ ان کی انتظامی پالیسی کا لازمی حصہ ہوگا۔ نماز ان کے اندر ''آقائیت،، کے غرور کی بجائے ''عبودیت،، کا انکسار پیدا کرنے کا باعث ہوگی۔ نماز کے ساتھ وہ ادائیگی زکوٰۃ کا انتظام کریں گے۔ اسلامی حکومت میں زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم حکومت کے زیر اہتمام ہونی چاہئے اور اس کے بعد ملک میں گداگری ختم اور تمام معذوروں اور محتاجوں کی مکمل کفالت حکومت کی ذمہ داری ہوجاتی ہے۔

۲) نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اسلامی، ٹھیک ٹھیک اسلامی۔ حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں نیکی اور بھلائی (جس میں عدل وانصاف، تکریم مساوات، سادگی اور قناعت الغرض ہر اچھا اور پسندیدہ کام شامل ہے) کا حکم دے اور ہر طرح کی بدی اور برائی (جس میں ظلم و جور، فسق و فجور، عیاشی اور فحاشی۔ الغرض ہر برا اور ناپسندیدہ کام شامل ہے) کو روکنے کے احکام جاری کرے۔ اس جامع دوطرفہ پروگرام کا نام ہی ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر،، ہے۔ اسلام میں یہ چیز کتنی اہم ہے اس پر زیادہ تفصیل کے ساتھ آپ یونٹ نمبر ۵ میں پڑھیں گے۔

۳) آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے کل پرزوں، اعلیٰ افسروں اور انتظامی امور کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کو بلکہ نیچے سے لے کر اوپر تک تمام تعلیمی اداروں میں ہر جگہ نوجوانوں کو یہ تربیت دی

جائے کہ اگر اس کو حکومت میں کوئی ذمہ دارانہ منصب ملے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کی بجائے نماز کی پابندی اور ہر وقت کا احساس بندگی ہو۔ ان کی ''دولت مندیاں،، اور ان کی مالی پالیسیاں عیاشیوں اور نفس پرستیوں کی بجائے ادائے زکوٰۃ کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ وہ نیکی کو دبانے کی بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت سرانجام دیں اور ان کی طاقت اور اختیارات بدی اور بے حیائی کو پھیلانے کی بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہوں اور انہیں اس بات پر یقین ہو کہ انجام کار تمام کاموں کے نتائج اللہ کے اختیار میں ہیں۔ پھر چار دن کی حکومت سے دماغ کیوں خراب ہو؟

1.15- اہم نکات

مسلمانوں کو حکومت ملے تو انہیں چاہئے کہ وہ:

۱) نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کریں۔

۲) اپنے اختیارات نیکی کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے میں استعمال کریں۔

۳) ان کی نظر ہر معاملے میں اس کے انجام ...... آخری انجام ...... پر رہے۔ وہ انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۲...... خلاصہ

غلبہ دین حق سے متعلق جن آیات کا مطالعہ آپ نے کیا ہے۔ ان کا الگ الگ خلاصہ ہر آیت کے آخر پر عموماً بیان کردیا گیا ہے۔ آیئے اب آپ ہمارے ساتھ مل کر ان تمام آیات کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالیئے۔ ان آیات کا مجموعی اور مربوط خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے اسے ذہن نشین کیجئے۔

2.1- اللہ کے وعدے

ان آیات میں مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے حسب ذیل وعدے دیئے گئے ہیں:

(i) اللہ دین حق کو اپنے رسول کے ذریعے غلبہ دلائے گا۔ اسے تمام نظام ہائے حیات کے مقابلے میں برتری بخشے گا۔

(ii) اللہ مسلمانوں کو زمین میں حکومت دے گا۔ ان کے دین کو اقتدار دے گا اور ان کا سارا خوف امن میں بدل دے گا۔

(iii) اللہ ان کو نصرت (مدد) دے گا اور ثابت قدمی کی توفیق دے گا۔

(iv) مسلمان ہی برتر رہیں گے۔ اللہ ان کے ساتھ ہوگا۔ وہ ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہ ہونے دے گا۔

(v) وہ ان کے دشمنوں کو ذلت و رسوائی کی سزا دے گا، مسلمانوں کو ان پر فتح حاصل ہوگی اور ان کے سینے ٹھنڈے ہوں گے۔

2.2- اللہ کے وعدے پورے ہونے کا منظر

یوں تو یہ سارے وعدے پورے ہوئے تاہم اس یونٹ کی آیات میں اس ایمان پرور اور جانفزا منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

(i) اللہ کی فتح ونصرت اور غلبہ کامل حاصل ہوا، لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

(ii) دین مکمل ہو گیا۔ نعمت کا اتمام ہوا اور رضائے الٰہی دین اسلام کے ساتھ وابستہ کر دی گئی۔

2.3- مسلمانوں کے فرائض

دین حق کو غلبہ اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے مگر اس نے یہ کام مسلمانوں ہی سے لیا اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس ضمن میں مسلمانوں پر عائد ہونے والے دو قسم کے فرائض کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

(الف) غلبہ سے پہلے اور غلبہ کے لئے جدوجہد کے دوران میں:

(i) مشرکوں کی ناپسندیدگی کو خاطر میں لائے بغیر کام کرتے جاؤ۔

(ii) اللہ کے عبادت گزار رہو۔ شرک کے پاس بھی مت پھٹکو۔

(iii) ہر طرح سے اللہ (کے دین) کی مدد کرو۔ مال سے، جان سے، ہاتھ سے، زبان سے۔

(iv) ہمت مت ہارو۔ ملت کے سودے مت کرو۔ عافیت کوشی سے کام نہ لو۔

(v) جنگ کی نوبت آئے تو جم کر لڑو۔ دشمن کو اٹھنے کے قابل نہ چھوڑو۔

(ب) غلبہ دین حق حاصل ہو جانے کے بعد کے فرائض:

(i) فتح اور غلبہ کے موقع پر اللہ کے شکر گزار بندے بن کر دکھاؤ۔

(ii) فخر وغرور کی بجائے عجز وانکسار اختیار کرو۔ اپنے گن گانے اور اپنے کارنامے بیان کرنے کی بجائے حمد وثنا اور استغفار کو شیوہ بناؤ۔

(iii) غلبہ اور اقتدار کے بعد عبادت گزاری اور شرک سے بیزاری کو اپنا شعار بناؤ۔

(iv) اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر تمہاری تمام پالیسیوں کی بنیاد اور تمہارے تمام اعمال کی اساس ہو۔

(v) خودمختار اور آزاد اسلامی حکومت مل جانے کے بعد عزیزوں سے "ہڑکنے" کا کوئی جواز نہیں اور اب اللہ سے نہ ڈرنے کا کوئی عذر تمہارے پاس نہیں رہا۔

۳...... خود آزمائی

۱) ہمیں قرآن کریم کی بار بار تلاوت کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

۲) زمین کو ''صحیفہ قدرت،، کہنے کا کیا مطلب ہے؟

۳) حکومت اور اقتدار کے علاوہ ''غلبہ دین،، کا دوسرا مفہوم کیا ہوسکتا ہے؟

۴) اللہ کی طرف سے غلبہ کا وعدہ کس دین کے لیے ہے؟

۵) غالب ہوکر رہنا دین اسلام کی فطرت کیوں ہے؟

۶) آیۃ استخلاف (النور۔۵۵) میں اللہ تعالیٰ کے کون سے تین وعدوں کا ذکر ہے یہ وعدے کن سے کیئے گئے؟

۷) آیۃ استخلاف پڑھنے کے بعد مسلمان حکمران کے اوصاف (یا شرائط) کی جو جھلک سامنے آتی ہے اس کا خلاصہ تین سطروں میں لکھیئے؟

۸) لفظ ینصر کم آپ کے اس یونٹ میں کتنی دفعہ آیا ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

۹) ''اللہ کی مدد کرنے،، کا کیا مطلب ہے؟

۱۰) اللہ کی طرف سے مدد ملنے کی چند صورتیں ایک ایک فقرے میں بیان کیجئے؟

۱۱) ''انتم الاعلون'' کے معنی کیا ہیں؟ یہ عبارت یونٹ کے کس حصے میں، کس کس صورت میں اور کتنی دفعہ آئی ہے؟

۱۲) حکومت کے علاوہ ''برتری،، کا کوئی اور مطلب بھی ہوسکتا ہے؟

۱۳) قاتلوهم يعذّبهم الله ...... (التوبہ۔۱۴) والی آیت کا تاریخی پس منظر کون سا واقعہ ہے؟

۱۴) اسی آیت (التوبہ۔۱۴) میں مسلمانوں کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کس کس چیز کی پیشگوئی کی گئی ہے؟

۱۵) "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا ترجمہ کیجئے (پھر کتاب سے ملائیے) یہ منظر کب اور کس طرح سامنے آیا؟

۱۶) فتح اور کامرانی کے موقع پر "حمد و استغفار" کے حکم کی کیا مناسبت ہے۔ چار پانچ سطروں میں بیان کیجئے؟

۱۷) یئس الذین کفروا کا ترجمہ لکھئے (پھر کتاب سے ملائیے) کافروں کی مایوسی کا کیا مطلب ہے؟

۱۸) "اکمال دین" اور "اتمام نعمت" کے معنی لکھیئے اور اس کے مطلب کی وضاحت لکھیئے؟

۱۹) اس یونٹ کی مختلف آیات میں دین اسلام کی تعریف اور اس کا تعارف کس کس طریقے سے اور کن کن ناموں سے آیا ہے؟

۲۰) مندرجہ ذیل الفاظ کے واحد بتائیے:

مشرکون، صالحات، اقدام، الاعلون، اعمال، ایدی، صدور، افواج، امور

(اگر کتاب میں جواب نہ ملے تو اپنے ٹیوٹر صاحب سے پوچھئے؟)

۲۱) غلبہ دین حق کے سلسلے میں اس یونٹ کی مختلف آیات میں مسلمانوں کو کن کن باتوں کی یقین دہانی کرائی گئی ہے، نمبروار ایک ایک فقرے میں لکھئے؟

۲۲) غلبہ اقتدار ملنے کے بعد مسلمان حکمرانوں کے فرائض کیا ہوں گے؟

۲۳) مندرجہ ذیل الفاظ کے اصلی لغوی معنی کیا ہیں:-

دین، صلوۃ، منکر، اسلام، زکوٰۃ، رسول، توبہ (دیکھئے نمبر ا ضمیمہ)؟

۲۴) مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیئے (اور پھر کتاب سے ملائیے)

وعداللہ، ان تنصرواللہ، واللہ معکم، یعذبھم، نصراللہ، دین اللہ............؟

۴...... جوابات خود آزمائی

۱) تا کہ آدمی قرآن کے ترجمہ، معانی اور موضوعات سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔

۲) زمین اللہ کی قدرت کی کھلی کتاب ہے

۳) غلبہ دین کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام سے تحریف کو دور کیا اور دین خالص پیش فرمایا۔

۴) اسلام کے لیے۔

۵) کیوں کہ یہ ایک مکمل دین ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے اور غلامی میں اسلام پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

۶) (۱) خلافت (۲) زمین پر قبضہ (۳) امن وسلامتی

۷) دیکھئے 1.3 اور تشریحات۔

۸) تمہاری مدد کرے گا۔

۹) یعنی اس کے دین کو غالب کرنے کی کوشش کرنا۔

۱۰) دیکھئے 1.5.2

۱۱) تمہیں برتر ہو گے۔ 1.6

(۱۲) دیکھئے 1.6

۱۳) واقعہ کے لیے دیکھئے: 1.8

۱۴) قتال کا حکم دیا گیا ہے اور فتح کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

۱۵) داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں فوج درفوج۔

۱۶) دیکھئے نمبر 1.2.1

۱۷) کافر مایوس ہوگئے یعنی اس بات سے ناامید ہوگئے کہ اب کبھی بتوں کی پرستش ہوگی۔

۱۸) **اکمال دین**: دین کے احکام مکمل ہونا۔

اتمام نعمت: ہدایت پوری کی پوری مل جانا۔

۱۹) دیکھئے متعلقہ آیات۔

۲۰) مشرک، صالحہ، قدم، اعلیٰ، عمل، ید، صدر، فوج، امر

(۲۱) دیکھئے: اہم نکات 1.11

(۲۲) ملاحظہ ہوں 3.2 مسلمانوں کے فرائض

(۲۳) بدلہ، دعا، ناآشنا، اطاعت، پاک کرنا، بھیجا ہوا، لوٹنا۔

(۲۴) اللہ نے وعدہ کیا، اگر تم اللہ کی مدد کرو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ انہیں عذاب دے گا۔ اللہ کی مدد، اللہ کا دین، اللہ کے لئے۔

یونٹ 3

القرآن

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مقصد یہ ہے کہ آپ اسے پڑھنے کے بعد:

۱) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان آیات کا لفظی اور با محاورہ ترجمہ سمجھ لیں۔

۲) آپ پر قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت واضح ہو جائے۔

۳) آپ یہ جان لیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔

۴) آپ کو معلوم ہو جائے کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہمارے تمام اختلافات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ آخری اور بہترین فیصلہ ہے۔

۵) آپ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف مدارج سے آگاہ ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ اطاعت کی بہتر سے بہتر صورت مثلاً اتباع، محبت، احترام اور انتہائی ادب تک پہنچنا ہر مسلمان کے ایمان اور اسلام کے امتحان کا معیار ہے۔

یونٹ کا تعارف

ہر نبی اور رسول نے دعوت توحید کے ساتھ اپنے ''رسول'' ہونے پر زور دیا۔ اور رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہے ''اس کے تمام دعوؤں، وعدوں اور تعلیمات کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرنا۔''

ہر نبی یا رسول کے ماننے والے اپنے زمانے کے مسلمان اور تکذیب وانکار کرنے والے اس زمانے کے کافر ہوتے تھے۔ رسول کو رسول ماننے کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کی اطاعت اور پیروی کی جائے۔ رسول کی اطاعت قبول کئے بغیر آدمی مومن نہیں ہوسکتا۔ رسول محض اپنے نام کا کلمہ پڑھوانے کے لئے نہیں آیا کرتے۔ وہ اللہ کا پیغام اور اس کے احکام بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام پر سب سے پہلے خود عمل کرتے ہیں اور پھر دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ رسول کو دل سے رسول مان لینے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آدمی رسول کی اطاعت سے گریز کرے۔ رسول کی رسالت سے انکار کفر ہے اور رسول کی اطاعت سے انحراف کا نام نفاق یا منافقت ہے۔ مومن ہونے اور ایمان میں کسی درجہ کے حاصل ہونے کا دارومدار اطاعت رسول کے معیار پر ہے۔ جتنی زیادہ اطاعت رسول اتنا زیادہ درجۂ ایمان۔

رسول کی اطاعت صرف اس کی زندگی اور اس کے زمانے تک محدود نہیں ہوتی اس کے ماننے والے ہمیشہ اس کی اطاعت کے پابند ہوتے ہیں۔ رسول کا قول و فعل (جسے اسلامی اصطلاح میں سنت کہتے ہیں) اس کی امت کے لئے قانون ہے عام قانون کی اطاعت تو بعض دفعہ آدمی مجبوراً بھی کرتا ہے۔ مگر وہ اطاعت جس کی بنیاد ایمان پر ہو، وہ محض خانہ پری اور مجبوری کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ رسمی اطاعت سے بڑھ کر اتباع + محبت،

احترام اور بے انتہا ادب کی شکل اختیار کرتی ہے .... یہی وجہ ہے کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اور حدیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین نمونے ملتے ہیں ۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہؓ ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔

ایک پڑھے لکھے مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کس طرح کی ہے؟ اور اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کو کس طرح واضح کیا ہے اور اس کی اہمیت کس کس انداز سے ذہن نشین کرائی ہے۔ اور کس طرح بار بار تاکید اور یاددہانی کرائی ہے۔ اس مقصد کے لئے آپ کے اس یونٹ کا موضوع ہی ''اطاعت رسول'' رکھا گیا ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	یونٹ کا تعارف	101
1-	اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ......مقصد رسالت	105
	1.1- آیات	105
	1.2- آیات	106
	1.3- مرکب الفاظ	107
	1.4- تفسیری اشارات	107
	1.5- اہم نکات	109
	1.6- آیات	110
	1.7- اہم نکات	113
	1.8- آیت	114
	1.9- اہم نکات	116
2-	اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم	117
	2.1- آیات	117
	2.2- اہم نکات	121

122	تحکیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم	-3
122	-3.1 آیات	
123	-3.2 آیات	
124	-3.3 مرکب الفاظ	
125	-3.4 تفسیری اشارات	
126	-3.5 اہم نکات	
127	-3.6 آیات	
128	-3.7 آیات	
132	-3.8 اہم نکات	
133	ادب واحترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم	-4
133	-4.1 آیات	
138	-4.2 اہم نکات	
139	یونٹ کا خلاصہ	-5
142	خودآزمائی	-6
145	جوابات	-7

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مقصد رسالت

1.1- آیت

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ

وَ	مَآ	اَرۡسَلۡنَا	مِنۡ	رَّسُوۡلٍ	اِلَّا	لِيُطَاعَ	بِاِذۡنِ	اللّٰهِ
اور	نہیں	ہم نے بھیجا	میں سے	کسی رسول	مگر	تاکہ اس کا کہنا مانا جائے	حکم کے ساتھ	اللہ (کے)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور

وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا

وَ	لَوۡ	اَنَّهُمۡ	اِذۡ	ظَّلَمُوۡۤا	اَنۡفُسَهُمۡ	جَآءُوۡكَ	فَاسۡتَغۡفَرُوا
اور	اگر	بے شک وہ	جب	انہوں نے ظلم کیا	ان کی جانوں (پر)	وہ آئے تیرے پاس	پس معافی مانگتے

اگر وہ جب انہوں نے ظلم کیا اپنے آپ پر آتے تیرے پاس۔

اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ○

اللّٰهَ	وَ	اسۡتَغۡفَرَ	لَهُمُ	الرَّسُوۡلُ	لَوَجَدُوا	اللّٰهَ	تَوَّابًا	رَّحِيۡمًا
اللہ (سے)	اور	معافی مانگتے	ان کے لئے	رسول	تو وہ پاتے	اللہ (کو)	توبہ قبول کرنے والا	مہربان

اور معافی مانگتے اللہ سے اور رسول بھی ان کیلئے معافی مانگتے تو وہ ضرور اللہ کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے

(سورۃ النساء:٦٤)

ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لئے بھیجا کہ حکم الٰہی کی بناء پر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ اگر انہوں نے (اللہ اور رسول کی نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کر لینے کے بعد یہ (طریقہ اختیار) کیا ہوتا کہ (اے نبیؐ) آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی (کی دعا) مانگتے تو یقیناً اللہ کو توبہ کرنے والا مہربان پاتے۔

1.2- آیت

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى

جو کوئی	کہنا مانے گا	رسول (کا)	تو پس	اس نے کہا مان لیا	اللہ (کا)	اور	جو کوئی	پھر گیا

اور جس نے رسول کا حکم مانا (رسول کی اطاعت کی) تو بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا (اللہ کی) اطاعت کی اور جو کوئی منہ موڑ گیا

فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ○

پس نہیں	ہم نے بھیجا تجھ کو	ان کے اوپر	نگہبان (بنا کر)

تو ہم نے تم کو ان پر کوئی پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا۔

(سورۃ النساء: ۸۰)

جس کسی نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی تو اس نے (دراصل) اللہ (ہی) کی اطاعت کی اور جس نے (اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے رخ موڑ لیا (تو موڑ لے) ہم نے (بہرحال) آپ کو (اے رسول!) ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔

1.3- مرکب الفاظ

لِيُطَاعَ	ل (تاکہ) + يطاع (اس کی اطاعت کی جائے)
بِإِذْنِ	ب (ساتھ) + اذن (حکم)
أَنَّهُمْ	ان (بے شک) + هم (وہ سب)
أَنْفُسَهُمْ	انفس (جانیں نفس کی جمع) + هم (ان کی)
لَهُمْ	ل (کے لیے) + هم (ان کے)
أَرْسَلْنٰكَ	ارسلنا (ہم نے بھیجا) + ك (تجھ کو)
عَلَيْهِمْ	علیٰ (اوپر) + هم (ان کے)

1.4- تفسیری اشارات

یہ دونوں آیات سورۃ النساء (پ:۴) سے لی گئی ہیں۔ دونوں کا مضمون قریباً ایک ہی ہے۔ خیال رہے کہ اسلام سے پہلے اہل عرب (مشرک اور اہل کتاب سب ہی) منصب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض شدید غلطیوں اور خود ساختہ باطل تصورات میں مبتلا تھے۔ مثلاً مشرکین عرب کسی بشر کے رسول ہونے کے منکر تھے۔ عیسائی اپنے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی بشریت کے منکر تھے اور یہودی بس ''آل یعقوبؑ'' ہونے کو گناہوں سے نجات کا پروانہ سمجھتے تھے۔ منافقین مدینہ بھی اطاعت رسول سے صرف جی ہی نہیں چراتے تھے بلکہ وہ آج کل کے منکرین سنت کی طرح اسے دین کی اصل اور رسول پر ایمان کی صرف شرط بھی نہیں مانتے تھے......

قرآن کریم نے مسلمانوں کو رسالت کے درست تصور، اس کے آداب اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا یہ قرآن کریم کا نہایت اہم موضوع ہے جس پر متعدد سورتوں میں مختلف پیرایوں میں بات کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں زیر مطالعہ دو آیات کے مضمون سے متعلق مندرجہ ذیل نکات پر توجہ کیجئے:

۱) اطاعت رسول مقصد رسالت اور خلوص ووفاداری اس کی شرط ہے۔ اللہ کی طرف سے رسول محض اس لیے نہیں بھیجا جاتا کہ بس اس کی رسالت کا اقرار کرلو اور پھر اطاعت چاہے کسی کی کرتے پھرو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض سے ہی یہ ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے۔ دوسرے تمام قوانین چھوڑ کر صرف اسی کی پیروی کی جائے۔ امت کے لیے ضروری ہے کہ رسول کو اپنا مقتدر اور مطاع تسلیم کر کے اس کی بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا بھی سیکھے۔

۲) اور یہ (اطاعت رسول) اس لیے ضروری ہے کہ رسول کے احکام اللہ کے احکام ہیں۔ مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے احکام کو بندوں تک پہنچانے کے علاوہ رسول ان احکام کا بہترین سمجھنے والا اور ان پر سب سے پہلے عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ رسول کی اطاعت شخصیت پرستی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی اطاعت کی واحد صورت ہے اور صرف اطاعت رسولؐ کے ذریعے ہی آدمی ہر طرح کی شخصیت پرستی، نفس پرستی اور دیگر کئی طرح کی ''پرستشوں'' سے نجات پا سکتا ہے۔

۳) پہلی آیت میں ہمارے لیے سبق بھی ہے کہ جب کسی مسلمان سے کوئی برائی سرزد ہو یا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب ہو تو اسے اس کی معافی اور تلافی کے لیے کتاب اور سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس لئے نہیں کہ اسس غلطی پر اڑ جانے اور اپنے موقف کو جائز قرار دینے کے لیے کتاب وسنت سے ''دلائل'' اور حیلے ڈھونڈھتا پھرے بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی غلطی کی معافی اللہ سے مانگی چاہیے۔ ایک مسلمان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا ہونا چاہیے کہ برائی کر بیٹھنے پر اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم محسوس ہو۔ آقا کے حضور خجالت کا یہ احساس اس کے اشک ہائے ندامت کو بارگاہ الٰہی میں قابل قدر اور باعث مغفرت بنا دے۔

۴) اللہ کے احکام کی اطاعت ہی اصل مقصود ہے مگر اللہ کے احکام بھی صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان احکام پر درست طریقے سے عمل کرنا بھی آپ ہی سے معلوم ہوسکتا

ہے۔ اللہ کی طاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے الگ اور جدا نہیں ہے اسی طرح یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے تو پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی یقیناً اللہ کی نافرمانی ہے۔

۵) لوگوں کو زبردستی راہ راست پر چلانا اور انہیں پکڑ پکڑ کر اور گھیر گھیر کر ہلاکت اور تباہی سے بچانا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے اور نہ کسی جماعت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور آپ کے بعد ہر مسلمان تبلیغ اور اپنے عمل سے نمونہ قائم کرنے کا ذمہ دار ہے اس کے بعد لوگ اپنے عمل اور اس کے نتائج کے لیے خود ذمہ دار ہیں۔ کسی سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم کیوں لوگوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرا سکے البتہ یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ تم نے اس سلسلے میں کیا کوشش کی تھی۔

1.5- اہم نکات

۱) رسول بھیجے ہی اس لئے جاتے رہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔

۲) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

۳) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوتاہی کا علاج ندامت اور استغفار ہے۔

۴) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اطاعت رسول کا مطلب ہے ''سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اس سے وفاداری)

1.6- آیت

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِىْ

تو کہہ دے	اے	انسانو!	بے شک میں	رسول	اللہ (کا)	تمہاری طرف	سب کے سب	وہ جو کہ

تم کہہ دو! کہ اے انسانو! میں یقیناً تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں ,جس کی

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اس کی	حکومت	آسمانوں	اور	زمین	نہیں ہے	کوئی معبود	مگر	وہ

ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ

وہ زندہ کرتا ہے	اور	وہ موت دیتا ہے	سو تم ایمان لاؤ	اللہ پر	اور	اس کے رسول پر	نبی	اُمّی

وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبر اُمّی نبیؐ پر

الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ

وہ جو کہ	ایمان رکھتا ہے	اللہ پر	اور	اس کی باتوں (پر)	اور	تم پیروی کرو	اس کی	شاید کہ تم

جو کہ (خود بھی) اللہ پر اور اس کے احکامات پر ایمان رکھتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو ہو سکتا ہے تم ہدایت پالو

تَهۡتَدُوۡنَ ○

تم راہ پاؤ
کہ تم ہدایت پالو

(سورۃ الاعراف:۱۵۸)

(اے نبیؐ!) آپ (یہ علی الاعلان) کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہاں کے) انسانو! (سن لو کہ) میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اورزمین کی حکومت (اور فرمانروائی) رکھتا ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے پیغام لانے والے اسی نبی اُمّی پر ...... جو (خود بھی) اللہ اور اس کے احکام وارشادات پر ایمان رکھتا ہے اور تم اس (نبی) کا اتباع اختیار کرلو ہو سکتا ہے کہ (اس طرح) تم ہدایت (کی سیدھی راہ) پالو۔

1.6.1- مرکب الفاظ

اِنِّیۡ	ان (بے شک) + ی (میں)
اِلَیۡکُمۡ	الیٰ (کی طرف) + کم (تمہاری)
لَهٗ	ل (کے لئے کا) + ہ (اس)
بِاللّٰهِ	ب (پر، کے ساتھ) + اللہ،
رَسُوۡلِهٖ	رسول + ہ (اس) ،اسی طرح
كَلِمٰتِهٖ	کلمات + ہ ،
لَعَلَّكُمۡ	لعل (شاید کہ) + کم (تم کو)

1.6.2- تفسیری اشارات

اس آیت میں توحید اور رسالت دونوں کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔ حسب ذیل امور توجہ طلب ہیں:

۱) آسمانوں اور زمین پر ہر جگہ حکم اللہ کا چلتا ہے اس نے یہ حکمرانی کسی اور کو نہیں دے رکھی۔ اس کے سوا کوئی اور کسی قسم کا معبود سرے سے ہے ہی نہیں۔ بے جان مادہ سے جاندار مخلوق پیدا کر لینا اور پھر ایک وقت پر اسے مردہ اور بے جان بنا دینا یہ اسی کا کام ہے۔ جو خود مخلوق ہے اسے خدائی کا درجہ دینا صریح بے عقلی کی بات ہے۔

۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معبود حقیقی واحد لاشریک اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) آپ دنیا بھر کے انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالمگیر ہے۔

(۳) آپ رسول بھی ہیں، نبی بھی ہیں، نبی اور رسول کے درمیان متعدد فرق بیان ہوئے ہیں جو بھی فرق ہو فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں رسالت اور نبوت جمع ہو گئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے دو پہلو ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت نبی انسانی حواس سے ماورا، غیبی حقائق بھی بیان کئے اور بحیثیت رسول اللہ کے احکام بھی لوگوں تک پہنچائے۔ اپنی نبوت اور رسالت پر سب سے زیادہ پہلے آپ خود ایمان لائے تھے اور خود اللہ کے احکام پر عمل کر کے دکھا دیا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص صفت (نبی اُمّی) ہونا بیان ہوئی ہے۔ اُمّی کے عام معنی

''ان پڑھا'' ہیں یعنی جس نے کسی انسان سے تعلیم نہیں پائی ایسے نبی کا سرچشمہ علوم ہونا اس کی عظمت کے علاوہ اس کی صداقت کی بھی روشن ثبوت ہے۔

۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور خصوصیات کے اس بیان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمام انسانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

(۱) اس نبی اُمّی اور اللہ کے اس رسولؐ پر ایمان لاؤ۔

(۲) اور صرف ایمان لانا یا ایمان لانے کا دعویٰ کر لینا کافی نہیں۔ اس عالی مرتبت نبی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اور ہر معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اتباع (پیروی) اطاعت کا اونچا درجہ ہے جب اطاعت مجبوراً اور بادل ناخواستہ نہیں، بلکہ فخر اور عزت سمجھ کر کی جائے۔ تو اسے اتباع کہتے ہیں۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع کرنے سے ہی ہدایت ملنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

1.7- اہم نکات

۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالمگیر ہے اس میں انسانیت کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت اور نبوت دونوں منصب عطا ہوئے اور نبی اُمّی ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت ہے۔

۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملاً پیروی کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر راہ ہدایت ملنے کی امید تک نہیں کی جا سکتی۔

1.8- آیات

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

تو کہہ دے	تم حکم مانو	اللہ (کا)	اور	تم حکم مانو	رسول (کا)	پس اگر	تم پھر گئے	تو سوائے اس کے نہیں کہ

آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو سو اگر تم نے رخ موڑ لیا تو (سمجھ رکھو)

عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ

اس پر	وہ جو	اس پر بوجھ ڈالا گیا	اور	تمہارے اوپر	وہ جو	تم کو اٹھوایا گیا	اور	اگر	تم حکم مانو گے اس کا

اس کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہ (چیز) ہے جس کا بار تم پر ڈالا گیا ہے اور اگر تم نے اس کی اطاعت کر لی

تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

تو تم راہ پالو گے	اور	نہیں ہے	اوپر	رسول (کے)	مگر	پہنچا دینا	صاف صاف

تو راہ پر جا لگو گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف صاف (بات) پہنچا دینا ہے۔

(سورۃ النور: ۵۴)

(اے نبیؐ!) آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ "تم اللہ کے مطیع بنو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع فرمان بن کر رہو۔ سو (اس واضح اعلان کے باوجود) اگر تم نے (اطاعت سے) روگردانی کی تو یہ بات (خوب) سمجھ رکھو کہ اس (رسول) پر جس (فرض) کا بار رکھا گیا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہے اور تم پر جس (فرض) کا بار ڈالا گیا ہے اس کے تم ذمہ دار ہو۔ پس تم اس کی اطاعت کرو گے تو (خود ہی) ہدایت (کی راہ) پاؤ گے۔ ورنہ (بہرحال) رسول کی ذمہ داری (احکام الٰہی) صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس۔

1.8.1- مرکب الفاظ

فَاِنۡ	ف (پس) + ان (اگر)،
فَاِنَّمَا	ف (پس) + انما (بات صرف یہ ہے کہ)،
عَلَيۡهِ	علی (اوپر) + ہ (اس کے)
عَلَيۡكُمۡ	علی (اوپر) + کم (تمہارے)

1.8.2- تفسیری اشارات

آیت کا مضمون ترجمے سے ہی ظاہر ہے۔ اطاعت کے معاملے میں رسولؐ اور ان کے مخاطب لوگوں کی ذمہ داری کی تقسیم کر دی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل نکات کو ذہن نشین کیجئے!

ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مطالبہ کا اعلان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اب اطاعت، ایمان کا صرف عقلی اور لازمی تقاضا نہیں بلکہ حکم ہے ابھی

آپ پڑھ آئے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کی اطاعت کی وہ ہمارے لئے نمونہ ہے۔ ''اطاعت کرو۔'' کے حکم کے دو ہی ردعمل ممکن ہیں۔

(۱) روگردانی اور انکار (۲) اطاعت اور تعمیل۔

اس کے نتائج بھی واضح کر دیئے گئے ہیں۔

۲) روگردانی کی صورت میں بڑے لطیف انداز میں نتائج کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ صاف سزا کا ذکر کرنے کی بجائے ''اپنی اپنی ذمہ داری'' کا ذکر کر دیا ہے۔ رسول کی ذمہ داری ''بلاغ مبین'' ہے سو وہ کر چکے۔ تکالیف اور مخالفتوں کے باوجود کر چکے۔ صرف باتیں نہیں کرتے۔ عمل کر کے ایک ایک حکم کی تفصیلات سامنے لا چکے ہیں تو کیا سن کر، دیکھ کر اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟

۳) 'رسول کی اطاعت اختیار کرو گے'' جو ٹھیک اللہ ہی کی اطاعت ہے تو ہدایت پا لو گے۔ ہدایت کا یا اللہ کی اطاعت کا کوئی خود ساختہ تصور کام نہیں دے گا۔ ساری ہدایت، زندگی کی منزل مقصود تک پہنچنے کا راز صرف اطاعت رسول میں پوشیدہ ہے۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھو کہ روگردانی میں تمہارا اپنا نقصان اور اطاعت میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

1.9- اہم نکات

۱) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اب کوئی پیچیدہ یا مبہم مسئلہ نہیں رہا بلکہ ایک علی الاعلان حکم ہے۔

۲) اس سارے مسئلہ پر ''ذمہ داری'' کے نقطہ نظر سے غور کرو۔ ذمہ داری پوری کرنے والے نمونے کو دیکھو اور اپنے رویہ اور اس کے نتائج پر خود ہی غور کر لو۔

۳) اور اس اطاعت میں فائدہ بھی سراسر تمہارا ہے۔ منزل اس کے بغیر کبھی نہیں ملے گی۔

۲...... اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

2.1- آیات

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ

تو کہہ دے	اگر	تم ہو	تم محبت کرتے ہو	اللہ (سے)	سوتم پیروی کرو میری	پیار کرے گا تم کو	اللہ	اور
آپ کہہ دیجئے کہ (لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا								

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قُلْ

وہ معاف کردے گا	تمہارے لئے	تمہارے گناہ	اور	اللہ	بڑا معاف کرنے والا	بڑا مہربان	تو کہہ دے
اور تمہارے گناہوں کی معافی دے دے گا اور وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے آپ کہہ دیجئے							

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

تم حکم مانو	اللہ	اور	رسول (کا)	سو اگر	پھر گئے	تو بیشک	اللہ	وہ محبت نہیں کرتا
کہ تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو سو اگر وہ روگردانی کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا								

الْكٰفِرِيْنَ ○

کفر کرنے والوں (سے)
کفر کرنے والوں سے۔

(سورۃ آل عمران (۳۱.....۳۲)

(اے نبیؐ!) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) (یہ بات صاف صاف کہہ دیجئے! کہ (لوگو) اگر تم (سچ مچ اپنے دل میں) اللہ سے محبت رکھتے ہو تو (تم لوگ) میری پیروی (اختیار) کرو (اس طرح خود) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ (اس لئے کہ) وہ بڑا ہی معاف کردینے والا بڑا مہربان ہے (اور) آپ (ساتھ ہی یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (لوگو!) تم سب اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمانبردار بن جاؤ سو اگر وہ (اس بات کو قبول کرنے کی بجائے) اُلٹا رُخ موڑ لیں تو یقیناً اللہ کافروں سے (ذرا) محبت نہیں رکھتا۔

2.1.1- مرکب الفاظ

فَاتَّبِعُوْنِیْ	ف (پس) + اتّبعوا (تم پیروی کرو) + نی (میری)
يُحْبِبْكُمْ	یحبب (وہ پیار کرے گا) + کم (تم کو)،
لَكُمْ	ل (لئے) + کم (تمہارے)

فَاِنْ		ف (پس) + ان (اگر)

فَاِنَّ		ف (پس) + ان (بے شک)۔

یہاں آپ کے ذہن میں یہ سوال آنا چاہیے کہ لفظ تَوَلَّوْا کا ترجمہ پچھلی آیت میں (سبق4) تو ''تم نے روگردانی کی'' کیا گیا ہے مگر آیت زیر مطالعہ میں اس کا ترجمہ ''وہ روگردانی کرلیں'' کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ (اگر ہماری اس بات سے پہلے ہی یہ سوال آپ کے ذہن میں آیا ہے تو آپ ماشاء اللہ بڑے ذہین اور توجہ سے پڑھنے والے ہیں)۔ تو عزیز من! اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں اس صیغہ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یہ ماضی غائب جمع مذکر کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور فعل مضارع مخاطب جمع مذکر کا بھی۔ عبارت کے قرینے سے آدمی سمجھ جاتا ہے کہ یہاں کیسے ترجمہ کرنا ہے۔ اس کی مثال انگریزی کا لفظ Read یا Put ہیں جن کا ماضی یا حال ہونا عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

2.1.1 - تفسیری اشارات

ان دو آیات میں یہ بات بتا دی گئی ہے کہ اتباع واطاعت رسول کے بغیر ہر نعرہ کھوکھلا اور ہر عمل بے کار ہے۔

۱) اللہ سے محبت کی کسوٹی اتباع رسول ہے۔ اتباع رسول کے ذریعے ہی گناہوں کی معافی سے لے کر اللہ کی محبوبیت تک کے مراتب حاصل ہوتے ہیں اور اطاعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر تو چارہ ہی نہیں۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی ہو یا خدا اور رسول کا صاف انکار (کفر)، نتیجے کے لحاظ سے دونوں برابر ہی تو ہیں۔

۲) یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ سے محبت کرنے اور اللہ کی محبت کرنے والوں کے ڈھونڈنے پر دین ومذہب

میں زور دیا گیا ہے۔ تمام روحانیت اور سچے تصوف کی بنیاد یہی ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ سے اور اللہ کے پیاروں سے محبت کی آڑ میں ہی شرک اور بدعت کا سارا کاروبار چلتا ہے۔ سو آگاہ ہو کہ اللہ کے سچے طلبگاروں کی تسکین بھی اتباع رسول ہے اور جعلی دعویداروں کی پہچان کا گُر بھی یہی ہے۔ جو لوگ اطاعت رسول سے منہ موڑے ہوئے ہیں وہ تو کافر ہیں خواہ محبت الٰہی کے کیسے ہی دعوے ان کی زبان پر ہوں اس لیے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے یا انہیں پسند کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرنے والے ہوں۔

۳) لفظ ''اتباع'' (جو گزشتہ آیات میں کئی بار آیا ہے) کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کے کئی درجے اور مرحلے ہیں۔ سب سے پہلا درجہ تو ایمان کا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مان لیا جائے او اس مان لینے کا اعلان بھی کر دیا جائے۔ دوسرا مرحلہ اطاعت کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور اتباع (جس کے لفظی معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا۔ قدم بہ قدم پیروی کرنا) یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دل وجان سے کی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے میں عار نہیں، بلکہ فخر اور عزت محسوس کی جائے۔ محض اطاعت یعنی قانون کی پابندی سے آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک عبادت اور صفت کو اسوہ (نمونہ) بنا لیا جائے یہی وجہ ہے کہ اتباع کا لفظ اللہ کے لیے استعمال نہیں ہوتا...... کسی کی اطاعت، ایمان اور اتباع کے بغیر مجبوراً بھی ہو سکتی ہے۔ ایمان، اطاعت اور اتباع کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

2.2- اہم نکات

۱) اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی گناہوں کی معافی سے لے کر اللہ کی محبوبیت تک کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

۲) اتباع واطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ہر نعرہ کھوکھلا اور ہر عمل بے کار ہے۔

۳) اتباع رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سچے طلبگاروں کی تسکین کا باعث بھی ہے اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جعلی دعویداروں کی پہچان کا طریقہ بھی۔

۴) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف کرنے والے، نام نہاد جاہل ''صوفیا'' ہوں یا روشن خیال ''منکرین سنت'' سب شعوری یا غیر شعوری طریقے پر کفر کے راستے پر ہی پڑے ہوتے ہیں۔

3......تحکیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم

3.1- آیت

وَ	مَا	كَانَ	لِمُؤْمِنٍ	وَّ	لَا	مُؤْمِنَةٍ	اِذَا	قَضَى	اللّٰهُ
اور	نہیں	ہے	کسی مومن مرد کے لئے	اور	نہ ہی	کسی مومن عورت	جب	فیصلہ کردیا	اللہ

اور کسی مومن مرد یا کسی مومنہ عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا

وَ	رَسُوْلُهٗۤ	اَمْرًا	اَنْ	يَّكُوْنَ	لَهُمُ	الْخِيَرَةُ	مِنْ
اور	اس کے رسول (نے)	کسی کام (کا)	یہ کہ	ہووے	ان کے لئے	اختیار	میں سے

رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردیں تو (پھر بھی) انہیں اپنے اس کام/ معاملے میں اختیار باقی

اَمْرِ	هِمْ ؕ	وَ	مَنْ	يَّعْصِ	اللّٰهَ	وَ	رَسُوْلَهٗ	فَقَدْ	ضَلَّ
کام	ان کا	اور	جو کوئی	حکم نہ مانے گا	اللہ (کا)	اور	اس کے رسول (کا)	پس بے شک	وہ بھٹک گیا

رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریحاً

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○

صاف صاف	بھٹک جانا
گمراہی میں پڑ گیا ہے۔	

(سورۃ الاحزاب :۳۶)

اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو (دعوائے ایمان کے بعد) یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر (مسلمان مردوں یا عورتوں، کسی کو بھی) اپنے اس معاملے میں (خود فیصلہ کرنے کا کچھ بھی) اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (کے احکام) کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔

3.2- آیت

وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ

اس نے رد کر دیا تم کو	جو کچھ کہ	اور	پس تم لے لو اسے	رسول (نے)	دیا تم کو	جو کچھ	اور

اور رسول تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو

عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

سزا (والا)	نہایت سخت	اللہ	بے شک	اللہ (کا)	ڈر رکھو	اور	پس تم باز رہو!	اس سے

روک دے سو رک جاؤ! اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

(سورۃ الحشر: ۷)

اور جو (چیز یا حکم) تم کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دے وہ لے لیا کرو (اور اس پر کاربند ہو جاؤ) اور جس چیز (کے لینے یا جس کام کے کرنے سے) وہ تم کو روک دے تو تم (وہیں) رُک جایا کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، یقیناً سخت سزا دینے والا ہے۔

3.3- مرکب الفاظ

لِمُؤْمِنٍ	ل (کے لیے) + مومن
رَسُوْلُه'	رسول + ہ (اس کا)
لَهُمْ	ل (کے لیے) + هم (وہ سب)
اٰتٰكُمْ	اٰتٰی اس نے دیا + کم (تم کو)
فَخُذُوْهُ	ف (پس) + خذوا (تم پکڑو) + ہ (اس کو)
نَهٰكُمْ	نهیٰ (اس نے روکا) + کم (تم کو)
عَنْهُ	عن (سے) + ہ (اس، وہ)

اتّقوا کا مصدر اتقاء بھی ہے مگر مشہور مصدر تقویٰ ہے جو اردو میں پرہیز گاری کے معنوں میں عام مستعمل ہے۔ تقویٰ کے اصل معنیٰ ''بچنا'' یا ''بچ کے رہنا'' ہیں۔ پھر یہ لفظ ''اللہ کے عذاب سے ڈر کر گناہ سے بچنا'' کے معنوں میں استعمال ہوتے ہوئے صرف ''ڈرنا'' کے معنی دینے لگا۔ اسی لئے رواں ترجمے میں **اتّقوا** کا ترجمہ ''نافرمانی سے بچتے رہو'' کیا ہے عام معروف ترجمہ ''ڈرتے رہو'' یا ''ڈر رکھو'' کیا گیا ہے۔

3.4- تفسیری اشارات

یہ دو الگ الگ سورتوں کی آیتیں ہیں (بلکہ (۲......۴) والی آیت تو دراصل ایک لمبی آیت کا صرف آخری حصہ ہے اور ہمارے موضوع سے اسی کا تعلق ہے، ابتدائی حصے کا تعلق ایک اور طویل بحث والے مسئلے سے ہے اس لیے اسے شامل نہیں کیا گیا) دونوں آیات کا موضوع قریب قریب ایک ہے اس لیے دونوں کو یک جا رکھا گیا ہے۔ ان دو آیات کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی ادنیٰ خلاف ورزی سے بھی اجتناب ضروری ہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔

۱) سورۃ الاحزاب والی آیت یعنی پہلی آیت میں یہ مسئلہ صاف کر دیا گیا ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک (بات) کا فیصلہ کر چکے ہوں تو اب کسی امتی کے لیے چوں و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام واجب التعمیل ہی ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ ان کی تعمیل یا عدم تعمیل اپنی خوشی پر ہو۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جو ہر اسلامی آئین کی بنیاد ہے اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس آیت کی رو سے کسی مسلمان فرد، قوم یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا مجلس شوریٰ، یا حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی "اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانا" ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لیے اس قسم کا کوئی اختیار بھی محفوظ رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی عقلمند صاحب ایمان ان دونوں روّیوں کو جمع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

۲) سورۃ الحشر والی آیت یعنی دوسری آیت کے ترجمے پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالیے۔ اس کا بھی موضوع یہی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام اوامر ہوں یا نواہی (اوامر جمع ہے) امر کی یعنی کوئی کام کرنے کا حکم اور نواہی جمع ہے نھی کی یعنی کسی کام سے روکنے کا حکم) سب کے سب واجب

التعمیل ہیں۔صحابہ کرامؓ اس آیت کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کو کیا درجہ دیتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجئے!''ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا''اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں فیشن ﴿اور اس میں ابرو باریک بنانے کے لیے بال اکھاڑنے (Plucking) کا ذکر بھی ہے۔﴾ کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے''اس تقریر کو سن کر ایک عورت آئی اور اس نے کہا یہ بات آپ نے کیسے کہہ دی کتاب اللہ یعنی قرآن میں تو یہ مضمون کہیں بھی نظر سے نہیں گزرا۔'' حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا''اگر تو نے اللہ کی کتاب پڑھی ہوتی تو تجھے ضرور یہ مسئلہ اس میں مل جاتا۔کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی'' وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اس عورت نے کہا یہ آیت تو پڑھی ہے مگر اس میں یہ لعنت والا مسئلہ کہاں ہے؟ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس قسم کے فیشن سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے ایسا فیشن کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''اس پر وہ عورت بات سمجھ گئی۔

3.5- اہم نکات

ا) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح حکم کے بعد ایک مسلمان کے لیے تعمیل کے بغیر چارہ ہی نہیں۔اس میں اپنی پسند ناپسند کو داخل کرنا۔اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی اور صریح گمراہی ہے۔

۲) اصل تقویٰ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہے وہ ضرور کیا جائے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے اس سے باز رہا جائے اس حکم کی خلاف ورزی سے آدمی اللہ کے ہاں قابل سزا مجرم قرار پاتا ہے۔

3.6- آیات

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

سوائے اس کے نہیں	(کہ) ہے	بات	ایمان والوں (کی)	جب	وہ بلائے گئے	طرف	اللہ	اور	اسکے رسول (کے)

ایمان والوں کی بات تو یہی (ہوتی) ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۭ وَ اُولٰۗىِٕكَ

تاکہ وہ فیصلہ کرے	درمیان ان کے	کہ	وہ کہیں (گے)	ہم نے سن لیا	اور	ہم نے مان لیا	اور	وہی لوگ

تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں "ہم نے سنا اور ہم نے حکم مانا" اور یہی لوگ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ

وہی (ہی)	مراد پانے والے ہیں	اور	جو کوئی	کہنا مانے	اللہ (کا)	اور	اس کے رسول (کا)	اور

فلاح پانے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور

يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ○

ڈرر کھے	اللہ (کا)	اور	بچے اس سے	سو وہی لوگ	وہ (ہی)	کامیاب ہونے والے (ہیں)

اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ کامیاب (ہیں)

(سورہ النور: ۵۱،۵۲)

سچے (اوراہل ایمان) مسلمانوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اوراس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ (خوشی خوشی سے (کہہ دیں کہ ہم (اس فیصلے کو) بسروچشم قبول کرتے ہیں (یعنی وہ حکم سن کر اسے ماننا ہی جانتے خلاف ورزی کا تصور ہی نہیں کر سکتے) اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو (بھی) اللہ اوراس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے اوراللہ سے ڈرے اوراس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

3.5.1- مرکب الفاظ

لِيَحْكُمَ	ل (تا کہ)+ یحکم (وہ فیصلہ کرے)
بَيْنَهُمْ	بین (درمیان) + هم (وہ سب)
يَتَّقْهِ	یتق (وہ تقویٰ کرے) + ہ (اس سے)

3.5.2- تفسیری اشارات

دونوں آیات کا مضمون ترجمے سے ہی واضح ہو جاتا ہے تاہم اس میں دو نکتے قابل غور ہیں:

(الف) پہلی آیت اس حقیقت کو کھول کر بیان کر رہی ہے کہ شریعت کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا اور کرانا ایمان کی لازمی علامت اور خصوصیت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلانے کا مطلب ہے کتاب اور سنت کی طرف دعوت دینا۔ آیت کا تعلق عدالتی مقدمات سے ہے۔ مسلمانوں کے ہاں عدالتوں کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہوں گے اور شرعی فیصلے کو بسر وچشم قبول کرنا اہل

ایمان کا شیوہ ہے۔فقہاء نے اس آیت اور اسی مضمون کی ایک حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اسلامی عدالت کا سمن دراصل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت کا سمن ہے اور جو شخص مسلمانوں کے احکام عدالت میں سے کسی حاکم کی عدالت میں طلب کیا جائے اور وہ حاضر نہ ہو تو اسے فریق ظالم قرار دیا جا سکتا ہے۔

(ب) دوسری آیت میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، خشیۃ الٰہی اور تقویٰ و پرہیز گاری کو آخرت کی کامیابی کے اسباب قرار دیا گیا ہے۔ ویسے ان تین صفات کے بغیر شریعت کے فیصلوں پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

3.7- آیت

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ

فَلَا	وَ	رَبِّكَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	حَتّٰى	يُحَكِّمُوْكَ	فِيْمَا	شَجَرَ
تو ہرگز نہیں	اور	تیرے رب کی قسم	وہ ایمان والے نہیں ہوں گے	جب تک	وہ حاکم بنائیں تجھ کو	اس میں جو	جھگڑا پڑا
سو ہرگز نہیں...... تیرے رب کی قسم...... وہ ہرگز مومن نہیں ہونگے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں/ اختلافات میں							

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

بَيْنَهُمْ	ثُمَّ	لَا يَجِدُوْا	فِيْٓ	اَنْفُسِهِمْ	حَرَجًا	مِّمَّا
ان کے درمیان	پھر	وہ نہ پائیں	میں	ان کے جی	کوئی تنگی	اس سے جو کہ
تم کو حکم نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں						

قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

تونے فیصلہ کیا	اور	وہ مان لیں	مان لینا
اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔			

(سورۃ النساء:٦٥)

ہرگز نہیں ...... تیرے رب کی قسم ...... (اے نبیؐ) وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے باہمی (ہرقسم کے) تنازعات (اوراختلافات) میں تم کوحکم (اورآخری فیصلہ کرنے والا) نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر وہ اپنے دلوں (کے کسی گوشے) میں بھی کسی قسم کی تنگی (یا کبیدگی تک) محسوس نہ کریں۔ بلکہ (خوشی خوشی) اس کے آگے سرتسلیم خم کردیں۔

3.7.1- مرکب الفاظ

فَلَا ف (پس) + لا (نہیں)،

يُحَكِّمُوْكَ يحكموا (وہ حاکم بنائیں) +ك (تجھ کو)

فِيْمَا فی (میں) + ما (جو کہ)

بَيْنَهُمْ اور اَنْفُسِهِمْ پہلے بھی آچکے ہیں (7،2 میں)

3.7.2- تفسیری اشارات

اس آیت کے مضمون کا تعلق بھی شریعت کے عدالتی پہلو سے ہے اور اس کا حکم صرف حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔آیت میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بلند تر معیار کو شرط ایمان قرار دیا گیا ہے۔

ا) بات یہ ہے کہ ایمان کا تقاضا اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایمان کا یہ تقاضا حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہری نیاز مندی سے (جیسے منافقین مدینہ کی عادت تھی) اور بعد از وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم محض نمائشی نیاز مندی سے پورا نہیں ہوتا۔ جب تک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام باہمی نزاعات میں۔ وہ افراد کے باہمی ذاتی جھگڑے اور مقدمے ہوں یا کسی قومی اور ملّی مسئلے پر اختلاف آراء...... حکم اور ثالث تسلیم نہ کر لیا جائے اور آپ کے فیصلے کو آخری سند مان کر اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں تو آپ کا حکم بننا ظاہر تھا۔ بعد از وفات آپ کی سنت اور آپ کی شریعت حکم بننے کے لیے کافی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم یا فیصلے کی صحت میں شک وشبہ کرنا یا اسے ماننے سے انکار کرنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے برابر ہے۔

۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔ شرعی عدالت میں۔ اپنے مقدمات واپس لے آنا کافی نہیں بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صادر کردہ فیصلے پر عقلی اور اعتقادی حیثیت سے اطمینان قلب بھی ہونا چاہیے اور آپ کے فیصلے کو برضا ورغبت قبول کرنا چاہیے............ ہر چند کہ وہ فیصلہ اپنی خواہشات اور اپنے مفادات کے خلاف ہو۔ اس پر دل میں ادنیٰ سی ناراضگی اور تنگی پیدا نہیں ہونی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو بطیّب خاطر قبول نہ کرنا نفی ایمان کی شہادت اور علامت ہے۔

۲) آیت میں ان نام نہاد ''دانشوروں'' اور ''روشن خیال'' مفکروں کے لیے بھی سامان ہدایت اور دعوت فکر ہے جو اپنے دل پسند نظریات اور چند ''ہر دلعزیز'' جاہلی آراء کی تائید کے لیے بوقت ضرورت مفید مطلب ''دلائل'' بھی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ مگر جہاں سنت کا فیصلہ خلاف مرضی ہو وہاں سنت اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کر دیتے ہیں۔

۴) آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلام کی حکومت، عام قانونوں کی طرح محض ''جسم تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ ''روح'' اور قلب وذہن پر ہونی چاہیے۔ جب تک آدمی کی ذہنی کایا پلٹ نہیں ہوتی جب تک اس کے اندر ایک داخلی انقلاب پیدا نہیں ہوتا جب تک ایمان، اس کی زبان سے گزر کر اس کے دل کی گہرائیوں تک نہیں پہنچتا اور جب تک وہ خدا ور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ظاہراً و باطناً مجسم تسلیم ورضا نہیں بن جاتا.......... وہ دنیا کو نہ کوئی نظام ربوبیت دے سکتا ہے اور نہ صالح قیادت.......... بلکہ وہ خود اور اس کے تمام دعاوی ہیچ ہیں۔

3.8 اہم نکات

۱) مسلمانوں کو اپنے مقدمات اور تنازعات کتاب وسنت کی روشنی میں طے کرنے چاہئیں۔

۲) شریعت کے تمام احکام، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر دلی رضا مندی کے ساتھ قبول کرنے چاہئیں۔

۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو ادنیٰ سی بھی تنگی محسوس کیے بغیر برضا ورغبت قبول کرنا ہی ایمان کا مطلوبہ معیار ہے۔

نوٹ: رب کے لفظی معنی ''پالنا'' ہیں اور پالنے والے کو بھی ''رب'' کہتے ہیں جس طرح عدل کے معنی عدل بھی ہیں اور عادل بھی۔ ''ربّ'' اسے کہتے ہیں جو کسی کی ساری ضروریات ازخود پوری کرتا ہو۔ فارسی میں اس کا نہایت عمدہ ترجمہ ''پروردگار'' کیا گیا ہے جو اردو میں بھی رائج ہے۔ تاہم چونکہ خود لفظ ''رب'' بھی اردو میں مستعمل ہے اس لئے ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۴......آداب واحترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

4.1 - آیات

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اے	وہ جو	ایمان لائے	تم آگے مت بڑھو	درمیان	دونوں ہاتھ	اللہ	اور	اس کے رسول (کے)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے مت بڑھو

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا

اور	ڈرتے رہو	اللہ (سے)	بے شک	اللہ (ہے)	سننے والا	جاننے والا	اے

اور اللہ کی نافرمانی سے بچو بے شک اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سننے والا اور جاننے والا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ

وہ جو	ایمان لائے	تم بلند نہ کرو	آوازیں تمہاری	اوپر	آواز

اے ایمان لانے والو! تم اپنی آوازیں نبی(صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو

النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

نبی	اور	تم چلا کر نہ بولو	اسکے لئے	بات کے ساتھ	مانند چلانے (کے)	بعض تمہارے	بعض کے لئے

اور نہ اس سے بات میں اس طرح (کھل کر) اونچی آواز نکالو جیسے تم میں سے بعض کا بعض کے ساتھ با آواز بلند بولنا (ہوتا) ہے

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

یہ کہ	برباد ہو جائیں	تمہارے عمل	اور	تم	نہیں سمجھتے ہو تم

(کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارے (نیک) اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر (بھی) نہ ہو

(سورۃ الحجرات:۱،۲)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے پیش دستی مت کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ بے شک اللہ (تمہاری باتیں) سننے والا اور (تمہارے کام) دیکھنے والا ہے۔

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور ان کے ساتھ کھل کر بآواز بلند مت بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز سے بات کر لیتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر (تک) نہ ہو۔

6.1.1- مرکب الفاظ

اَصْوَاتُكُمْ	اصوات (آوازیں، صوت کی جمع) + کم (تمہاری)	
لَهٗ	ل (کے لیے) + ہ (اس)	
بِالْقَوْلِ	ب (ساتھ) + القول (بات)	
كَجَهْرِ	ك (مانند، جیسا) + جهر (اونچا بولنا)	
بَعْضِكُمْ	بعض + کم (تمہارے)	
لِبَعْضٍ	م (کے لیے) + بعض	
اَعْمَالُكُمْ	اعمال (عمل کی جمع) + کم (تمہارے)	

> نوٹ: عربی میں و کے تین معنی ہوتے ہیں: اور ، قسم ہے...... کی ، اس حالت میں کہ پہلی صورت میں واؤ عاطفہ کہلاتی ہے۔ دوسری صورت میں واؤ قسمیہ اور تیسری صورت میں واؤ حالیہ کہتے ہیں۔ عاطفہ کی مثالیں تو بکثرت آئی ہیں۔ قسمیہ کی مثال گزشتہ آیت (۸) میں وربّك میں پڑھی ہے۔ یہاں آخری واؤ (و انتم والی) حالیہ ہے۔ یہ گرامر کی بحث آپ کے لئے ضروری نہیں تاہم "و" کے تینوں معنی یاد ہونے چاہئیں۔

۱) (بین یدی......) کے لفظی معنی ہیں (...... کے دونوں ہاتھوں کے درمیان محاورے میں اس کا مطلب ہوتا ہے...... کے سامنے...... کے پاس۔

۲) لا تقدموا کے اصل معنی ہیں ''آگے بڑھانا''۔ جب (یہ بین یدی فلاں) (فلاں کے سامنے) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''آگے بڑھنا'' (اور ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے)۔ عربی محاورہ ہے فلاں یقدم بین یدی ابیہ۔ یعنی وہ اپنے باپ کی رائے نظر انداز کر کے من مانی رائے کے مطابق پیش دستی کرتا ہے۔

یہ لغوی تشریح اس لئے کی گئی ہے تاکہ آپ پہلی آیت کے مفوم کو بہتر طریقے پر سمجھ سکیں۔

4.1.2- تفسیری اشارات

ان آیات کی شان نزول (تاریخی پس منظر) کے بارے میں مفسرین نے کئی واقعات بیان کئے ہیں ممکن ہے ان میں سے بعض یا اکثر واقعات ان کی شان نزول ہوں۔ مگر اس مرحلے پر اس قسم کی تفصیل ضروری نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ بات یاد رکھئے کہ کسی پس منظر کے باوجود آیات کا حکم عام ہے اور ہر معاملے میں کتاب وسنت کو مشعل راہ بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ترجمے پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل نکات یاد رکھنے کی کوشش کیجئے!

ا) چونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود گرامی اسلامی نظام حیات میں مرکز اور محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے آنحضورؐ کی مکمل اور پرخلوص اطاعت (جس کے بارے میں آپ (اسی یونٹ میں مختلف آیات کا مطالعہ کر چکے ہیں) کے ساتھ قرآن کریم میں بارگاہ رسالت کے آداب پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ سورۃ الحجرات (جس کی یہ پہلی دو آیتیں آپ پڑھ رہے ہیں) نزول قرآن کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہیں (بلحاظ نزول قرآن کی 114 سورتوں میں سے اس کا نمبر 106 ہے) اس وقت دین اپنی تکمیل اور ارتقاء کی آخری منزلوں سے تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا اس لئے ضروری تھا کہ تزکیہ باطن اور روحانیت کے آخری اسباق بھی دیئے جائیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ادب اور تعظیم پر جو خاص زور ان آیات میں دیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ، اطاعت، اتباع اور محبت کے مراحل

سے گزرا ہوا اونچے درجے کا دینی وروحانی تربیت یافتہ مسلمان ہی کرسکتا ہے۔ اب ذرا ان آیات کے مضمون پر غور کیجئے۔

۲) پہلا حکم یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے احکام پر اپنی رائے مقدم نہ کرو۔ بلکہ کسی معاملے میں بھی، ان کی اجازت کے بغیر قدم مت اٹھاؤ اپنی خواہشات کو، اپنے جذبات کو، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رکھو۔ ہر معاملے میں اپنے فیصلے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کرو۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فیصلہ سن کر اپنی رائے منوانا خود تمہارے لئے باعث وبال ہوگا۔ اس سے بچو۔ یادرکھو تمہارے اقوال وافعال، تمہارے احوال واعمال، تمہارے ظاہر باطن کی بڑی یا چھوٹی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ وہ تمہاری سب باتیں سن رہا ہے اور تمہاری نیتوں تک سے آگاہ ہے۔

۳) دوسری آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے بات کرو یا ان کی موجودگی میں آپس کی بات کرو تو دھیمے اور شائستہ لہجے میں بات کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے تمہاری آواز کہیں بلند نہ ہو جائے اور جیسی بے تکلفی سے تم آپس میں بات کر لیتے ہو۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ایسی بے تکلفی سے کھل کر بات مت کیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے وقت یہ نہ بھولو کہ تم کسی عام آدمی یا اپنے برابر والے سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام میں سرمو (بال برابر) کوتاہی بھی تمہارے اعمال غارت کر دینے والی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا کیا مقام ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص، خواہ کتنا ہی قابل احترام ہو بہر حال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کے ساتھ بے ادبی پر اللہ وہ سزا دے جو دراصل کفر کی سزا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک بدتمیزی ہے اور خلاف تہذیب حرکت ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں ذرا سی کمی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہوسکتی ہے۔ اگر ادب میں کوتاہی اتنا بڑا جرم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی سنگینی

کا اندازہ خود کر لیجئے۔

۴) یہ ادب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے لیے سکھایا گیا تھا۔ اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے مثلاً جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا ہو یا جب آپ کا کوئی حکم سنایا جائے۔ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث سنتے اور پڑھتے وقت اور مرقد مبارک پر حاضر ہوتے وقت آج بھی ان ہی آداب کا خیال رکھنا چاہیے اور وارفتگان جمال نبوت اور عشاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ عالم ہے کہ روضہ اطہر کے پاس سانس لینا بھی سوءِ ادب (بے ادبی) سمجھتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزید ایں جا

نوٹ: عزیز من! اگر آپ اس شعر کا مطلب نہیں سمجھ سکے تو اپنے ٹیوٹر یا کسی اور اہل علم سے پوچھ لیجئے، یہ آپ کے امتحان کی چیز نہیں ہے مگر یہ بڑی ہی ایمان والی چیز ہے۔

4.2- اہم نکات

۱) ہر معاملے میں اپنے فیصلہ سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کرو اور کسی معاملے میں ان کی اجازت کے بغیر قدم تک نہ اٹھاؤ۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موقع پر اودھم مچانے اور نعرے لگانے کی بجائے خاموشی اور احترام سے سنو۔ تمہارے کسی قول و فعل سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی بے ادبی کا کوئی پہلو بھی نکلنے نہ پائے۔

۵...... یونٹ کا خلاصہ

اس یونٹ میں آپ نے ''اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے موضوع پر مختلف سورتوں سے لی گئی کل ۱۳ آیات کا مطالعہ کیا ہے جن کو مضمون میں ایک تدریج کی مناسبت سے یونٹ کے مختلف اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر سبق کے آخر پر اس کے اہم نکات بھی لکھ دیئے گئے۔ اب ہم آپ کے سامنے ان تمام آیات اور تمام اسباق کا مربوط خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ امید ہے ترجمہ اور تفسیری اشارات پڑھ چکنے کی وجہ سے اب آپ اس خلاصہ کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

۱) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد:

اطاعت کی بنیاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لیے اطاعت رسول سے متعلق احکام ایمان والوں کو مخاطب کر کے بیان ہوئے ہیں۔

۲) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت:

ان آیات میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت مختلف طریقوں سے ذہن نشین کرائی گئی ہے مثلاً

(۱) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقصد رسالت قرار دیا گیا ہے۔ رسول بھیجے ہی اس لیے جاتے رہے کہ ان کی اطاعت کی جائے' ہر امت کو اطاعت رسول کا پابند کیا گیا اور ہر رسول نے بحکم خدا اپنی اطاعت پر زور دیا۔

(۲) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اللہ کی ہی اطاعت ہے اس لیے کہ اللہ کے احکام اور

ان پر عمل کا درست طریقہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی معلوم ہوتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود اللہ کے ہر حکم پر سب سے پہلے عمل کرتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ اور اسی لیے

(۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ علی الاعلان لوگوں سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے لفظ ''قل'' سے شروع ہونے والی آیات اس کی واضح مثال ہیں۔

(۴) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خشیت الٰہی اور تقویٰ و پرہیز گاری کی بنیاد اور ذریعہ کامرانی قرار دیا گیا ہے۔

(۵) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف پر نتائج کی ذمہ داری خود منحرف ہونے والوں پر ڈالی گئی ہے اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ذمہ داری ...... بلاغ مبین اور اسوہ حسنہ کی صورت میں ...... پوری کر چکے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو صریح گمراہی کہا گیا ہے۔

(۶) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوتاہی کا علاج توبۂ ندامت اور استغفار ہے۔

۳) مدارج اطاعت:

آیات میں اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی گناہوں کی معافی سے لے کر اللہ کہ محبوبیت تک کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ (اتباع کے معنوں کی وضاحت کے لیے دیکھئے (۳:۲:۵)

۴) ## تحکیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانونی پہلو یہ ہے کہ مسلمان اپنے تمام تنازعات اور معاملات میں فیصلہ کا حق صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلیم کریں۔ ان کا عدالتی نظام کتاب وسنت پر مبنی ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے دلی رضا و رغبت سے قبول کئے جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے سامنے اپنی خواہشات' جذبات اور مفادات سب سے بخوشی دستبردار ہو جانا شرط ایمان ہے۔

۵) ## ادب و احترام رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند ترین درجہ ہے کہ ہر معاملے میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور حکم معلوم کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت آپ کی احادیث سنتے پڑھتے وقت خاموشی یا مودبانہ انداز گفتگو اختیار کیا جائے۔ ایک مسلمان کے کسی بھی قول وفعل سے بارگاہ رسالت میں کسی ادنیٰ سی بے ادبی کا بھی کوئی پہلو نکلنے نہ پائے۔

٦......خود آزمائی

۱) مندرجہ ذیل مفہوم یونٹ کے کس کس سبق میں بیان ہوئے ہیں اور ہر ایک کی اصل کون سی آیت (عربی عبارت) ہے؟

(i) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالمگیر (۲،۳:۲:۳)

(ii) مقصد رسالت اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(iii) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

(iv) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہی ہدایت ملے گی۔

(v) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی صریح گمراہی ہے۔

۲) ''قرآن کریم نے رسالت کے درست تصور'' اس کے آداب اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا''۔ اس کی ضرورت کیوں پڑی؟

۳) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ضروری ہے؟

۴) ''اللہ کی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے الگ اور جدا نہیں''۔ (اس کی وضاحت میں دو تین سطریں لکھیے)

۵) ''فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا'' کا ترجمہ کیجیے۔ اس میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟

۶) برائی کر بیٹھنے پر ایک مسلمان کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور خجالت کا احساس ہونا چاہیئے؟

۷) اس یونٹ میں اللہ کی توحید اور اس کی صفات کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟

۸) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذمہ داری ہے تم پر اپنی ذمہ داری ہے' اس پر دو تین سطر کا نوٹ لکھیئے؟

۹) ''اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ایمان کا عقلی تقاضا ہی نہیں بلکہ ایک حکم اور علی الاعلان مطالبہ ہے''۔ یہ حکم کس طرح بیان ہوا ہے؟

۱۰) اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت پر چند سطروں کا ایک نوٹ لکھیئے؟

۱۱) اللہ سے محبت کی اہمیت پر دو چار سطروں کا نوٹ لکھیئے اور بتایئے کہ اس کا اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تعلق ہے؟

۱۲) اتباع اور اطاعت میں کیا فرق ہے؟

۱۳) لفظ تقویٰ کا اصل معنی کیا ہے۔ اس کے اردو ترجمہ کی اصل لغوی معنوں سے کیا مناسبت ہے؟

۱۴) اتقوااللّٰہ کا عام ترجمہ کیا کیا جاتا ہے۔ اس کا ''اتقاء'' کے لفظی معنوں سے کیا تعلق ہے؟

۱۵) حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی تقریر اور ایک عورت والاہ واقعہ بیان کیجیے۔ اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

۱۶) ''حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے اور آپ کے تمام احکام واجب التعمیل ہیں۔ اس میں ذاتی پسند ناپسند کو داخل کرنا گمراہی اور باعث عذاب ہے''۔ یہ مضمون یونٹ کی کس آیت سے تعلق رکھتا ہے۔

۱۷) اوپر (سوال نمبر ۱۶) میں بیان کردہ قرآنی حکم کا کسی اسلامی مملکت کے دستور اور اس کی قانون سازی

سے کیا تعلق ہے؟

۱۸) مسلمانوں کے باہمی معاملات اور تنازعات کے فیصلے بھی شریعت (کتاب وسنت) کے مطابق ہونے چاہئیں"۔ یہ مضمون کس آیت میں آیا ہے؟

۱۹) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو قبول کرنا ایمان کی علامت ہے اور کسی فیصلے پر بھی دل میں تنگی محسوس کرنا نفی ایمان کی شہادت (گواہی) ہے"۔

(i) یہ مضمون یونٹ کی کون سی آیت میں آیا ہے؟

(ii) اس اصول کا عدالتی فیصلوں سے کیا تعلق ہے؟

(iii) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس بات پر کس طرح عمل ہوسکتا ہے؟

(iv) اس میں نام نہاد "روشن خیالوں" کے لئے کیا سبق ہے؟

۷...... جوابات

۱) جوابات کے لئے یونٹ میں متعلقہ حصہ دیکھئے جس کی طرف نمبروں کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے۔

(i) ۶۔۱ (ii) ۱۔۱ (iii) ۲۔۱ (iv) ۶۔۱ (v) ۳۔۱

۲) اس لیے کہ پہلی امتوں بالخصوص یہود ونصاریٰ میں رسالت کا درست تصور نہیں رہا تھا۔

۳) کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اللہ کے احکام ہیں اور اللہ کے احکام ماننا ضروری ہیں۔

۴) دیکھئے ۴۔۱

۵) ہم نے تم کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔ ۲۔۱

۶) ا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ والی آیت

۷) (i) اس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے

(ii) وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے

(iii) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

۸) دیکھئے ۸۔۱

۹) دیکھئے ۲۔۱ اور اس کی تشریح

۱۰) اس کے لیے ۱۔۲، ۱۔۳، ۲۔۳، ۶۔۳ اور اس کی تشریحات سے مطالعہ کریں۔

۱۱) ۱۔۲ کا مطالعہ کریں۔

(۱) اتباع دل و جان سے اطاعت کرنا اور اطاعت قانونی پابندی کا نام ہے۔ دیکھئے ۲۔۱۔۲

۱۳) تقویٰ کا لغوی معنیٰ ''بچنا'' اس سے مراد ''عذاب خداوندی سے ڈر گناہوں سے بچنا'' ہے۔

(۱۴) اللہ سے ڈرو۔ یعنی گناہوں سے بچو۔

۱۵) واقعہ دیکھئے ۳۔۳

۱۶) (۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ الاية ۱۔۳

(۲) فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْن الاية ۷۔۳

۱۷) دیکھئے تشریحات ۱۔۳، ۲۔۳ سے ۷۔۳ تک

۱۸) فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْن الاية ۷۔۳ میں

۱۹) ۷۔۳ والی آیت میں۔

القرآن

مشاہدۂ کائنات

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار

نظرثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱) قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں مشاہدۂ کائنات کی اہمیت جان لیں۔

۲) اس امر سے آگاہ ہوں کہ قرآن حکیم سائنسی طریق کار یعنی تجربہ، مشاہدہ، غور وفکر اور اخذ نتائج کی کتنی تاکید سے دعوت دیتا ہے۔

۳) قرآن کے بیان کئے ہوئے بہت سے حقائق کی سائنسی صداقت سے واقف ہوں اور قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت پر عقلی دلائل دے سکیں۔

۴) آپ میں مطالعہ کائنات کا مزید شوق پیدا ہو۔

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
151	تعارف	-1
153	آیات	-2
156	-2.1 مشکل الفاظ کے معانی	
157	-2.2 توجیہات	
159	قرآنی آیات	-3
160	-3.1 مشکل الفاظ کے معانی	
161	-3.2 توجیہات	
163	قرآنی آیات	-4
166	-4.1 مشکل الفاظ کے معانی	
167	-4.2 توجیہات	
168	قرآنی آیات	-5
175	-5.1 مشکل الفاظ کے معانی	
175	-5.2 توجیہات	
178	قرآنی آیات	-6

182	مشکل الفاظ کے معانی -6.1	
182	توجیہات -6.2	
184	قرآنی آیات	-7
189	مشکل الفاظ کے معانی -7.1	
189	توجیہات -7.2	
192	قرآنی آیات	-8
197	مشکل الفاظ کے معانی -8.1	
197	توجیہات -8.2	
199	قرآنی آیات	-9
204	مشکل الفاظ کے معانی -9.1	
204	توجیہات -9.2	
206	خودآزمائی	-10
207	جوابات خودآزمائی	-11

۱...... تعارف

اس یونٹ کا عنوان ہے مشاہدہ کائنات، مشاہدے کے لفظی معنی ہیں ''ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھنا اردو زبان میں یہ لفظ ذرا غور وفکر کے ساتھ دیکھنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے کائنات کے معنی ہیں تمام وہ چیزیں جن کا وجود ہے اور اس سے مراد زمین یا آسمان میں پائی جانے والی تمام چیزیں ہیں اس طرح مشاہدہ کائنات کا مطلب بنتا ہے اپنے اردو گرد پائی جانے والی تمام چیزوں کو غور وفکر کے ساتھ دیکھنا۔

چیزوں کو غور وفکر سے دیکھئے یا انہیں دیکھ کر غور وفکر سے کام لینے کی بناء پر انسان کچھ نتائج نکالتا ہے۔ انسان کے تمام علوم اور خاص طور پر وہ علوم جنہیں ہم سائنسی علوم مثلاً طبیعات، کمسٹری، حیاتیات، زراعت، طب اور انجینئرنگ وغیرہ کہتے ہیں یہ سب کائنات کی مختلف چیزوں مثلاً سورج، چاند، ستاروں، روشنی، حرارت، ہوا، پانی، بارش، مٹی، نباتات، حیوانات، معدنیات وغیرہ میں صدیوں تک کے انسانی غور وفکر کا نتیجہ ہیں۔ مشاہدہ کائنات کے ذریعے انسان نے آہستہ آہستہ مختلف چیزوں کے اندر پائی جانے والی مستقل خاصیات اور صفات دریافت کیں اور یہ معلوم کیا کہ کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی قاعدے اور قانون کی پابند ہے۔ چیزوں کے بارے میں اس قسم کی معلومات ہی انسان کی تمام ایجادات کا باعث بنی ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے کیونکہ کائنات کے بارے میں جس قدر باتیں معلوم ہو چکی ہیں اس سے کہیں زیادہ ابھی تک نامعلوم ہیں۔

قرآن مجید نے بار بار انسانوں کو مشاہدہ کائنات کی طرف توجہ دلائی ہے اور ایک طرح سے بالواسطہ ان تمام علوم کے پڑھنے کا شوق دلایا ہے جن کی بنیاد مشاہدہ کائنات پر ہے اور جنہیں عام طور پر سائنس کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ سائنسی معلومات اور ایجادات اس کا اصل موضوع نہیں ہیں اور نہ ہی صرف سائنس پڑھ لینے سے قرآن کریم کے سارے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم تو ہدایت کی کتاب ہے انسانوں کو زندگی بسر کرنے کا درست طریقہ بتاتی ہے۔ مزید برآں قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس میں بتایا ہوا طریق زندگی یا دستور حیات اس کائنات کے پیدا کرنے والے کا اپنا مقرر کیا ہوا ہے۔ تاہم قرآن مجید مشاہدہ کائنات کی طرف اس لیے توجہ دلاتا ہے کہ مشاہدہ اور غور وفکر سے انسان کو کائنات کی ہر شے میں اس کے خالق اور مالک کی زبردست صنعت وقدرت اور بے پایاں حکمت و ہدایت کارفرما نظر آتی ہے اور یہ بات اس کے ایمان کی پختگی کا سبب بنتی ہے۔

مشاہدہ کائنات سے جب انسان یہ معلوم کرتا ہے کہ کائنات کی ہر شے اس کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ وہ اپنی زندگی کی بہت سی ضروریات کے لیے کائنات کی بے شمار چیزوں کا محتاج ہے مگر کائنات کی کسی چیز کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو اسے ضرور یہ بھی خیال آتا ہے کہ آخر وہ خود کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور اس کی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ وہ سوچتا ہے کہ جس خالق و مالک کے قوانین کے ذریعے اس کائنات کا سارا نظام اتنے اچھے طریقے سے چل رہا ہے یقیناً انسانی نظام اور انسانی معاشرہ بھی اسی کے دیئے ہوئے قوانین کے ماتحت ہی ٹھیک طرح چل سکتا ہے۔ یہ سوچ اور یہ جستجو انسان کو اسلام کی دہلیز پر لا کھڑا کرتی ہے اور تب انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشاہدہ کائنات کے لیے بھی قرآن کا محتاج ہے چنانچہ مشاہدہ کائنات کے متعلق قرآن نے جو رہنمائی دی ہے آیئے اس کا مختصر سا مطالعہ کرتے ہیں۔

۲...... قرآنی آیات

﴿الف﴾:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ

بے شک	میں	پیدائش	آسمانوں	اور	زمین (کی)	اور	باہم بدلتے رہنا	رات	اور
بلاشبہ آسمانوں اورزمین کی ساخت/بناوٹ میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے ہیں									

النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ

دن (کا)	اور کشتی	جو کہ	چلتی ہے	میں	سمندر	اس کے ساتھ جو	نفع دیتا ہے	لوگوں (کو)
اورکشتیوں میں جو سمندرمیں چلتی ہیں اس کے ساتھ جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے								

وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ

اور	جو کچھ	اتارا	اللہ نے	سے	آسمان	سے	پانی	پس زندہ کیا	اس سے
اور جو پانی اللہ نے آسمان سے اتارا پھر زمین کو اس کے									

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص

زمین کو	بعد	اس کی موت (کے)	اور	پھیلا دیئے	اس میں	سے	سب	جانور
خشک (مردہ) ہوجانے کے بعد شاداب (زندہ) کیا اوراس میں ہرقسم کے جانور پھیلا دیئے								

وَّ تَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ

اور	پھیر دینا	ہوائیں	اور	بادل	قابو کیا ہوا	درمیان

اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان

السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ○

آسمان	اور	زمین (کے)	ضرور نشانیاں ہیں	لوگوں کے لئے (جو)	عقل سے کام لیتے ہیں

تابع فرمان (قابو کیا ہوا) ہے (ان سب میں) عقل سے کام لینے والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں

(البقرہ:۱۶۴)

بے شک آسمانوں اور زمین کی ساخت (اور مخلوقات) میں اور رات دن کے ادل بدل میں (جہازوں اور) کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں (مال تجارت وغیرہ) لئے (دریاؤں اور) سمندروں میں چلتی (پھرتی) ہیں۔ اور مینہ کے پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو (ایک طرح سے) اس کی موت کے بعد (دوبارہ) زندگی بخشتا ہے اور (جس طرح) اس نے ہر قسم کی جاندار مخلوق (روئے) زمین پر پھیلا رکھی ہے اور ہواؤں کی (مختلف سمتوں میں) گردش (اور رخ بدلتے رہتے) میں اور بادلوں (اور آبی بخارات) میں جو آسمان اور زمین کے درمیان پابند فرمان (بنا کر رکھے گئے) ہیں۔
(الغرض ان سب چیزوں میں) عقل سے کام لینے والوں کے لئے (خالق کی عظمت وقدرت کی) بہترین نشانیاں (موجود) ہیں۔

(ب)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ

بے شک	میں	پیدائش	آسمانوں	اور	زمین (کی)	اور	باہم بدلتے رہنا	رات	اور

بلا شبہ آسمانوں اور زمین کی ساخت (بناوٹ) میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں

النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْأَلْبَابِ ۞ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ

دن (کا)	ضرور نشانیاں (ہیں)	لئے + والے	عقلیں	وہ جو کہ	یاد کرتے ہیں	اللہ کو

عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں

قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ

کھڑے ہوئے	اور	بیٹھے بھی	اور	اوپر	پہلوؤں ان کے	اور	وہ غور کرتے ہیں	میں	پیدائش

کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں (اپنی کروٹوں) پر اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں

السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

آسمان	اور	زمین (کی)	اے ہمارے رب	نہیں	تو نے پیدا کیا	یہ	بے فائدہ

غور و فکر کرتے ہیں ہمارے پروردگار! تو نے یہ بیکار نہیں پیدا کیا

النَّارِ○	عَذَابَ	فَقِنَا	سُبْحٰنَكَ
آگ کی (سے)	سزا	پس تو بچا ہم کو	تیری پاکیزگی
تو پاک ہے سو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا (لینا)			

(آل عمران:۱۹۰......۱۹۱)

> یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت (اور مخلوقات) میں، اور رات دن کی ادل بدل میں ان اہل عقل و دانش کے لئے تو بہت سے دلائل (اور نشانات) ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے (ہر حال میں) اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت (اور مخلوقات) میں غور و فکر کرتے (رہتے) ہیں۔ (اور وہ بول اٹھتے ہیں) ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ فضول (اور بے مقصد) نہیں بنایا تو پاک ہے (اس قسم کے عیب سے) سو تو ہم کو (دوزخ کی) آگ کے عذاب سے بچا لیجئیو!

2.1- مشکل الفاظ کے معانی

فُلْكِ — کشتی یا جہاز واحد اور جمع ہر دو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لِأُولِي الْأَلْبَابِ — ل (کے لیے) + اولی (والے) + الالباب (عقلیں، اس کا واحد لُبّ ہے جس کے معنی ہیں مغز)

جُنُوبِهِمْ — جنوب (پہلو اس کا واحد جنب ہے) + ھم (ان کے)

سُبْحٰنَكَ — سبحان پاکیزگی بیان کرنا + ك تیری یا تجھ کو

فَقِنَا — ف پس + ق تو بچالے + نا ہم کو

2.2- توجیہات

۱) ان دو آیات میں مجموعی طور پر اس کائنات کی سات چیزوں میں پائے جانے والے نشانات قدرت پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) آسمانوں اور زمین کی پیدائش
(۲) رات اور دن کا ادل بدل
(۳) بحری جہاز رانی
(۴) بارش کا پانی
(۵) کرہ ارض پر نباتاتی اور حیوانی زندگی
(۶) ہواؤں کی گردش
(۷) بادلوں کا برسنا

ان میں سے نمبر ا کا ذکر ان آیات میں تین دفعہ اور نمبر ۳ کا ذکر دو دفعہ آیا ہے ان چیزوں میں سے ہر ایک میں کئی دلیلیں اور بہت سی نشانیاں ہیں جن کی تعداد آدمی کے علم کی وسعت کے مطابق بڑھتی جاتی ہے۔

۲) بظاہر ان مناظر اور مظاہر کو کم و بیش تمام انسان شب و روز دیکھتے ہی رہتے ہیں لیکن ان کے اندر پائی جانیوالی ایک عجیب یک رنگی اور باقاعدگی کی دریافت اور ان اصول وقوانین کی تلاش وجستجو، جو ان تمام اشیاء کو گویا اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ تو یہ اہل عقل اور دانش ہی کا کام ہے اور ہر زمانے میں اور ہر جگہ ایسے لوگوں کا کائنات میں غور وفکر ان کو ہمیشہ ایک ہی نتیجے پر پہنچاتا رہا ہے کہ اس سارے کارخانے کا کوئی ایسا پیدا کرنے والا ہے جو زبردست قوت اور حکمت کا مالک ہے اور جس نے یہ سب کچھ بے مقصد اور بے کار نہیں بنایا ہے۔ اور وہی ہمارا رب ہے۔

۳) کائنات کے جن عجائبات کی طرف ان دو آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے عمریں درکار ہیں انسان نے گزشتہ چار پانچ ہزار برس میں اپنے مشاہدات اور تجربات کی بناء پر صرف ان سات ''موضوعات'' پر جس قدر معلومات حاصل کی ہیں اور پھر ان معلومات کو مرتب اور منظم

طریقے پر پیش کر کے جو سائنسی علوم نکالے ہیں (مثلاً حیاتیات، طبیعیات، جغرافیہ، موسمیات، فلکیات، ریاضیات وغیرہ) اور ان تمام علوم کی بناء پر آج تک جو جو ایجادات ہوئی ہیں اس پر دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں صفحات کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور مسلسل لکھی جا رہی ہیں مگر کائنات کے ہنوز سربستہ راز ان تمام معلوم عجائبات سے کہیں زیادہ ہیں اور سائنسدانوں کے پاس ابھی سینکڑوں ایسے سوالات ہیں جن کے جوابات کی تلاش میں وہ سرگرداں ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ اس سبق کی پہلی آیت (البقرہ:۱۶۴) کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''ویلٌ لمن قرأھذہ الایۃ ومج بھا یعنی افسوس صد افسوس ہے اس پر جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس پر غور و تدبر نہ کیا اسی طرح ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض غیر مسلموں نے یہ پوچھا کہ دوسرے انبیاء کے کچھ خاص معجزے تھے۔ آپ کیا لائے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ آل عمران کی مندرجہ بالا آیات پڑھ دیں اور فرمایا ''میں تو یہ لایا ہوں''

۴)۔ تفکر (کائنات میں غور و فکر) اور معجزہ بینی (اپنی آنکھوں سے کوئی معجزہ دیکھنا) دونوں کی حالت ایک جیسی ہے یہ دونوں چیزیں آدمی کو حیران کر کے کسی حقیقت کا قائل کر دیتی ہیں پیغمبروں کے معجزات دیکھنے کا موقع تو کسی وقت پر چند آدمیوں کو ہی ملا۔ مگر قدرت کے عجائبات ہر وقت اور ہمیشہ مشاہدہ کے لیے موجود ہیں پھر کائنات میں غور و فکر ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے ان پڑھ سے لے کر بڑے سے بڑا ''عالم'' یکساں متاثر ہوتا ہے۔ اس عظیم الشان موجودات کے طبعی قوانین اور لگے بندھے قواعد سے اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر استدلال (دلیل لانا) یہ ایک علمی شرف ہی نہیں اعلیٰ عبادت بھی ہے۔ مخلوق میں تفکر اور خالق کا ہر وقت ذکر ایسے لوگوں کی صفت ہے جنہیں عقل کے ساتھ ایمان کی دولت بھی نصیب ہوئی ہے۔ یہی بات ان آیات میں بیان ہوئی (ایک دفعہ ترجمہ پھر پڑھ لیجیے)۔

۳......قرآنی آیات

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ

وہ	جس نے	بنایا	سورج (کو)	چمک	اور	چاند	اجالا	اور
اللہ وہی ہے جس نے سورج کو ضوء افگن (چمکدار) اور چاند کو نورانی بنایا اور								

قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ

مقرر کیا اسے	منزلیں	تا کہ تم جانو	گنتی	برسوں (کی)	اور	حساب
اس چاند کی منزلیں، مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو						

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ

نہیں	پیدا کیا	اللہ نے	وہ	مگر	ساتھ حق کے	کھول کر بیان کرتا ہے	نشانیاں	لوگوں کے لئے
اللہ نے یہ سب کچھ مقصد کے بغیر پیدا نہیں کیا وہ ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں دلائل کھول کھول کر بیان کرتا ہے								

یَّعْلَمُوْنَ ○ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا

(جو) علم رکھتے ہیں	بے شک	میں	بدلتے آنا	رات	اور	دن	اور	جو کچھ
یقیناً رات دن کے باری باری بدلتے رہنے میں اور جو کچھ								

خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ○

جو ڈر رکھتے ہیں	لوگوں کیلئے	ضرور نشانیاں	زمین	اور	آسمانوں	میں	اللہ (نے)	پیدا کیا
اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا (ان سب میں) ایسے لوگوں کیلئے ضرور نشانیاں ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں								

(سورۃ یونس:۶......۵)

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے سورج کو (گرمی اور) چمک اور چاند کو چاندنی (کی دمک) دی اور چاند کی (حرکت کے لئے) ٹھیک ٹھیک منزلیں مقرر کردیں (جس میں سرمو تفاوت نہیں ہوتا) تاکہ (اس کے ذریعے) تم برسوں کی گنتی اور (تاریخوں) حساب معلوم کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ (سارا کارخانہ) خاص مقصد (اور حکمت) کے ساتھ ہی تو بنایا ہے۔ (یوں) وہ ان لوگوں کے لئے جو اہل علم ہیں (اپنی قدرت کے) نشانات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یقیناً رات دن کے ادل بدل اور آسمانوں اور زمین کے اندر (پائی جانے والی) مخلوق میں پرہیزگار لوگوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

3.1- مشکل الفاظ کے معانی

ضِیَآءً کے معنی (روشنی پھیلانا) بھی ہیں اور یہ ''ضوء'' (روشنی) کی جمع بھی ہوسکتی ہے۔

قَوۡم قوم کا لفظ واحد ہے مگر جمع کے لیے استعمال ہوتا اور وہیں ''لوگ'' اس کا اچھا ترجمہ ہے۔

مَنَازِلَ منازل کی واحد منزل ہے اور اس سے مراد وہ مسافت ہے جو چاند ہمارے ایک شب و روز میں طے کرتا ہے چاند کی یہ منزلیں 29,30 ہیں جو ایک قمری مہینہ بنتا ہے۔

3.2- توجیہات

۱) ان دو آیات میں سورج اور چاند کی روشنی، وقت کے تصور سے تعلق، دن رات کا ادل بدل اور زمین اور آسمان کی مخلوقات میں پائے جانے والے عجائبات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو آدمی علم کے ساتھ احساس ذمہ داری (تقویٰ) بھی رکھتا ہو وہ سمجھ جاتا ہے کہ سب چیزوں کا ایک بنانے والا ہے اور اس نے ان کو کسی حکمت اور مقصد کے ساتھ بنایا ہے۔

۲) سورج کے طلوع اور غروب سے یعنی رات اور دن کی باری باری ظاہر ہونے سے سب سے پہلے انسان نے ایک تاریخ (یا چوبیس گھنٹے کے دن) کا تصور لیا۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف قوموں اور لوگوں میں (تاریخ کے لیے) دن کی ابتداء اور انتہا کا شمار مختلف طرح سے کیا جاتا رہا ہے مثلاً کسی نے ایک صبح سے دوسری صبح تک بعض نے غروب سے غروب تک بعض نے آدھی رات سے آدھی رات تک اور بعض نے دوپہر سے دوپہر تک ایک دن شمار کیا۔ اس کے بعد نئے چاند سے اگلے نئے چاند تک کی مدت نے انسان کو ایک مہینے کا تصور دیا اور پھر انسان نے زیادہ طویل مشاہدہ سے یہ معلوم کیا کہ بارہ نئے چاند دیکھنے کے بعد پھر وہی موسم آجاتا ہے اس مدت کا نام انسان نے سال رکھا۔ اس طرح دن (جس سے ایک دن اور رات مراد ہیں) مہینہ اور سال یہ وقت کی ایک قدرتی تقسیم ہے جو سورج اور چاند کے طلوع و غروب میں ایک باقاعدگی کی وجہ سے انسانی مشاہدہ میں آئی، بلکہ مہینے کے چار ہفتے بھی چاند کی گردش کے چار منظم ادوار سے لیے گئے ہیں۔

۳) برسوں کی اس گنتی (عدد السنین) یعنی کیلنڈر یا تقویم کو دور رکھنے اور اپنی سہولت اور ضرورت کے لیے وقت کے مختلف حصے (مثلاً گھنٹہ منٹ سیکنڈ) اور مجموعے (صدیاں) مقرر کرنے میں انسان کو

جس قدر ''حساب'' سے کام لینا پڑا ہے اور سورج اور چاند کی گردش اور ان سے متعلق وقت کو ناپنے کے لیے طویل ادوار سے لے کر لمحات کی دقیق تقسیم کے جو جو پیمانے انسانی ذہن نے آج تک مقرر کیے ہیں ان سب کی تفصیل کے لیے مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن کا تعلق مختلف سائنسی مضامین مثلاً ریاضی بخوم، فزکس، حیاتیات، جغرافیہ اور جیالوجی وغیرہ سے ہے۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرتے رہو) میں نظام شمسی کے جن عجائبات اور انسانی ذہن کے جن امکانات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کو کما حقہ سمجھنے کے لیے تو دنیا بھر میں رائج مختلف کیلنڈروں کی تاریخ اور علم ہیئت Astronomy کا مطالعہ درکار ہے۔

۴...... قرآنی آیات

〈الف〉

وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ

اور	وہ	جو کہ	بھیجتا ہے	ہوائیں	خوشخبری والی	درمیان	دو ہاتھوں	اس کی رحمت (کے)

اور وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت (بارش) کے آگے آگے مژدہ سناتی (خوشخبری لاتی) ہوئی

حَتّٰٓی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ

یہاں تک کہ	جب	اٹھالائیں	بادل	بھاری	ہم نے ہانکا اس کو	کسی بستی کیلئے	مردہ

یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو لے اڑتی (اٹھالاتی) ہیں ہم اس کو کسی مردہ بستی (علاقے) کی طرف ہانک دیتے ہیں

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

پس ہم نے اتارا	اس کے ساتھ	پانی	پس ہم نے نکالا	اس کے ساتھ	میں سے	سب	پھلوں

سو اس سے ہم پانی برساتے ہیں پھر اس کے ذریعے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

اس طرح	ہم نکالیں گے	مرے ہوئے	شاید کہ تم	نصیحت مانو گے
اسی طرح ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے شاید کہ تم سبق لو۔				

(سورۃ الاعراف:۵۷)

اور وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنی (باران) رحمت کے آگے آگے (لوگوں کو مینہ کی آمد کا) مژدۂ (جانفزاء) سناتی ہوئی (ٹھنڈی ہوائیں بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ (ہوائیں آبی بخارات سے لدے ہوئے) بوجھل بادلوں کو لے اڑتی ہیں تو ہم ان کو کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتے ہیں اور وہاں (ان بادلوں سے) مینہ برسا کر اس (بارش کے پانی) کے ذریعے اسی خشک اور مردہ زمین سے ہر طرح کے پھل (سبزی، غلہ وغیرہ) نکالتے ہیں اسی طرح ہم (قیامت کے دن) مردوں کو (زمین سے) نکال کھڑا کریں گے ہوسکتا ہے کہ تم اس مشاہدہ سے کچھ) سبق لو۔

﴿ب﴾

هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ

وہ	جو کہ	دکھاتا ہے تم کو	بجلی	ڈر	اور	امید	اور	پیدا کرتا ہے
وہ (اللہ) ہی ہے جو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے تم کو بجلی دکھاتا ہے اور وہ گھٹا ٹوپ (بھاری) بادلوں کو								

السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ

بادل	بھاری	اور	پاکیزگی بیان کرتا ہے	گرج	اس کی تعریف کے ساتھ	اور	فرشتے	سے

اٹھاتا (پیدا کرتا) ہے اور گرج تو حمد کیساتھ اسکی پاکیزگی (کا ہر عیب سے پاک ہونا) بیان کرتی ہے اور فرشتے (تک) اس

خِيفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ

اس کے ڈر	اور	وہ بھیجتا ہے	گرنے والی بجلیاں	سو پہنچا دیتا ہے	اس کے ساتھ	جس کو	وہ چاہتا ہے

کے ڈر سے لرزتے رہتے ہیں (تسبیح کرتے رہتے ہیں) اور وہ کڑک (کر گرنے) والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے اسے ڈالتا (گرا دیتا) ہے

وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

اور	وہ	جھگڑتے ہیں	میں	اللہ	اور	حالانکہ ہے وہ	سخت	قوت (چال) والا

اور اللہ کے بارے میں جھگڑے (بحثیں) کرتے ہیں حالانکہ وہ تو بڑی سخت پکڑ (چال) والا ہے۔

(الرعد: ۱۳۔۔۔۔۔۱۲)

وہی (قادر مطلق) ہے جو تمہارے سامنے (آسمانی) بجلیاں چمکاتا ہے کہ (جنہیں دیکھ کر تمہیں) کچھ اندیشے بھی (لاحق) ہوتے ہیں اور کچھ امیدیں بھی (بندھتی ہیں) اور وہ ہی (آبی بخارات سے لدے ہوئے) بادل اٹھاتا ہے اور (ان بادلوں کی) گرج (زبان حال سے) اس کو سراہتی اور اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور (اسی طرح) فرشتے (بھی) اس کی ہیبت سے (لرزاں اور تسبیح برزباں رہتے ہیں) اور (وہی) آسمان سے گرنے والی کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور (بعض اوقات) انہیں جس پر چاہتا ہے گرا (بھی) دیتا ہے یہ لوگ اللہ (تعالیٰ) کے بارے میں بھی جھگڑتے اور مباحثے کرتے (پھرتے) ہیں حالانکہ اس کی گرفت اور اس کی قوت اس کی چال (اتنی) سخت ہے (کہ اس کا توڑ نہیں)

4.1- مشکل الفاظ کے معانی

ثقال	ثقال کا واحد ہے ثقیل (بھاری، وزنی)
صواعق	صواعق کا واحد صاعقۃ (گرنے والی بجلی) ہے
ملائکۃ	ملائکۃ کا واحد ملک (فرشتہ) ہے
تسبیح	تسبیح کے معنی ہیں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے اور حمد کا مطلب ہے یہ بات بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ میں ہر قسم کی خوبیاں اور قوتیں ہیں۔ یہ دونوں لفظ اب اصطلاحی طور پر "سبحان اللہ" اور "الحمدللہ" کہنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

4.2-توجیہات

۱) آپ نے اگر ترجمے پر غور کیا ہے تو آپ بآسانی بتا سکتے ہیں کہ ان آیات میں کائنات کی حسب ذیل چیزوں کا نشانات قدرت کے طور پر ذکر ہوا ہے

(۱) ریاح (ہوائیں) (۲) سحاب (بادل)

(۳) آسمانی پانی یا بارش (۴) برق (چمک) رعد (گرج) اور صواعق (بجلیاں)

(۵) نباتاتی زندگی خصوصاً پھل۔

آپ نے یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر اس سے پہلے والی آیات میں بھی آیا ہے۔ آیات میں ان نشانات سے دو باتوں پر دلیل لائی گئی ہے۔

(۱) مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا (بارش کے ذریعے مردہ زمین کے پھر زندہ ہو جانے سے) اور

(۲) اللہ کی زبردست اور قدرت (بجلی کی چمک یا کڑک اور بادل کی گرج سے)

۲) دوسری آیت (ب) میں یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ جس طرح مذکورہ بالا نشانات قدرت سے انسان کے اندر بیک وقت خوف اور طمع (ڈر اور امید) کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوئی ہے اسی طرح آدمی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہنا چاہئیے اور ہمیشہ اس سے بھلائی کی امید بھی رکھنی چاہئیے۔ ایمان خوف اور امید دونوں کے درمیان ہے ان نشانات قدرت کو (جو یہاں مذکور ہوئے ہیں) عموماً ہر آدمی اکثر دیکھتا اور ان سے متاثر بھی ہوتا ہے مگر اعلیٰ سطح پر ان میں سے ایک ایک مستقل سائنس کا موضوع ہے جس میں ان کے عجائبات کا باقاعدہ مطالعہ کیا جاتا ہے۔

۵......قرآنی آیات

هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ

وہ	جس نے	اتارا	سے	آسمان	پانی	تمہارے لئے	اس سے	پینا
وہ ہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا اس میں سے کچھ پینا ہے								

وَّ مِنۡهُ شَجَرٌ فِيۡهِ تُسِيۡمُوۡنَ ○ يُنۡۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ

اور	اس سے	درخت	اس میں	تم چراتے ہو	وہ اگاتا ہے	تمہارے لئے	اس کے ساتھ
اور اس سے ہی کچھ درخت جس میں تم چراتے (پھرتے) ہو اس سے وہ تمہارے لیے اگاتا ہے							

الزَّرۡعَ وَ الزَّيۡتُوۡنَ وَ النَّخِيۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ

کھیتی	اور	زیتون	اور	کھجور	اور	انگور	اور	سے
کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور								

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○

سب	پھلوں	بے شک	ہیں	اس	ضرور نشانی	لوگوں کے لئے	وہ غور کرتے ہیں

ہر طرح کے پھل یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ

اور	کام پر لگایا	تمہارے لئے	رات	اور	دن	اور	سورج	اور	چاند

اور اس نے مسخر کر دیئے ہیں تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند

وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اور	ستارے (بھی)	کام میں لگے ہوئے	اس کے حکم سے	بے شک	میں	اس

اور ستارے (بھی) اس کے حکم سے مسخر (کام میں لگے) ہیں یقیناً اس میں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی

البتہ نشانیاں	لوگوں کے لئے	عقل سے کام لیتے ہیں	اور	جو	پیدا کیا	تمہارے لئے	میں

ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں اور جو چیزیں اس نے تمہارے لیے

الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً

زمین	مختلف	اس کے رنگ	بے شک	میں	اس	ضرور نشانی

زمین میں پیدا کی ہیں جن کی مختلف رنگتیں ہیں یقیناً اس میں ایک نشانی ہے

لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ

لوگوں کے لئے	نصیحت پکڑتے ہیں	اور	وہ	جس نے	کام پر لگایا	سمندر

ان لوگوں کے لیے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں اور وہ ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

تا کہ تم کھاؤ	اس میں سے	گوشت	تازہ	تا کہ تم نکالو	اس میں سے	زیور

تا کہ تم اس میں سے گوشت کھاؤ اور تا کہ اس میں سے نکالو زیور

تَلْبَسُوْنَهَا ج وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا

تم پہنتے ہو	اس کو	اور	تو دیکھتا ہے	کشتیاں	چیرنے والی	اس میں	اور	تا کہ تم تلاش کرو

جسے تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ اس میں پھاڑ کر چلنے والی ہیں اور تا کہ تم اس کا فضل

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَ اَلْقٰى

سے	اس کے فضل	اور	شاید کہ تم	تم شکر کرو گے	اور	اس نے ڈالا

(روزی) تلاش کرو شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ اور اس نے

فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَ أَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا

میں	زمین	بڑے بوجھ	تا کہ	وہ ڈھلکتی ہے	تمہارے ساتھ	اور	ندیاں	اور	کسی راستے

زمین میں بڑے بوجھ پہاڑ گاڑ دیئے کہ کہیں وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے (ہلنے کا پتہ نہ لگے) اور اس نے ندیاں

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ

شاید کہ تم	راہ پاؤ گے	اور	علامتیں	اور	ستاروں کے ساتھ	وہ

راستے بنائے شاید کہ تم راہ پالو اور کچھ علامتیں بنا دیں ستاروں کے ذریعے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں

يَهْتَدُوْنَ ○ أَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

راہ پاتے ہیں	کیا تو جو	پیدا کرتا ہے	اس جیسا جو	پیدا نہیں کرتا ہے	کیا پس	تم نصیحت نہیں پکڑتے ہو

تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا تو کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

وَ إِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ إِنَّ اللّٰهَ

اور	اگر	تم گننے لگو	نعمت	اللہ کی	تم پورا نہ گن سکو گے اس کو	بے شک	اللہ

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو تم ان کا شمار نہ کر سکو گے یقیناً اللہ تعالیٰ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا

ضرور بخشنے والا	مہربان ہے	اور	اللہ	جانتا ہے	جو	تم چھپاتے ہو	اور	جو

ضرور ہی بہت بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو

تُعْلِنُوْنَ ○ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تم ظاہر کرتے ہو	اور	وہ جن کو	پکارتے ہیں	سے	کم تر	اللہ (سے)

تم ظاہر کرتے ہو اور جن کو یہ لوگ اللہ سے نیچے (کو چھوڑ کر) پکارتے ہیں

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ

وہ نہیں پیدا کرتے	کوئی چیز	اور	وہ	پیدا کئے جاتے ہیں	وہ مردہ ہیں	نہیں

تو وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود ہی پیدا کیے ہوئے (بنائے ہوئے) ہیں وہ مردہ ہیں

اَحْيَآءٍ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○

جاندار	اور	نہیں	وہ خبر رکھتے	کب	وہ اٹھائے جائیں گے

زندہ نہیں ہیں اور ان کو خبر نہیں ہے کہ وہ کب (اٹھا) کھڑے کیے جائیں گے۔

(سورۃ النحل: ۱۰......۲۱)

وہی (قادر مطلق) ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا۔ جس میں سے کچھ (تمہارے) پینے کے (کام آتا ہے) اور کچھ درختوں (اور نباتات کی پرورش کے (لئے ضروری ہے)۔ جس میں تم (اپنے مویشی) چرنے چگنے کے چھوڑ دیتے ہو، اسی پانی کے ذریعے وہ کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل (سبزیاں وغیرہ پیدا کرتا ہے) جو لوگ غور وفکر سے کام لیتے ہیں ان کے لئے تو اس (مشاہدہ) میں (اللہ کی قدرت اور اس کی توحید پر) ایک بہت بڑی نشانی (اور زبردست دلیل) موجود ہے اور اسی (ذات برتر) نے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو تمہارے (فائدوں کے) لئے مسخر اور (بے بس کر کے گویا کام پر لگا) کر رکھا ہے۔

سب ستارے بھی، اسی کے حکم سے مسخر (اور اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے) ہیں۔ اس میں عقل سے کام لینے والوں کے لئے (قدرت خالق) کی (بہت) بڑی نشانیاں ہیں

اور (یہ) جو اس نے بہت سی رنگ برنگ (اور انواع واقسام) کی چیزیں تمہارے لئے زمین میں (بکثرت) پیدا کر رکھی ہیں۔ ان میں (بھی) ضرور نشانی (اور دلیل تو) ہے (مگر) ان لوگوں کے لئے جو (بات کو سمجھتے اور اس سے) سبق حاصل کرتے ہیں۔

اور وہی (قادر مطلق) ہے جس نے سمندر کو (بھی) مسخر کر (کے کام پر لگا) رکھا ہے تا کہ اس میں سے (مچھلی کا) تازہ گوشت کھاؤ...... اور نیز اس میں سے زیور اور زینت کے طور پر کام آنے والی وہ چیزیں) نکالو...... جنہیں تم پہننے کے کام لاتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس (کس طرح پانی کو) چیرتی ہوئی چلتی ہیں (اس میں اللہ کا مقصد یہ بھی ہے) کہ تم اس کے فضل (سامان معاش) کی تلاش کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے (اور ہونا چاہئے) کہ تم شکر گزار (بندے بن جاؤ۔

اور اس نے زمین میں (پہاڑوں کے) بھاری بوجھ ڈال دیئے تاکہ تم کو لے کر زمین اضطرابی حرکت نہ کرنے لگے ...... اور (اس نے) دریا (جاری کئے) اور (قدرتی) راستے (بنائے) تاکہ تم راہ (ہدایت) پاؤ اور (اسی طرح اس نے زمین میں راستوں کی شناخت کے لئے اور بھی)

کئی علامتیں (رکھ دی ہیں) اور ستاروں کے ذریعے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔

پھر کیا وہ جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرتا ہے اور (دوسری طرف) وہ ہو (کچھ بھی) پیدا نہں کرتا (کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟) تو کیا اتنی سی بات بھی تمہاری سمجھ سے باہر ہے؟

اور (دیکھو) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی ان کو (پوری طرح) شمار نہ کر سکو گے بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ تعالی جانتا ہے کہ تم چھپاتے کیا ہو؟ اور ظاہر کیا کرتے ہو۔

اور اللہ سے نیچے جن (معبودوں) کو یہ لوگ (دعاؤں میں) پکارتے ہیں وہ تو کسی چیز کے بھی خالق نہیں (بلکہ) خود مخلوق ہیں ...... (پھر وہ) مردہ (اور بے جان) ہیں، زندہ (بھی) نہیں ہیں ...... اور ان کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) کب اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔

5.1- مشکل الفاظ کے معانی

رَوَاسِیَ کا واحد راسیة ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے گڑا یا جما ہوا۔ جمع کے صیغے میں اس سے مراد پہاڑ ہوتے ہیں۔

مَوَاخِرَ کا واحد ماخرة ہے جس کے معنی ہیں پھاڑنے والی۔ کشتی کو پانی پھاڑتے ہوئے چلنے کی بناء پر ماخرہ بھی کہتے ہیں۔

یُبْعَثُوْن (وہ اٹھائے جائیں گے یہاں بعث (اٹھانا) سے مراد قیامت کو دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔

5.2- توجیہات

ا) اگر آپ نے مندرجہ بالا آیات کے تینوں ترجمے غور سے پڑھے ہیں تو آپ اب خود بھی ان چیزوں کی ایک فہرست بنا سکتے ہیں جن کو ان آیات میں بار بار نشانات کہا گیا ہے۔ غالبًا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ ان میں سے کس کس چیز کا ذکر یونٹ کے گزشتہ سبقوں میں پہلے بھی آچکا ہے۔ اگر آپ آگے پڑھنے سے پہلے ان چیزوں کے نام (ترجمہ کی مدد سے) ایک کاغذ پر لکھ لیں اور پھر نیچے دی گئی عبارت سے اسے ملائیں تو اس طرح آپ اپنی ذہانت کا ہلکا سا امتحان خود ہی لے سکتے ہیں۔ اپنے نمبر خود لیجئے گا۔

۲) ان آیات میں درج ذیل زمینی اور آسمانی عجائبات اور ''نشانات'' پر غور و فکر اور دانش مندانہ مشاہدہ کی دعوت دی گئی ہے۔

(ا) بارش اور اس کے فوائد خصوصاً پیاس بجھانے اور نباتات اگانے سے اس کا تعلق (یہ تنی

عجیب بات ہے کہ زمین کا 3/4 حصہ سمندر کے پانی سے بھرا ہوا ہے لیکن پینے کے پانی اور آب پاشی کے لیے پانی کی فراہمی ہمیشہ سے انسان کا ایک مسئلہ ہے۔ ان مقاصد کے لیے آسمان سے آنے والا پانی ہی کام آتا ہے چاہے وہ بارش کی صورت میں آئے یا برف بن کر اور زمین پر یا زیرِ زمین اس غرض کے لیے پانی کے تمام ذخائر اسی آسمانی پانی کا نتیجہ ہیں اور اپنی بقاء کے لیے اس کے محتاج ہیں۔

(۲) قسم قسم کے پھل دار درخت اور پودے۔

(۳) رات دن، سورج، چاند ستاروں کا مسخر ہونا یعنی بعض اٹل اور لگے بندھے قوانین کا پابند ہونا۔

(۴) زمین پر پائی جانے والی مخلوق (حیوانات ہوں یا نباتات اور جمادات) میں رنگوں کی بوقلمونی (جو آنکھ کو دعوت نظارہ اور عقل کو دعوت محاکمہ دیتی ہے)۔

(۵) سمندر، اس کے منافع اور انسان کی غذائی اور جمالیاتی ضروریات سے اس کا تعلق خصوصاً بحری جہاز رانی کے اقتصادی و معاشی اہمیت۔

(۶) پہاڑ اور چٹانیں اور زمین کی حرکت کو متوازن رکھنے میں ان کی اہمیت۔

(۷) قدرتی سفری راستوں اور لمبے سفروں میں رہنمائی کے قدرتی نشانات کی حیثیت سے دریاؤں زمین کے طبعی خدوخال اور ستاروں کا کردار۔

ان میں سے ایک ایک موضوع میں انسانی مشاہدہ اور سائنسی علوم کے کئی کئی گوشے شامل ہیں اگر آپ ''جنرل سائنس'' کی کوئی عام فہم سی کتاب ہی پڑھ لیں تو بہت فائدہ ہوگا۔

۳) آپ نے غور کیا کہ ان آیات میں بار بار کس طرح ''غور وفکر کرنے والوں'' عقل سے کام لینے والوں ''نصیحت پکڑنے والوں'' ''شکرگزار بننے والوں'' اور ''رہنمائی کے طلب گاروں'' کو ان مظاہر فطرت کے اندر پوشیدہ عجائبات کی تلاش اور دریافت پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اس لیے ان میں خالق کائنات کی عظمت، اس کی توحید، اس کے علم اور اس کی قدرت کے نشانات ہیں۔

۴) اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں اور اس کی انسان پر حد وشمار سے باہر نعمتوں کے اس مشاہدہ سے انسان کے دل پر توحید کا نقش گہرا ہو جاتا تھا۔ ایک طرف ہر شے کا پیدا کرنے والا، ہر شے کے ظاہر اور باطن سے باخبر، زندگی اور زندگی کی نعمتیں دینے والا معبود حقیقی، اور دوسری طرف بے جان، مردہ، کچھ پیدا نہ کرنے والے بلکہ مخلوق (پیدا کیے ہوئے اور خود اپنے بارے میں بھی بے خبر، چند انسانوں کے خود ساختہ معبود) اور جو انہیں معبود سمجھتے ہیں وہ ہی ان کو من دون اللہ (اللہ سے نیچے ہی) رکھتے ہیں۔ مگر دعاؤں میں پھر بھی انہیں کو پکارتے ہیں۔ اب سوچو! عقل وتفکّر کیا کہتے ہیں؟

٦...... قرآنی آیات

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ

اللہ	وہ جس نے	بلند کیا	آسمانوں (کو)	بغیر	ستونوں (کے)	تم دیکھتے ہو اس کو پھر
اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے جو تمہیں دکھائی دیں						

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ

وہ قائم ہوگیا	اوپر	تخت (کے)	اور	کام میں لگا دیا	سورج	اور	چاند
پھر وہ (عرش) تخت پر براجمان (جلوہ فرما) ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر (پابند) کیا							

كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ

ہر ایک	چلتا ہے	ایک میعاد تک	مقرر کیا ہوا	تدبیر کرتا ہے	کام (کی)	کھول کر بناتا ہے
کہ ہر ایک معین وقت کے مطابق چلتا ہے (ایک مقرر معیاد تک چلتا جائے گا) وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے (نیز) نشانات قدرت (آیات)						

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَ هُوَ

نشانیاں	شاید کہ تم	ملنے پر	اپنے رب (کے)	یقین کروگے	اور	وہ

تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے ہوسکتا ہے کہ تم اپنے پروردگار سے ملنے (کے پاس جانے) کا یقین کرلو اور وہ

الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا ؕ

جس نے	پھیلایا	زمین کو	اور	بنائے	اس میں	بھاری بوجھ	اور	ندیاں

ہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بھاری بوجھ (پہاڑ) اور دریا بنا دیئے

وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ

اور	میں سے	سب	پھلوں	بنائے	ان میں	جوڑے	دو دو

اور اس میں ہر طرح کے پھلوں کے دو دو (صنفی) جوڑے بنائے

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

ڈھانکتا ہے	رات (سے)	دن (کو)	بے شک	میں	اس	ضرور نشانیاں	لوگوں کے لئے جو

وہ رات سے دن کو ڈھانک (چھپا) لیتا ہے یقیناً اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں

يَتَفَكَّرُوْنَ ○ وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ

غور وفکر کرتے ہیں	اور	میں	زمین	ٹکڑیاں	باہم ساتھ لگنے والی	اور	باغات
اور زمین میں پاس پاس کئی قطعات ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغات							

مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ

میں سے	کچھ انگوروں	اور	کچھ کھیتی	اور	کچھ کھجور	کئی شاخے	اور	نہیں	کئی شاخے
اور کھیتیاں اور کھجور (کے درخت) جن میں سے کچھ تو تھانوے (ایک جڑ سے) میں کئی درخت اور کچھ (ایک جڑ سے) تھانوے میں ا کیلی کھجور									

يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي

پلایا جاتا ہے	پانی سے	ایک (ہی)	اور	اور ہم برتری دیتے ہیں	اس کے بعض کو	اوپر	بعض کے	میں
(سب) ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ہم ہیں جو انہیں ایک دوسرے پر پھل (غذائیت) میں برتری								

الْاُكُلِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

پھل	بے شک	میں	اس	البتہ نشانیاں	لوگوں کے لئے	جو عقل سے کام لیتے ہیں
دیتے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۔						

(سورۃ الرعد:۲.....۴)

اللہ (وہ) ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر اونچا کھڑا کیا جو تمہیں نظر آتے ہوں پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا اور اس نے آفتاب اور مہتاب کو (بعض قوانین کا) پابند بنایا اور (اس نظام شمسی کی) ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لئے (بڑی باقاعدگی کے ساتھ) چل رہی ہے ۔ ہر کام کی تدبیر (اور دنیا کا سارا انتظام) اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، وہ (اپنی قدرت کی نشانیاں اور) آیات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے کا یقین کرلو...... اور وہ (ہی) ہے جس نے زمین پھیلا رکھی ہے اور اس میں پہاڑ (گاڑ) رکھے ہیں اور دریا (بہائے) ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے جوڑے (نر و مادہ) پیدا کئے ہیں وہی دن کو رات سے (گویا ڈھانپ (کر چھپا) دیتا ہے۔

ان (سب چیزوں) میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور (پھر دیکھو کہ) زمین میں (کئی قسم کے) قطعے (اور رقبے) ہوتے ہیں جو (یوں تو) ایک دوسرے سے متصل واقع ہوتے ہیں (مگر زمین کا فرق ہوتا ہے پھر ان میں کہیں) انگور کے باغات ہوتے ہیں (تو کہیں) کھیتیاں (اور کہیں) کھجور کے درخت ہیں۔ جن میں بعض ایسے کہ ایک کی جڑ دوسرے سے ملی ہوئی اور بعض کی اکیلی جڑ (بن ملی) ہوتی ہے۔

(پھر) ان سب کو ایک پانی سے سیراب کرتا ہے مگر ہم پھل (کی مقدار، نوعیت اور غذائیت) کے لحاظ سے، ان میں سے کسی کو کسی سے بہتر بنا دیتے ہیں۔ اس (سارے بیان) میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

6.1- مشکل الفاظ کے معانی

مُسَمّٰی کے معنی ہیں جس کا نام رکھ دیا گیا ہو مراد ہے مقرر کیا ہوا۔

نَخِیْل کھجور کے درخت کو (پھل کو نہیں) کہتے ہیں اور جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی اس کا مطلب ہی ''کھجور کے باغ'' ہے۔ صِنْوَانٌ کھجور میں ملی ہوئی جڑ سے الگ الگ پودے نکلتے ہیں ہر ایک پودا دوسرے کا صِنْوٌ (بھائی یا ساتھی) کہلاتا ہے۔ صِنْوَان اسی کی جمع ہے اُکُلٌ کے معنی ہیں پھل یا خوراک اور پودا یا درخت ایک دفعہ میں کل جتنا پھل دیتا ہے۔ یعنی فی درخت پیداوار۔

6.2- توجیہات

ا) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی بعض صفات قدرت بیان ہوئی ہیں۔ قرآن کریم نے ایک اللہ ہی کی عبادت کرنے اور اسی سے دعائیں مانگنے اور مصیبت میں صرف اسی کو پکارنے پر زور دیا ہے۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ آخر وہ ''اللہ'' ہے کون؟ تو اس کے جواب میں نہ تو اللہ دکھایا جا سکتا ہے نہ اس پر انگلی رکھ کر بتایا جا سکتا ہے کہ ''یہ ہے اللہ'' ایسے سوالوں کے جواب میں۔ اور اللہ تعالیٰ کو دوسرے مصنوعی انسانی معبودوں سے ممتاز کرنے کے لیے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایسی قدرتوں اور صفات کا ذکر کرتا ہے جن کے متعلق دنیا کے کسی بھی فرضی دیوتا یا ''خدائے معبود'' کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا اور نہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام تو ''فلاں'' بھی کرتا یا کر سکتا ہے شرک کرنے والے لوگ اپنے فرضی اور خود ساختہ ''معبودوں'' سے زیادہ سے زیادہ کچھ نفع نقصان کی قدرت منسوب کر دیتے ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کا بیان توحید۔ اللہ کے سوا تمام ''معبودوں'' کا مکمل اور ہر طرح سے خاتمہ کر دیتا ہے۔ اب ذرا دیکھیے ان آیات میں ''اللہ'' کی شناخت کس طرح کرائی گئی ہے اور کس طرح اس کی قدرت، نصرت اور اختیارات کا بیان ہوا ہے کہ اس کے سوا باقی ہر ''معبود'' کی (جسے دنیا میں کہیں بھی پوجا گیا ہو) کا

''خدائی'' خود بخود صفر رہ جاتی ہے۔

۲) یہ صفات قدرت یا نشانات عظمتِ خالق حسب ذیل ہیں:

(۱) آسمانوں کی بلندیاں اوران کے غیر مرئی (دکھائی نہ دینے والے) ستون۔

(۲) سورج اور چاند کی تسخیر اوران کی مقررہ مدتیں۔

(۳) سطح زمین کی بناوٹ اور سجاوٹ۔

(۴) پہاڑوں کی گرانی اور دریاؤں کی روانی۔

(۵) پھل دار درختوں میں نر اور مادہ کا امتیاز (نر و مادہ کا نظام نباتات اور حیوانات کی پوری دنیا میں موجود ہے اور پھل دار پودوں میں اس نظام کے پائے جانے سے تو کم تعلیم یافتہ لوگ بھی واقف ہیں)۔

(۶) دن اور رات کی باقاعدہ تبدیلی۔

(۷) باہم متصل قطعہ ہائے زمین کی مٹی کی مختلف قسم کی خصوصیات (جس سے زراعت والے بخوبی واقف ہیں)

(۸) مختلف پھل دار درختوں اور پودوں کی جدا جدا ''نسلی'' خصوصیات بلحاظ پیداوار وغیرہ۔

(۹) پانی کا غذا سے تعلق۔

۳) صرف ان ''چند'' نشانات قدرت پر غور وفکر کرنے سے ہی اہل عقل و دانش اور اصحاب فکر ونظر پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ سب کام کسی ایک ہی مدبر کی قدرت اور تدبیر پر گواہ ہیں اور یہ بات ضرو ذہن میں آتی ہے کہ جو ہمیں وجود میں لایا ہے ہم مر کر ضرور اس کے پاس جانے والے ہیں۔ گویا یہ آیات یا نشانات بیک وقت ''توحید رب'' اور ''رب کے پاس حاضری'' دونوں پر دلالت کرتے ہیں ویسے تفصیلات میں جانے بغیر صرف مذکورہ بالا عنوانات کے ذکر سے بھی قدرت الہیہ کا ایک تصور قائم ہو جاتا ہے آپ نے غور کیا کتنی ''نشانیاں'' بار بار بیان ہو رہی ہیں۔ مقصد تصور توحید کو ذہن میں نقش کرنا ہے۔

۷ ...... قرآنی آیات

وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

اور	اللہ (نے)	اتارا	سے	آسمان	پانی	پس زندہ کیا	اس سے	زمین (کو)	بعد

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا سو اس کے ذریعے زمین میں اس کی موت کے بعد

مَوْتِهَا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَ

اس کی موت	بے شک	میں	اس	ضرور نشانی	لوگوں کے لئے	وہ سنتے ہیں	اور

جان ڈال دی۔ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو کان دھرتے ہیں

اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ

بے شک	تمہارے لئے	میں	مویشیوں	ضرور غور کی جگہ	ہم پلاتے ہیں	تم کو	اس میں سے جو

اور یقیناً تمہارے لیے مویشیوں میں بھی عبرت (جائے غور) ہے ان کے پیٹوں میں سے (اور)

بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا

اس کے پیٹوں میں	میں سے	درمیان	گوبر	اور	خون	دودھ	خالص	بآسانی گلے سے اترنے والا

گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تم کو پلاتے ہیں خالص دودھ جو پینے والوں کے

لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

پینے والوں کے لئے	اور	میں سے	پھلوں	کھجور	اور	انگوروں	تم بناتے ہو

لیے بڑا خوشگوارہوتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے (بھی) جس سے تم

مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

اس سے	نشہ آور	اور	رزق	اچھا	بے شک	میں	اس	البتہ نشانی (ہے)	لوگوں کے لئے جو

کچھ نشہ آور بنا لیتے ہو اور کھانے کی اچھی چیزیں (بھی) بلاشبہ اس میں عقل سے
کام لینے والوں کے لیے ایک نشانی ہے

يَّعْقِلُوْنَ ○ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ

عقل سے کام لیتے ہیں	اور	حکم بھیجا	تیرے رب (نے)	کی طرف	شہد کی مکھی	کہ	تو بناتی رہ

اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کر دی (سمجھادیا) کہ تو اپنے گھر بنا

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○

میں سے	پہاڑوں	گھروں	اور	میں سے	درخت	اور	اس میں سے جو	وہ اونچا کرتے ہیں

پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی مچانیں بناتے ہیں، ان میں

ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ

پھر	تو کھاتی رہ	میں سے	سب	پھلوں	پس تو چلتی جا	راستے	تیرے رب کے

پھر تو ہر طرح کے پھلوں میں سے کھاتی (چوستی) پھر اور اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ

ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ

آسان کئے ہوئے	نکلتا ہے	میں سے	ان کے پیٹوں	پینے کی چیز	مختلف	اس کے رنگ	اس میں (ہے)

ان (مکھیوں) کے پیٹوں سے ایک شربت (مشروب) نکلتا ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں

شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

شفاء	لوگوں کے لئے	بے شک	میں	اس (ہے)	ضرور نشانی	لوگوں کے لئے جو	غوروفکر کرتے ہیں

اور جس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے بلاشبہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ

اور	اللہ نے	پیدا کیا تم کو	پھر	قبض کرے گا تم کو	اور	تم میں سے	وہ جو

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر وہی تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں سے کوئی تو

يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ

لوٹایا جاتا ہے	کی طرف	بدترین	عمر	تا کہ	وہ نہ جانے	بعد	جاننا

عمر کی بدترین حالت تک لوٹایا جاتا ہے تا کہ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ؑ

کوئی چیز	بے شک	اللہ (ہے)	جاننے والا	قدرت والا

بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑا قدرت والا ہے۔

(سورۃ النحل: ۶۵......۷۰)

اوراللہ (ہی) نے آسمان سے پانی برسایا اور (یکا یک) مردہ پڑی ہوئی زمین میں اس (بارش) کی بدولت (گویا ازسرنو) جان ڈال دی۔ یقیناً اس میں (کانوں سے) سننے والوں کے لئے ایک (بڑی) نشانی ہے۔

اور (اسی طرح) یقیناً تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) سبق لینے کا سامان (موجود) ہے (کہ کس طرح) ان کے (جسموں کے) اندرونی حصوں سے (اور) گوبر اور خون (کی دنیا) کے درمیان سے ہم تم کو ایسا خالص دودھ پلانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ جو پینے والوں کو (ایک خاص) لطف دیتا ہے (اسی طرح) کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے بھی (تم کئی فائدے پاتے ہو) کہ اس میں سے نشہ آور (مشروب) بھی تیار کر لیتے ہو۔ اور (کھانے پینے کی) عمدہ (اور پاکیزہ) چیزیں بھی۔ یقیناً اس میں (بھی) عقل سے کام لینے والوں کے لئے (قدرت کا) ایک بڑا نشان موجود ہے۔

اور (پھر دیکھو کس طرح) تمہارے رب نے شہد کی مکھی میں (جبلی ہدایت اور الہام کے طور پر) یہ بات ڈال دی کہ (جا) تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور اونچی جگہوں پر اپنے چھتے بناتی رہ اور ہر طرح کے پھلوں (اور پھولوں) کا رس چوستی پھر اور اپنے رب کی آسان کردہ راہوں پر چلتی رہ، اس مکھی کے پیٹ میں سے (ہی) ایک شربت نما سیال (یعنی شہد) نکلتا ہے جو کئی رنگوں کا ہوتا ہے اور جس میں لوگوں (کی بہت سے بیماریوں) کے لئے شفاء (رکھی گئی) ہے۔ یقیناً اس میں (ہی) غور وفکر کرنے والوں کے لئے ایک (بڑی نشانی موجود) ہے۔

(اور دیکھو) اللہ تعالیٰ (ہی) نے تم کو پیدا کیا پھر وہ (ہی) تمہاری روحیں قبض کرے گا۔ اور تم میں سے کوئی عمر کے بدترین حصے (انتہائی بڑھاپے) تک پہنچا دیا جاتا ہے (کہ بہت کچھ جان لینے کے بعد (ایک دفعہ پھر طفل ناداں کی طرح) پیر نادان ہو جائے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کامل علم اور کامل قدرت والا ہے۔

7.1- مشکل الفاظ کے معانی

مِمَّا مِنْ (من سے) + مَا (جو کچھ کہ)

یَعْرِشُوْن سے مراد ہے وہ چھپر نما بلند ڈھانچے یا ٹمٹیاں بنانا جو انگور وغیرہ کی بیلوں کو چڑھانے کے لیے بناتے ہیں۔

ذُلُلًا اس کا واحد ذَلُوْلٌ ہے جس کے معنی ہیں مطیع یا سدھایا ہوا پھر بکثرت آمد و رفت والے راستے کو بھی ذَلُوْلٌ کہتے ہیں اس طرح کا مطلب ہے ''آسان بنایا ہوا''

اَنْعَام کا لفظ گائے بھینس بھیڑ بکری اور اونٹ پر بولا جاتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ جانور کی بجائے مویشی درست ہے۔

7.2- توجیہات

ا) ان آیات میں خدائے علیم و قدیر کی جن قدرتوں اور نعمتوں کی طرف ''کان دھرنے والوں'' اور ''عقل اور غور و فکر سے کام لینے والوں کو متوجہ کیا گیا ہے۔ مختصراً ان کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(ا) آسمانی پانی یعنی بارش اور اس کی زندگی بخش قوت۔

(۲) خالص دودھ اور اس کا واحد ذریعہ حصول مویشی۔

(۳) کھجور اور انگور کے پھل اور ان سے تیار ہونے والی اشیاء۔

(۴) شہد کی مکھی اور شہد آفرینی۔ قدرت الٰہیہ کے عجائبات کا ایک انگشت بدنداں کر دینے والا نمونہ۔

(۵) انسان کی پیدائش، موت اور بڑھاپے کے مناظر

ان ''عنوانات'' میں سے نمبرا، نمبر۳ کا ذکر قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔آپ کے اس یونٹ میں بھی یہ نشانات کئی دفعہ مذکور ہو چکے ہیں اور ابھی آگے بھی بیان ہوں گے۔ البتہ جو بات یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں ''دودھ'' اور ''شہد'' کے بننے کی کیفیت اور ان کے بعض فوائد صرف اسی ایک جگہ بیان ہوئے ہیں اس لیے ان پر مختصر بات کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۲) دودھ اور شہد اللہ تعالیٰ کی وہ ایسی عظیم نعمتیں ہیں کہ قرآن کریم میں ایک جگہ سورۃ محمدؐ میں ان کو آخرت، بہشت کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں بھی یہ دونوں چیزیں انسان کے لیے انتہائی فائدہ مند نعمتیں ہیں۔ دونوں میں غذائیت بھی ہے۔ صحت بخش قوت یعنی ''دوائیت'' بھی اور لذت کام و دہن کی ''جاذبیت'' بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان کو اس کی ضرورت بھی ہے اور حاصل کرنے کی خواہش بھی۔ اور اسی انسانی ضرورت اور خواہش کے صدقے ''نقلی شہد'' اور ''ملاوٹی دودھ'' والوں کا کاروبار ''چمکتا'' ہے۔ قربان جایئے قرآن کریم کے اس بیان پر کہ اس نے ''نشان قدرت'' اور نعمت کے طور پر اس دودھ یعنی خالص دودھ اور شہد کا ذکر کیا ہے جو کسی انسانی ہنر یا کارخانے کی پیداوار نہیں بلکہ جو مویشیوں اور شہد کی مکھی سے حاصل ہوتے ہیں۔

۳) کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ ایسی لذت بخش پاکیزہ اور صحت بخش چیزیں حیوانی پیداوار ہیں اور وہ بھی براہ راست جاندار کے پیٹ کے اندر سے نکلنے والی۔ ایک مویشیوں کے پیٹ سے (آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ مندرجہ بالا آیات میں دونوں جگہ لفظ ''بطون'' آیا ہے جو بطن (پیٹ) کی جمع ہے)۔

''دودھ اور دودھ دینے والے جانور'' اور ''شہد اور شہد کی مکھی'' پر انسانی مشاہدات اور تجربات ۔۔۔ نیز اور معلومات اتنی وسیع ہیں کہ اب دنیا بھر کی زرعی یونیورسٹیوں میں یہ مستقل مضامین کے طور پر

پڑھائے جاتے ہیں اور ان پر تحقیقات کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ہزاروں کتابیں صرف ان دو موضوعات سے متعلق لکھی جا چکی ہیں۔ انسان نے دودھ اور شہد پیدا کرنے والے ''حیوانات'' کو پالتو بنا کر ان کی عادات اور ان کے جسمانی نظام کے ایک ایک عضو کے کام کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا ہے۔ شہد اور دودھ کے کیمیائی تجزیہ سے اس کے ایک ایک عنصر ترکیبی کا پتہ چلا لیا ہے۔ مگر دنیا کی کوئی لیبارٹری ''خالص دودھ'' اور خالص شہد تیار نہیں کر سکتی۔ خالق کائنات کی قدرت وعظمت کا یہ کتنا بڑا نشان ہے کہ اس نے یہ لیبارٹری یا کارخانہ جانداروں کے پیٹ میں لگا رکھا ہے۔ اسی جگہ خوراک مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے۔ کچھ خون بنتی ہیں کچھ فضلات (گوبر) اور کچھ دودھ یا شہد کی صورت میں باہر آتی ہے۔

جانوروں کی فطری عادات اور خصوصاً شہد کی مکھیوں کے عجیب وغریب مکمل ''معاشرتی نظام'' کے مطالعہ سے اللہ کی دی ہوئی جبلی ہدایت کا جو نمونہ سامنے آتا ہے اس سے بے اختیار ذہن میں ''وحی الٰہی'' کی ضرورت اس کی بے خطا ہدایت ہونے کا احساس ابھرتا ہے (نوٹ:۔ اگر ہو سکے تو شہد اور شہد کی مکھی پر اردو میں کوئی کتاب یا مضمون ضرور پڑھ لیجیئے گا اور ایسی کتاب بآسانی مل سکتی ہے۔ یہ مطالعہ آپ کے لیے انتہائی دلچسپ بھی ہوگا۔ اور مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں ایمان پرور بھی۔)

۸ ...... قرآنی آیات

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

بے شک	اللہ (ہے)	پھاڑنے والا	دانہ	اور	گٹھلی (کا)	وہ نکالتا ہے	زندہ (کو)	میں سے

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو وہ زندہ (جاندار) کو

الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللَّهُ

مردہ	اور	نکالنے والا (ہے)	مردہ (کا)	میں سے	زندہ	وہ ہی	اللہ (ہے)

مردہ (بے جان) سے نکالتا ہے اور وہ مردہ (بے جان) کو زندہ میں سے نکالنے والا ہے

فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا

پس کدھر	تم الٹے راہ ڈال دیئے گئے ہو	پھاڑنے والا	صبح کی روشنی (کا)	اور	اس نے بنایا	رات (کو)	آرام

وہی (تو) اللہ ہے پھر تم کدھر الٹے (راستے) ڈال دیئے گئے ہو۔ صبح کی روشنی پھاڑنے (نکالنے) والا ہے۔

وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

اور	سورج	اور	چاند (کو)	حساب	وہ (ہے)	اندازہ	بڑے غالب

اور اس (ہی) نے ہی رات کو سکون بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا ہے۔ یہ (سب اس) زبردست

الْعَلِيْمِ ○ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ

بڑے علم والے (کا)	اور	وہ	جس نے	بنائے	تمہارے لئے	ستارے

قدرت اور علم رکھنے والے کا اندازہ ہے اور وہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا

لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

تاکہ تم راہ پاؤ	ان سے	میں	اندھیروں	خشکی	اور	سمندر	ضرور	ہم نے کھول کر بیان کیا

کہ تم ان (کی مدد) سے بیابان اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو ہم نے تو اہل علم کے لیے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ

نشانات	لوگوں کے لئے (جو)	جانتے ہیں	اور	وہ	جس نے	پیدا کیا

(سب)نشانیاں تفصیل سے بیان کردی ہیں اور وہ ہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک ہی

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا

میں سے	جان	ایک	پس ٹھہرنے کی جگہ	اور	سونپے جانے کی جگہ	ضرور	ہم نے کھول کر بیان کی ہیں

متنفس (جی) سے پیدا کیا۔ پھر ایک قرار کی جگہ (کا وقت) اور سونپے کی جگہ (ودیعت ہونے کا وقت) (مقرر) ہے ہم نے تو (سب) نشانیاں کھول کر

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ

نشانیاں	لوگوں کے لئے (جو)	گہری سمجھ رکھتے ہیں	اور	وہ	جس نے	اتارا	میں سے

بیان کردی ہیں ان لوگوں کے لیے جو بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ ہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا

السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا

آسمان	پانی	پس ہم نے نکالا	اس کے ساتھ	اگنے والی	ہر	چیز	پس ہم نے نکالا

(پھر) ہم نے اس کے ذریعے ہر (اگنے والی) چیز کا ابتدائی سرا نکالا پھر ہم نے اس میں سے سبز شاخ نکالی

مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ

اس میں سے	سبزہ	ہم نکالتے ہیں	اس میں سے	دانہ	ایک دوسرے پر سوار	اور	میں سے	کھجور

جس سے ہم نکالتے ہیں باہم گتھے ہوئے (ایک دوسرے پر سوار) دانے۔ اور کھجور کے گابھوں (شگوفوں) سے

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ

میں سے	اس کا گابھا	خوشے	جھکے ہوئے	اور	باغات	میں سے	انگوروں	اور

خوشے (نکالے) جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں، زیتون اور انار کے باغات

الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا

زیتون	اور	انار	ملتے جلتے	اور	نہ	ملتے جلتے	تم دیکھو

کہ ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور نہ ملتے جلتے (بھی) (پھر) تم ذرا غور سے دیکھو

اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ

کی طرف	اس کا پھل	جب	وہ پھل لایا	اور	اس کا پکنا	بے شک	میں	اس

اس کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور (پھر) اس کے پکنے کو (دیکھو) بلاشبہ ان میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

ضرور نشانیاں	لوگوں کے لئے (جو)	ایمان رکھتے ہیں۔

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

(سورۃ الانعام: ۹۵......۹۹)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے (اوراس سے پودا (اگانے) والا ہے۔ وہ ہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے، وہ ہی تو اللہ ہے (جس کی توحید کے یہ دلائل ہیں) پھر تم کیوں الٹے رخ پر جا رہے ہو۔

وہی (پو پھٹتے وقت پردۂ شب کو) چاک کر کے صبح کی روشنی لانے والا ہے اوراس نے رات کو آرام وسکون کے لئے بنایا ہے اور سورج اور چاند (کے طلوع وغروب) کو دن رات اور ماہ وسال کے ایک (باقاعدہ) حساب سے مقرر کیا ہے۔ یہ سب اس زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے (باندھے ہوئے) اندازے ہیں اور وہ ہی جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بیابان اور سمندر کی (راتوں کی) تاریکیوں میں (بھی راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا (دیکھو) ہم نے اہل علم کے لئے اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کردی ہیں۔ اور وہ ہی ہے جس نے تم سب کو (ابتدأ) ایک ہی جان سے پیدا کیا پھر (ہر ایک کے لئے) ٹھہرنے اور (پھر آگے) سونپے جانے کے لئے ایک وقت اور جگہ (مقرر کردی) ہے۔ (اپنی قدرت کی یہ) نشانیاں ہم نے لوگوں کے لئے کھول کر بیان کردی ہیں جو بات کی تہہ تک پہنچ جانے والے ہیں اور وہ (بھی ہم ہی ہیں) جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے (ہی) اس (پانی) کے ذریعے ہر قسم کی نباتات کے (ابتدأ) کویے (Lvd) نکالے۔ پھر ہم نے ہی اس (کویے) سے ہری ہری (کونپلیں اور شاخیں) نکالیں۔ جن سے ہم (ایک وقت آنے پر) باہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور (اسی طرح ہم نے) کھجور کے گابھوں (شگوفوں) سے خوشے (نکالے) کہ (پھل کے بوجھ سے) جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور، زیتون اور انار کے باغات (اگائے) جو (بعض باتوں میں) ملتے جلتے ہیں اور (بعض دفعہ) ملتے جلتے نہیں ہوتے۔

(پھر) تم ذرا غور سے دیکھو اس (ایک ایک پودے اور ایک ایک (درخت) کے پکنے (کی کیفیت) کو بھی (دیکھو) (الغرض) ان (تمام چیزوں) میں (قدرت خالق کی بڑی) نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو (کچھ بھی) ایمان رکھتے ہیں۔

8.1- مشکل الفاظ کے معانی

حسبان — کے معنی ہیں گنتی کرنا یا حساب رکھنا چاہے کسی چیز کا ہو یا وقت کا۔

متراکب — رکوب (سوار ہونا) سے بنا ہے۔ گندھ، کھجور وغیرہ کے خوشوں اور انار وغیرہ کے اندر "دانے" دیکھئے تو اس لفظ کے معنی خود بخود سامنے آ جاتے ہیں۔

قنوان — کا واحد قنو ہے جس کے معنی گچھا یا خوشہ ہیں۔

طلع — کھجور کے شگوفے یا گابھے کو کہتے ہیں یہ پہلے نکلتا ہے پھر اسی سے پھوٹ کر خوشہ نکلتا ہے جس پر کھجوریں لگتی ہیں۔

مشتبه اور متشابه — ہم معنی ہیں دونوں کا مطلب ہے "دو یا ہم ملتی جلتی چیزیں"۔

8.2- توجیہات

ا) ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مندرجہ ذیل عجائبات پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) عالم نباتات جس میں مختلف پودوں اور درختوں کا اگنا، بتدریج بڑا ہونا، پھل لگنا اور پکنا۔ غرض ایک ایک مرحلہ مجموعہ آیات و نشانات ہیں۔

(۲) جاندار اور بے جان چیزوں میں زندگی کے وجود اور فقدان کی پیچیدہ داستان۔

(۳) چاند سورج اور ستاروں کا منضبط نظام، ان کی روشنی اور طلوع و غروب کے مناظر اور انسانی زندگی اور انسانی علوم پر ان کے اثرات۔

(۴) آسمانی پانی (بارش) اور نباتات کا باہمی تعلق۔

(۵) انسانی زندگی کا آغاز اور بعد کے مختلف مراحل۔

آپ نے دیکھا اور محسوس کیا ہوگا کہ ان تمام نشانات کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ صرف انداز بیان مختلف ہے اور یہ بھی قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے کہ وہ دل نشین کرانے کے لیے ایک ہی بات اور ایک ہی مضمون کو بار بار دہراتا ہے۔ اس انداز تکرار سے موضوع کی اہمیت کے علاوہ اس کے مختلف پہلو بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

۲) اگر بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے اور یہ کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ایسا کرنے والوں (قوم یفقھون) کی ایک طرح سے ان ہی آیات میں تعریف آئی ہے:..... تو عجائبات قدرت کے اس بیان سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں اور یہی تین اسلام کے بنیادی حقوق ہیں:

(۱) توحید (۲) آخرت (۳) رسالت

اور اس طرح کہ

(۱) کائنات کے ان مختلف عجائبات میں کسی ایک ہی زبردست علم وقدرت والی ہستی کا ہاتھ کار فرما نظر آتا ہے وہی اللہ ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ علم اور قدرت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور

(۲) جو ذات مادہ اور طاقت کو پیدا کر کے ان میں ایسی ایسی تبدیلیاں کرنے پر قادر ہے جن کا مشاہدہ نباتات وحیوانات میں اور نظام شمسی میں کیا جا سکتا ہے اس کے لیے مردہ کو دوبارہ زندگی دینا کون سا مشکل کام ہے۔ وہ تو ہر آن اور ہر وقت بے جان کو جاندار بنانے اور پھر اسے بے جان بنا دینے کا عمل ہمیں دکھا رہا ہے۔ موت کے بعد زندگی پر یقین اتنا عجیب نہیں ہے جتنا اس سے انکار عجیب لگتا ہے اور

(۳) جس خالق و مالک نے انسانوں کے لیے خشکی اور سمندر کی وسعتوں میں سورج چاند ستاروں کے ذریعے سمت اور وقت کا تعین کر کے رہنمائی پا لینے کا بندوبست کیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے زندگی بسر کرنے کے طریقے میں خواہشات کے اندھیروں سے بچانے کے لیے نبوت و رسالت کی روشنی اور وحی کی رہنمائی کا انتظام نہ کیا ہو؟

۹ ...... قرآنی آیات

﴿الف﴾

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

اور	زمین	ہم نے پھیلایا اس کو	اور	ہم نے ڈالے	اس میں	بھاری بوجھ	اور	ہم نے اگایا	اس میں

اور زمین کو ہم نے ہی پھیلایا اور اس میں پہاڑ(بھاری بوجھ) ڈال دیئے اور ہم نے (ہی)

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ

میں سے	سب	چیز	نپی تلی ہوئی	اور	ہم نے بنایا	تمہارے لئے	اس میں	معاش کے سامان

اس میں ہر اندازہ کی ہوئی (موزوں)چیز میں سے(کچھ) اگایا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے

وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا

اور	وہ جو	تم نہیں ہو	اس کو	روزی دینے والے	اور	نہیں ہے	میں سے	کوئی چیز	مگر

روزی (معیشت) کے اسباب بنائے اور (ان کیلیئے) بھی جن کو روزی دینے والے تم نہیں ہو اور کوئی چیز (ایسی)

عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَ

ہمارے پاس	اس کے خزانے (ہیں)	اور	نہیں	ہم اتارتے اس کو	مگر	ایک اندازہ سے	معلوم	اور

نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معین مقدار کے ساتھ اور

اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ ۚ

ہم نے بھیجا	ہواؤں (کو)	بوجھل کرنے والیاں	پس ہم نے اتارا	میں سے	آسمان	پانی	پس ہم نے پلایا تم کو

ہم نے بھیجیں ہوائیں بارود (بوجھل) کرتی ہوئی سو ہم نے آسمان سے کچھ پانی برسایا پھر ہم نے وہی تم کو پلایا

وَ مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ○ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ

اور	نہیں	تم	اس کے	خزانچی	اور	بے شک	ضرور ہم	زندہ کرتے ہیں	اور

اور تم اسے جمع کر کے رکھنے والے نہیں ہو اور ہم ہاں ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور

نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ○

ہم ہی مارتے ہیں	اور	ہم	وارث ہیں

ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہوں گے۔

(سورۃ الحجر: ۱۹.....۲۳)

اور زمین کو ہم نے (ہی) پھیلایا (ہے) اور اس میں (پہاڑوں کے) بھاری بوجھ ڈال دیئے (ہیں) اور اس میں (جگہ جگہ کے لحاظ سے) ہر قسم کی موزوں ترین نباتات اگائی (مزید برآں) ہم نے اس کے اندر (نہ صرف) تمہاری معاشی ضروریات کا سامان بنایا بلکہ اس (مخلوقات کی روزی) کا بھی (بندوبست کیا) جس کے روزی رساں تم نہیں ہو (اور نہ ہو سکتے ہو)

کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے (بھرے پڑے) نہ ہوں، مگر ہم اسے صرف ایک مقدار سے لاتے (رہتے) ہیں۔

اور ہم نے (ہی) ہوائیں بھیجیں جو (بادلوں کو آبی بخارات) سے بوجھل اور (نباتات کو عمل زیرگی (Cross Pollination) کے ذریعے بارود کرتی چلی جاتی ہے۔

پھر ہم نے (ہی) آسمان سے پانی برسایا۔ پھر وہ تمہیں پینے کو دیا اور تم اس (دولت) کے خزانہ دار نہیں اور ہم ہی، ہاں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث رہیں گے۔

〈ب〉

تَبٰرَكَ	الَّذِیْ	بِیَدِهِ	الْمُلْكُ	وَ	هُوَ	عَلٰی	كُلِّ	شَیْءٍ
برکتوں والا ہے	وہ جو	اس کے ہاتھ میں	حکمرانی	اور	وہ	اوپر	سب	چیز کے

بڑی برکتوں والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ہے سب حکمرانی اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے

قَدِيْرُ ۙ○ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ

قدرت رکھنے والا	جس نے	پیدا کیا	موت	اور زندگی	تاکہ وہ آزمائے تم کو	تم میں سے کون

والا ہے وہ کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم کو آزما کر دیکھے (کہ) تم میں سے

اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ○ الَّذِيْ خَلَقَ

زیادہ اچھا	بلحاظ عمل	اور	وہ (ہے)	غلبہ والا	بخشنے والا	جس نے	پیدا کیا

عمل (کے لحاظ سے) میں کون زیادہ اچھا ہے اور وہ بڑا ہی غلبہ والا بخشش والا ہے وہ جس نے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

سات	آسمانوں (کو)	اوپر تلے	نہیں	دیکھے گا تو	میں	پیدا کرنا	رحمٰن (کے)	میں سے

سات آسمانوں (کو) اوپر تلے نہیں دیکھے گا تو اس بے حد مہربان (خدائے رحمٰن) کی خلقت (صنعت) میں کوئی قسم کا فرق

تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ

کوئی فرق	پھر پلٹ	نگاہ (کو)	کیا	تو دیکھتا ہے	میں سے	رخنہ (دراڑ)	پھر

سو تو پلٹ نگاہ کو کیا تو کسی قسم کا رخنہ (دراڑ) دیکھتا ہے پھر

اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا

پلٹ	نگاہ (کو)	دوبار	پلٹ آئے گا	تیری طرف	نگاہ	ذلیل ہوکر
تو پلٹ (اپنی) نگاہ کو دوبارہ تو پلٹ کر آئے گی نگاہ تیری طرف اس حالت میں کہ						

وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ○

اور	وہ	تھکا ماندہ
وہ تھکی ماندی (ہوگی)		

(سورۃ الملک: ۱.....۴)

(بہت بڑی) برکتوں (اور شان) والا ہے وہ (اللہ) جس کے قبضۂ (قدرت) میں ساری (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر (کامل) قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور حیات (کے اس سلسلے کو) اس لئے بنایا کہ وہ تم (لوگوں) کو آزما (کر دیکھ) لے کہ تم میں سے کون بہتر عمل (کرنے) والا ہے۔ اور وہ زبردست غلبہ والا (بھی) ہے اور (ساتھ ہی) نہایت بخشنے والا (بھی)

وہی جس نے سات آسمان (ایک دوسرے پر) تہہ بر تہہ بنائے تم کو (اس) بے حد مہربان (خدا) کی صنعت (اور خلقت) میں کسی قسم کا سر مو تفاوت نظر نہیں آئے گا، سو تم (پھر) پلٹ کر دیکھو کیا (کہیں بھی) کوئی رخنہ یا خلل نظر آتا ہے۔

دوبار (بلکہ بار بار) نگاہ دوڑاؤ (ہر بار) تمہاری نگاہ تھک کر ناکام پلٹ آئے گی (مگر کہیں انگلی دھرنے کی جگہ نہیں ملے گی)

9.1- مشکل الفاظ کے معانی

فَاَسۡقَیۡنٰکُمُوۡہُ ف (پس)+ استقینا (ہم نے پلایا) + کمو (تم کو) یا کم (تم) ہی کی ایک شکل ہے) + ہ (وہ اسے)۔

بِیَدِہٖ ب (کے ساتھ کے پاس) + ید (ہاتھ قبضہ)، (اس کا)

لِیَبۡلُوَکُمۡ لی (تاکہ) + یبلو (وہ آزمالے) + کم (تم کو)

مَعَایِشَ "معیشة" کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں روٹی کپڑے اور مکان کی ضروریات پوری کرنے والی۔

لَوَاقِحَ کا واحد ہے لاقح اور اس کے اصل معنی تو ہیں وہ اونٹنی جو گابھن ہوگئی ہو۔ پھر بوجھل یا بارود ہونے یا کرنے والی چیز مراد لیتے ہیں یہاں یہ ہواؤں کی صفت بیان ہوئی ہے۔

حَسِیۡرٌ کے دو معنی ہوتے ہیں حسرت اور افسوس اور ندامت سے بھرا ہوا (آدمی) اور چلنے کی وجہ سے انتہائی تھکا ہارا (جانور) یہاں نگاہ کی صفت کے طور پر یہ دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔

9.2- توجیہات

ا) یہ دو مختلف سورتوں کی آیات ہیں جن کو مضمون کی مناسبت سے ایک ہی سبق میں جمع کردیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا آیات پر غور کر کے اگر ہم ان میں بیان کردہ نشانات قدرت اور صفات الٰہی کو مختصر عنوانات کی شکل میں لکھنا چاہیں تو وہ کچھ یوں بنتے ہیں۔

(ا) زمین کا پھیلاؤ اور اس کی سطح میں ایسی تبدیلیاں جن سے وہ انسانوں کے رہنے کے قابل ہوئی۔

(۲) زمین پر پہاڑوں اور چٹانوں کی موجودگی۔

(۳) زمین پر نباتات کا وجود اور اس کا حد درجہ متوازن نظام۔

(۴) انسان کی تمام معاشی اور مادی ضروریات بلکہ بے شمار قسم کی مخلوقات کی بقاء کا زمین پر انحصار۔

(۵) ہواؤں، بادلوں اور بارش کی کارکردگی اور پینے کے پانی کے ذخائر سے ان کا تعلق۔

(۶) موت اور حیات کا منظر اور اس کی غرض و غایت۔

(۷) اللہ کی زبردست قدرت اور غلبہ کے ساتھ اس کی بخشش اور مہربانی کے مظاہر اور

(۸) کائنات کے اس عظیم الشان ڈیزائن کا تنقیدی اور تحقیقی نقطہ نظر سے بغور اور بار بار مشاہدہ کرنے کی دعوت۔

آپ نے دیکھا کہ ان موضوعات میں سے اکثر پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔ ان چیزوں کا بنظر غائر مشاہدہ۔ ان کی اصل واحد کے بارے میں تفکر اور تدبر۔ یہ صرف ان آخری آیات کا ہی نہیں بلکہ اس یونٹ میں شامل تمام آیات کا مرکزی مضمون ہے البتہ ان (آخری) آیات میں ایک بات ایسی بیان کی گئی ہے جو براہ راست مشاہدہ سے خود بخود ذہن میں نہیں آسکتی اور وہ ہے زندگی اور موت کے اس منظر phanomenon کی غرض و غایت کیا ہے؟ کوئی نہیں؟ محض کھیل ہے؟ اگر نہیں تو پھر آخر وہ مقصد ہے کیا؟ سورۃ الملک کی دوسری آیت میں یہی بات سمجھا دی گئی ہے۔

۲) یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے اور اس کے عجائبات کے گہرے مشاہدہ اور غور و فکر سے۔ جسے ہم آج کل کی زبان میں سائنسی علوم کہتے ہیں۔ ان کے ذریعے انسان کے اندر زیادہ سے زیادہ ''خالق کائنات'' کے وجود کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر اس کائنات کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ اور اس کے خالق کے ساتھ ربط اور تعلق کیسے قائم ہوا ہے؟ یہ سائنس کا میدان نہیں ہے۔ یہاں انبیاء کی رہنمائی کے بغیر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ اس کائنات کے پروردگار (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ تعلق اور اس کا قرب ''روحانیت'' ہے اور محض سائنسی مشاہدہ نری ''مادیت'' ہے۔ قرآن کریم نے جس طرح انبیاء کرام کی روحانی تعلیمات کے ساتھ ساتھ مشاہدہ کائنات پر تفکّر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تفکر کے بغیر روحانیت ''بے جڑ'' (Rootless) ہے اور روحانیت کے بغیر تفکر بے ثمر (Fruitless) ہے۔

۱۰......خود آزمائی

۱) مشاہدہ کائنات کس طرح آدمی کو اسلام کی دہلیز لا کھڑا کرتا ہے۔

۲) قرآن کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے پھر بھی وہ مشاہدہ کائنات کی دعوت کیوں دیتا ہے۔

۳) کائنات میں ''تفکر کرنا'' اور ''معجزہ دیکھنا'' کس لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔

۴) مندرجہ ذیل عبارات اور الفاظ کا ترجمہ لکھیئے لفظی بھی اور بامحاورہ بھی۔ (لکھنے کے بعد جواب کی اس یونٹ کی مدد سے پڑتال کیجیے)

تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ، اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ۔ یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا۔ لِّاُولِی الۡاَلۡبَاب۔ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار۔ رَبّ (۴:۱)

۵) 24 گھنٹے کے ایک دن (ایک تاریخ) کی ابتداء اور انبیاء کے بارے میں آپ نے کون سے طریقے پڑھے ہیں ان میں سے مسلمانوں کا طریقہ کون سا ہے۔

۶) انسان نے سب سے پہلے ایک سال کا تصور کہاں سے لیا اور کیسے؟

۷) وقت کی قدرتی تقسیم سے کیا مراد ہے؟ غیر قدرتی یعنی انسان کی مقرر کردہ وقت کی تقسیم کی کچھ مثالیں دیجئے۔

۸) ترجمہ کیجئے: قَدَّرَهٗ مَنَازِل ،لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ، یَتَّقُوۡن ،مَا خَلَقَ اللّٰه۔

۹) تسبیح اور حمد کا مطلب سمجھایئے۔

۱۰) ''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے'' کا مطلب کیا ہے؟ یہ سبق ہمیں بادلوں سے کیسے ملتا ہے؟

۱۱) ترجمہ کیجئے: یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًا، یُخۡرِجُ نَبَاتَهٗ، نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی، یُرِیۡكُمُ الۡبَرۡقَ، یُنۡشِئُ السَّحَاب۔ یُرۡسِلُ الصَّوَاعِق۔ بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِه، اَقَلَّت، سُقۡنٰه، شَدِیۡدُ الۡمِحَال۔

۱۲) ہمارے پینے کے پانی کے آسمان سے آنے کا کیا مطلب ہے؟

۱۳) ستاروں اور دریاؤں کا انسان کے سفری راستوں سے کیا تعلق ہے؟

۱۴) ...گیری کی اقتصادی اہمیت پر قرآن کریم کی کون سی آیت میں اور کس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۵) اس یونٹ میں توحید سے منحرف لوگوں کو "اللہ" اور من دون اللہ کا فرق کیسے سمجھایا گیا ہے۔

۱۶) ترجمہ لکھئے: ذَرَاَلَکُم، یُنۡبِتُ لَکُم، فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡن، تَلۡبَسُوۡنَهَا، مَوَاخِر، رَوَاسِی، لَا یَخۡلُقُوۡنَ، هُمۡ یُخۡلَقُوۡن، ذُلُلًا، الۡاَنۡعَام، اَیَّان

۱۷) قرآن کریم کا بیان توحید کس طرح اللہ کے سوا باقی تمام "معبودوں" کا ہر طرح کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

۱۸) اس یونٹ میں مندرجہ ذیل کے اندر پائے جانے والے کون کون سی نشانات قدرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورج چاند ستارے۔ زمین پھل دار درخت۔ پانی

۱۹) ترجمہ لکھئے: تَرَوۡنَهَا، لِاَجَلٍ مُّسَمًّی، یُدَبِّرُ الۡاَمۡر، یُفَصِّلُ الۡاٰیٰت، یُغۡشِی۔ نُفَضِّلُ، قِطَعٌ، مُتَجٰوِرٰت، صِنۡوَان، الۡاُکُل، اَسۡتَوٰی، یُسۡقٰی۔

۲۰) دودھ اور شہد پر چند سطروں کا ایک ایک نوٹ لکھئے اور بتایئے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نشان بھی ہیں اور انسان کے لیے دو عظیم نعمتیں بھی۔

۱۱......جوابات خود آزمائی

۱) دیکھئے تعارف کا آخری پیراگراف۔

۲) دیکھئے تعارف۔ ۳) دیکھئے (۴) ۲۔۲

۴) سمندر میں چلتی ہیں۔ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے لیے۔ تو پاک ہے۔ پس بچا ہمیں۔ پھیلایا۔

۵) (۱) ایک صبح سے دوسری صبح تک (۲) دوپہر سے دوپہر تک
(۳) رات 12 بجے سے اگلی رات 12 بجے تک۔
(۴) غروب آفتاب سے غروب تک۔ یہی مسلمانوں کا طریقہ ہے۔

۶) ایک موسم کے بارے نئے چاند دیکھنے کے بعد دوبارہ آجانے سے۔

۷) دن، مہینہ اور سال وقت کی قدرتی تقسیم ہے۔

۸) اس نے اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی جان لو۔ وہ بچتے ہیں۔ اللہ نے نہیں پیدا کیا۔

۹) تسبیح: ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے اللہ کی پاکی بیان کرنا۔
حمد: یہ بات کہ ہر قسم کی خوبیاں اور قوتیں اللہ میں ہیں۔
۱۰) دیکھیے ۲-۴
۱۱) ہوائیں بھیجتا ہے خوش خبری کے ساتھ۔ وہ اپنی بنات نکالتا ہے۔ ہم مردوں کو نکالیں گے۔ تمہیں برق دکھاتا ہے۔ بادل پیدا کرتا ہے۔ کڑک بھیجتا ہے۔ اپنی رحمت سے پہل اٹھاتی ہے۔ ہم نے اسے سیراب کیا۔ سخت پکڑ اڈالا۔
۱۲) یعنی بارش سے۔ ۱۳) ان سے سمتیں معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔
۱۴) دیکھیے ۵ اور اس کی تشریحات۔ ۱۵) دیکھیے ۵-۴
۱۶) تمہارے لیے پیدا کیا تمہارے لیے اگایا۔ تم چراتے ہو۔ تم اسے پہنتے ہو۔ کشتیاں۔ بوجھل۔ نہیں پیدا کر سکتے۔ وہ خود مخلوق ہیں۔ آسان کیے ہوئے، جانور۔ کب
۱۷) دیکھیے: ۵ ۱۸) متعلقہ آیات سے رجوع کیا۔
۱۹) تم سے دیکھے ہو۔ مقررہ مدت تک۔ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ ڈھانپتا ہے۔ ہم برتری دیتے ہیں۔ پاس پاس کئی ٹکڑے۔ کئی شاخ والی پھل (کھانا) متوجہ ہوا۔ سیراب کیا ہوا ہے۔
۲۰) دیکھیے نمبر ۷ اور اس کی تشریح۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد آپ اس قابل ہوں گے کہ:

۱) ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے موضوع سے متعلق قرآنی آیات کا ترجمہ کرسکیں۔

۲) اس دینی فریضے کی اہمیت بتا سکیں۔

۳) ''معروف'' اور ''منکر'' اعمال کی چند اہم اور بنیادی صورتوں کی وضاحت کرسکیں۔

۴) اہل ایمان کی صفات بیان کرسکیں۔

۵) اہل نفاق کی علامات کو واضح سکیں۔

۶) اسلامی حکومت کی پالیسیوں میں اس اہم دینی فریضے کی ضرورت بیان کرسکیں۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	تعارف	213
-2	قرآنی آیات	217
	مشکل الفاظ کے معانی	218
	تفسیری اشارات	218
-3	قرآنی آیات	223
	تفسیری اشارات	225
-4	قرآنی آیات	227
	مشکل الفاظ کے معانی	229
	تفسیری اشارات	229
-5	قرآنی آیات	233

	مشکل الفاظ کے معانی	235
	تفسیری اشارات	235
-6	قرآنی آیات	238
	مشکل الفاظ کے معانی	240
	تفسیری اشارات	241
-7	قرآنی آیات	244
	مشکل الفاظ کے معانی	247
	تفسیری اشارات	248
-8	قرآنی آیات	252
	مشکل الفاظ کے معانی	254
	تفسیری اشارات	256
-9	یونٹ کا خلاصہ	258
-10	خود آزمائی	261
-11	جوابات	264

ا...... تعارف

ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم آپ کو اس عنوان کے معنی بتا دیں اگر چہ یہ لفظ مسلمانوں کی تحریر و تقریر میں اکثر استعمال ہوتا ہے تاہم بہت سے لوگوں کو اس کا پورا مطلب معلوم نہیں ہوتا اور اس کے تلفظ میں تو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ غلطی کر جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خالص عربی ترکیب، ایک دینی اصطلاح ہونے کی وجہ سے ہمارے ہاں رائج تو ہوگئی۔ مگر عربی زبان نہ جاننے والے اس کے درست تلفظ سے معذور رہتے ہیں اس عنوان کا درست تلفظ اور اس کے معنی یوں ہیں۔

ا) **اَمرٌ** (اسے امرنہیں یہ ایسی بے علمی ہوگی جیسے **وقت** کو **وقت** اور **علم** کو **علم** کہنا) کے معنی ہیں ''حکم دینا'' اور **نَھْیٌ** (خیال رہے اسے ''**نَھِیٌ**'' نہیں پڑھنا اور نہ ہی ''**نَھیٰ**'' پڑھنا ہے کے معنی ہیں ''روک دینا منع کرنا'' ہم نے جو ''ی'' اور ''ی'' کے اوپر تنوین کے دو پیش لگانے ہیں اردو میں یہ نہیں بولے جاتے بلکہ ''ی'' اور ''ی'' ساکن پڑھی جاتی ہیں جیسے **صبر** اور **سعی** ہیں۔ **المعروف** کا مطلب ہے جانا پہچانا ہوا اسی سے اردو میں ایک ترکیب مشہور و معروف کی استعمال ہوتی ہے اسلامی اصطلاح کے طور پر **معروف** کے معنی ہیں ایسی نیکی اور بھلائی جس کا نیکی اور بھلائی ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہ ہو بلکہ سب اسے اچھا کام سمجھتے ہوں۔

اسی طرح ''**المنکر**'' کے معنی ہیں ''نا آشنا'' اجنبی جس کی شناخت نہ ہو سکتی ہو اسلامی دینی اصطلاح کے طور پر ہر قسم کی بدی یا برائی کو **منکر** کہتے ہیں یعنی جسے سب سے برا اور ناپسندیدہ سمجھیں۔ خیال رہے کہ جانا پہچانا اور نا آشنا کی یہ صفت نیکی یا بدی پر، اسلامی معاشرے اور اسلامی

ذہن کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً نماز، روزہ مسلمانوں کے ہاں جانی پہچانی نیکی ہے۔ اسی طرح شراب پینا یا مثلاً عورت کے سر کے بال کٹانا، مسلمانوں کے ہاں سخت گناہ اور برائی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں ایسا نہیں کیا جاتا۔ اس لیے ان کے ہاں وہ ایک ''فعل منکر'' یعنی ناپسندیدہ کام ہے (یوں سمجھئے کہ اسے اسلامی شریعت نے کوئی ''شناختی کارڈ'' نہیں دے رکھا)۔

لفظی معنوں کی وضاحت میں یہ بھی جان لیجئے کہ **بالمعروف** کی ''ب'' کے ساتھ اور **عن المنکر** میں ''عن'' سے کا استعمال فعل کی وجہ سے ہے مثلاً آپ اردو میں کہتے ہیں۔

بات کرنے ''کو'' کہنا اور کرنے ''سے'' روکنا۔ جو کام یہاں ''کو'' اور ''سے'' کا ہے وہی اس ترکیب میں ''ب'' اور ''عن'' کا ہے اس طرح ''**امر بالمعروف** اور **نھی عن المنکر**'' کا اصطلاحی معنی ہے ''ہر قسم کی بھلائی اور نیکی کا حکم دینا یا اس کی تلقین کرنا اور ہر قسم کی برائی اور بدی سے منع کرنا یا روک دینا''۔

اپنے اصطلاحی معنوں میں یہ مسلمانوں کے دینی فرائض مثلاً، نماز، روزہ، زکوۃ اور جہاد وغیرہ کی طرح ایک دینی فریضہ ہے اور اس یونٹ میں اس موضوع پر اسی حیثیت سے بات کی جائے گی مگر اس ''فریضے'' کی دینی اور شرعی اہمیت سے پہلے ہم انسانی معاشرے (اسلامی ہو یا غیر اسلامی) کے لیے اس کام کی ضرورت اور اہمیت پر کچھ بات کرلیں تو بہتر ہوگا۔

۲) انسان کو ''معاشرتی جانور'' کہا گیا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ معاشرہ بنا کر رہتا ہے جانور اور پرندے الگ الگ زندگی گزار سکتے ہیں لیکن انسان کے لیے یہ ممکن نہیں۔ وہ اپنی بنیادی ضرورت روٹی کپڑا اور مکان تک کے لیے دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے۔ پنجابی میں ایک کہاوت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ''جس آدمی نے سب سے پہلے روٹی کھائی تھی اسے ایک سو ایک کام کرنے پڑے تھے۔ یہ کہاوت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت اور علوم وفنون تو درکنار (جو بہت بڑے

پیمانے پر انسانی تعاون سے فروغ پاتے ہیں)انسان کو''جان بچانے'' اور زندہ رہنے کے لیے بھی انسانوں کا معاشرہ درکار ہے۔

اب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں بھی چند انسان اکٹھے رہیں گے تو ہر ایک کی کچھ ضروریات اور کچھ خواہشات ہوں گی اور ان کا آپس میں تصادم ہوگا۔ سب کو اپنی ضروریات اورخواہشات پوری کرنے کی مکمل آزادی دینا تو ممکن ہی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب لڑلڑ کر مر جائیں گے اور معاشرہ تباہ ہو جائے گا یا پھر بعض طاقت ور یا عیار لوگ اپنے آپ کو دوسروں پر مسلط کرلیں گے اور اپنی ضروریات اورخواہشات پر دوسروں کی ضروریات اور خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیں گے لہٰذا ضروری ہے کہ سب کی ضروریات اور خواہشات کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ یہی دین اسلام کا مقصد ہے جو معاشرے کی سلامتی کے لیے نہایت ضروری ہے اس کے لیے ضروری ہوگا کہ معاشرے کے تمام افراد پر بعض کام کرنے لازمی قرار دیئے جائیں اور بعض کاموں میں سب کو روک دیا جائے۔ یہیں سے قانون یا نیکی بدی کی حدیں متعین کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر کرنے والے سب کے لیے ضروری نہ ہوں یا بعض افراد ایسے کام کرنے سے جی چرائیں یا اس کے برعکس روک دیئے جانے والے کاموں سے سب کو نہ روکا جائے یا بعض لوگ کام کر گزرنے پر تل جائیں اور ان دونوں قسم کے وہ ''نافرمانوں'' کو بروقت ٹوک نہ دیا جائے تو پھر معاشرے میں نیکی کا رواج اور بدی کا عروج شروع ہو جائے گا اور ایک نہ ایک دن پورے معاشرے کو لے ڈوبے گا۔ قوموں اور سلطنتوں کی تاریخ کے پاس اس کے بہت سے نمونے موجود ہیں۔

۳) اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بدی ایک دفعہ شروع ہو جائے اور اسے بروقت نہ دبا دیا جائے تو یہ مہلک جراثیم کی طرح بڑی تیزی سے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے برائی کے بارے میں یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ یہ بالعموم اوپر سے نیچے چلتی ہے۔ پہلے بڑے لوگ، حکمران اور سرکاری افسر ایک برائی میں مبتلا ہوتے ہیں اور حکومت یا عہدے کی وجہ سے ان لوگوں کو روکنا بھی دشوار ہوتا ہے بس

پھر یہ ہوتا ہے کہ وہی بدی ایک فیشن یا عام رواج بن کر معاشرے کے نچلے طبقوں میں پھیل جاتی ہے اور بعض دفعہ تو اسے بدی کی علامت کی بجائے ''نشانِ عزت'' سمجھا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشرے میں نیکی اور بھلائی کو فروغ دینے اور بدی یا برائی کو روکنے بلکہ اس کی جڑ کاٹنے کا عمل مسلسل جاری رہنا چاہئے برے کام کرنے کی وجہ انسان کی غلط سوچ بھی ہو سکتی ہے۔ جسے شرعی اصطلاح میں غلط عقائد کہتے ہیں۔ اسی طرح نیکی بدی کے خود ساختہ تصورات بھی اس کا باعث بن سکتے ہیں۔ انسانی عقل ایک حیرت انگیز قوت ہے۔ دنیا میں انسان نے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن اور آج کل سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے ہیں سب عقل انسانی کے کرشمے ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہی عقل انسان خواہشات اور جذبات سے مغلوب ہو کر نیکی یا بدی میں تمیز کی قوت کھو بیٹھتی ہے اور پھر یہی بے پناہ قوت خود انسان کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

۴) اس لیے تمام رسول اور نبی انسانوں کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنا اور اس پر عمل کرنا، سکھانے کے لیے آتے رہے۔ تمام انبیاء انسانیت کے محسن ہوتے ہیں کیونکہ وہ اسے تباہی سے بچانے کی کوشش کرتے رہے اور ان کوششوں میں 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ تمام انبیاء اور ان کے سب سے پہلے پیرو اپنے اپنے دور میں اس اہم فریضے کے سب سے بڑے علمبردار ہوتے تھے۔ عقائد کی درستی بھی بنیادی طور پر اسی ''فریضہ'' کی طرف راہ ہموار کرتی ہے جب تک کوئی امت اس فریضے سے غافل نہیں ہوئی وہ راہ راست پر رہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہت زور دیا اور قرآن وحدیث کے موضوعات میں سے یہ نہایت اہم موضوع ہے۔ ہمارے آج کے بگڑے ہوئے معاشرے کے بگاڑ کی وجہ اسی فریضے سے غفلت ہے اور اس بگاڑ اور فساد کا علاج بھی اسی فریضہ پر توجہ دینے میں پوشیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کے اس اہم اصول کو جس پر کاربند ہونے والوں کو قرآن کریم نے ''بہترین امت'' کہا اور اس کے متعلق اہم قرآنی تعلیمات کو اس یونٹ کا موضوع بنایا گیا ہے۔

ا...... قرآنی آیات

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيتَآءِ ذِي

بے شک	اللہ	حکم دیتا ہے	عدل کے ساتھ	اور	نیکی کرنا	اور	ادا کرنا	والے

بلاشبہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت داروں کو

الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ

قرابت	اور	منع کرتا ہے	سے	بے حیائی	اور	برا کام	اور

دینے (ادا کرنے) کا اور وہ منع کرتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے

الْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

سرکشی	وہ وعظ کرتا ہے تم کو	شاید کہ تم	نصیحت قبول کرو

اور دھاندلی سے وہ تم کو نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم دھیان کرو۔

(سورۃ النحل: ۹۰)

یقیناً اللہ تعالیٰ عدل (وانصاف) کرنے، بھلائی (کے کام) کرنے اور (تمام) رشتہ داروں (کے حق ان) کو ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی سے اور (ناشائستہ حرکتوں اور) بری باتوں سے اور (باہم ایک دوسرے پر) ظلم و زیادتی (اور سرکشی اور دھاندلی) سے (بالکل) منع کرتا ہے۔ وہ تم کو (کیسی عمدہ) نصیحت کرتا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ بات تمہارے دل میں اتر جائے۔

2.1- مشکل الفاظ کے معانی

بِالْعَدْلِ	ب (کا ساتھ) + عدل (انصاف)
يَعِظُكُمْ	یعظ (وہ وعظ کرتا ہے) + کم (تم کو)
لَعَلَّكُمْ	لعل (شاید کہ) + کم (تم کو)

2.2- تفسیری اشارات

جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے یہ آیت، قرآن مجید کی نہایت اہم اور کلیدی (چابی، کنجی) آیات میں سے ہے اور اس میں بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ دین اور شریعت کے اہم ترین احکام، اوامر و نواہی بلکہ ایک طرح سے سارے دستور حیات کا ایک جامع اور مکمل خاکہ اس آیت مبارکہ کے اندر آ گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے وقت یہ آیت خطبہ جمعہ میں داخل کی گئی تا کہ ہر ہفتہ متواتر امت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں اور اس وقت سے آج تک یہ آیت امت کے خطبات جمعہ کا فرد بنی ہوئی چلی آ رہی ہے۔

آئندہ آپ بھی جمعہ پڑھنے جائیں تو خطبہ میں اس آیت کو غور سے سنیے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھلائی کی تین قسموں کا حکم دیا ہے اور برائی کی تین قسموں سے منع کیا ہے۔ یہ بھلائی اور برائی کو اپنے اندر شامل کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل نکات کو توجہ سے پڑھیے اور یاد رکھیے۔

(ا) آیت کے پہلے حصے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر افراد کی ساری ذاتی خوبیوں اور نیکیوں کا نیز پورے انسانی معاشرے کی فلاح اور بہبود کا انحصار ہے اور یہ ہیں۔

عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ

(الف) سب سے پہلی چیز عدل ہے۔ عدل انصاف سے زیادہ وسیع لفظ ہے۔ انصاف کے (اصل معنی ''دو برابر حصوں میں تقسیم کر دینا'' ہیں۔ مگر عدل میں توازن و اعتدال اور تناسب کا پہلو ملحوظ ہوتا ہے مساویانہ تقسیم کا نہیں۔ بلکہ مساویانہ تقسیم بعض دفعہ بالکل خلاف عدل ہوتی ہے مثلاً ایک اکیلے غریب آدمی اور ایک بڑے کنبے والے غریب میں زکوٰۃ کی رقم برابر تقسیم کر دینا۔

عدل کا مطلب ہے ''ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دینا'' اس میں ''عدالتی معاملات'' کے فیصلے بھی آ جاتے ہیں اور یہ بھی کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے وقت یا کوئی رائے دیتے وقت عدل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور دوسرے کے ساتھ ٹھیک وہی سلوک کیا جائے جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو ان کے اخلاقی، معاشرتی، سماجی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔

(ب) دوسری مطلوب چیز ''احسان'' ہے جس کے معنی ہیں ہمدردانہ رویّہ نیک برتاؤ اچھے سے اچھا سلوک کرنا برائی کے بدلے نیکی کرنا، اور ایک دوسرے کا پاس لحاظ یا باہم فیاضانہ معاملہ کرنا یہ عدل سے زائد چیز ہے۔

کسی بھی شرعی حکم کو بے دلی اور خانہ پری کے جذبے کی بجائے بطریق احسن انجام دینا اور عبادات اور اعمال کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی احسان ہے۔اسی لیے ایک حدیث شریف میں احسان کی تعریف یوں بھی آئی ہے کہ۔

''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ کم از کم اس طرح کہ گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو ''احسان'' اس کا حسن و جمال ہے۔ کیونکہ احسان سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک پہنچے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ محبت شکرگزاری اعلیٰ ظرفی ایثار اور اخلاص جیسی ذاتی اور اجتماعی خوبیوں اور قدروں کو احسان ہی جنم دیتا ہے۔

(ج) تیسری چیز جس کا آیت میں حکم دیا گیا ہے وہ ہے **ایتاء ذی القربیٰ** (لفظی ترجمے پر نظر ڈالئے) **ذی القربی** کا مطلب ہے قرابت والے، رشتہ دار اور ایتاء کے معنی ہیں ''دینا'' یا ''ادا کرنا''۔ **ایتاء ذی القربی** احسان کی ہی ایک اہم اور افضل صورت ہے جس کا تعلق رشتہ داروں سے ہے۔ اس کے لیے ایک اور لفظ ''صلہ رحمی'' بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد لیا جاتا ہے غریب رشتہ داروں کی مالی امداد اور دیکھ بھال۔ یہ معنی بھی درست ہیں کیونکہ بعض خوشحال لوگ اپنے غریب رشتہ داروں کی امداد تو درکنار ان سے اپنی رشتہ داری ظاہر کرنے میں بھی عار محسوس کرتے ہیں مگر اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ خاندان اور برادری کے پہلو سے مساوات کی بناء پر بعض دفعہ ایک غریب رشتہ دار اپنے امیر رشتہ دار کے معاشرتی اور معاشی امتیاز کو ہیچ جانتا ہے اور اس کی امداد قبول کرنے کو ہتک سمجھتا ہے۔ اس طرح قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک جتنا ضروری ہے۔ اتنا دشوار بھی ہے پھر یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ بظاہر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ایک فطری اور جبلی بات معلوم ہوتی ہے مگر یہ

حقیقت ہے کہ اجتماعی جھگڑوں اور حق تلفیوں کا آغاز بھی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہوتا ہے۔سب سے پہلے تو بھائی بہن ہی ماں باپ کے سامان اور جائیداد پر لڑتے ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں قریبی رشتہ داروں کے حق ادا کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بہت ہی تاکید آئی ہے اور ہاں خیال رہے کہ ناجائز کنبہ پروری اور خویش نوازی Nepotism کا اس ایتاء اور احسان کے ساتھ ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کی بنیاد کسی دوسرے کی حق تلفی اور ایذاء پر ہوتی ہے جو شرعاً حرام اور ممنوع ہے۔

۲) آیت کے دوسرے حصے میں تین بھلائیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تین ایسی برائیوں سے منع فرمایا ہے جو افراد کی ذاتی خوبیوں اور نیکیوں کو بھی برباد کر دینے والی اور اجتماعی حیثیت سے پورے معاشرے کو تباہ کر دینے والی ہیں اور یہ ہیں۔

فحشاء ، منکر اور بغی جن کا ترجمہ بے حیائی، برائی اور سرکشی آپ پڑھ چکے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک کی قدرے مزید وضاحت ضروری ہے۔

(الف) پہلی چیز فحشاء ہے جس کے معنی ہیں کھلی ہوئی اور صریح برائی اور اس میں تمام بیہودہ اور شرمناک افعال شامل ہیں ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں ہی نہایت بری سمجھی جاتی ہے اور جس کا ارتکاب شرم وحیاء کو ترک کیے بغیر ممکن نہیں وہ فحشاء ہے اسی لیے انتہائی بخل (اجارہ دارانہ ذہنیت رکھنا) برہنگی اور عریانی، گداگری اور دشنام طرازی اور بدکلامی سب فحشاء میں شمار ہوتی ہیں اس طرح علی الاعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی 'فحشاء'' ہے مثلاً جنسی جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلمیں ،عریاں تصاویر تبرج (عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا) مردوں اور عورتوں کا کھلم کھلا اختلاط ،عورتوں کا پبلک میں ناچنا اور ناز وادا کی نمائش کرنا وغیرہ یہ سب امور فحشاء میں داخل ہیں۔

(ب) دوسری چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ ''منکر'' اس کے لفظی اور اصطلاحی معنی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس لیے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ بس یہ بات ذہن میں رہے کہ منکر سے مراد ہر وہ کام ہے جو شعائر اسلامی سے خارج ہو اور جسے تمام مسلمان برا جانتے ہیں اور برا کہتے ہیں مثلاً شراب خانہ، تھیٹر، سینما، ناچ گھر، آرٹس کونسلیں، میوزک اسکول وغیرہ اور اس سے مراد کوئی ایسی برائی بھی ہوسکتی ہے جسے دنیا بھر کے انسان اور تمام معاشرے برائی ہی سمجھتے ہوں۔ مثلاً جھوٹ، قتل، چوری، بددیانتی، بدعہدی وغیرہ۔

(ج) تیسرا فعل بغی ہے (یعنی تلفظ میں نہی کا ہم وزن) اس کے معنی ہیں اپنی حد سے آگے بڑھنا، دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا، اس میں ہر ظلم و زیادتی اور ہر دھاندلی اور سرکشی شامل ہے جس کا ضرر دوسروں کو پہنچے۔ مثلاً غصب، اغواء، غنڈہ گردی، جھوٹا، مقدمہ بنانا وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ

۱) اللہ تین کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عدل احسان اور رشتہ داروں کے حق ادا کرنا اور ان میں قریب قریب سب بھلائیاں شامل ہیں۔

۲) اللہ تین باتوں سے منع کرتا ہے فحشاء منکر اور بغی (بے حیائی برائی اور زیادتی) اور یہی سب برائیوں کی بنیاد ہیں۔

ہر مسلم کو چاہئے کہ وہ پہلی تین چیزوں پر عمل کرکے اور دوسری تین سے بچ کر رہے اور دوسروں کو بھی ان مطلوب کاموں کے کرنے کی تلقین کرے اور ممنوع کاموں سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

٣...... قرآنی آیات

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ

اور	کئی رسول	البتہ	ہم نے حال بیان کیا ان کا	تجھ پر	سے	پہلے	اور

اور بھیجے کئی رسول جن کا قصہ ہم نے پہلے تم کو سنایا ہے اور کئی ایسے رسول

رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی

کئی رسول	ہم نے حال بیان ہی نہیں کیا ان کا	تجھ پر	اور	بات کی	اللہ (نے)	موسیٰ (سے)

(بھیجے) جن کا قصہ (حال) ہم نے تمہیں سنایا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے باتیں کیں بول کر (خاص طور پر کلام کیا)

تَكْلِیْمًا ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ

باتیں کرنا	کئی رسول	خوشخبری دینے والے	اور	ڈرانے والے	تا کہ نہ	ہووے

بہت سے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجے) تا کہ لوگوں کے پاس رسولوں کے آ جانے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ

لوگوں کے لئے	اوپر	اللہ (کے)	کوئی دلیل	بعد	رسولوں (کے)	اور	ہے

کے بعد اللہ کے یہاں (مقابلے) کی کوئی دلیل (عذر) (باقی) نہ رہے اور اللہ تعالیٰ بہر حال

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

اللہ	غلبہ والا	حکمت والا

غالب رہنے والا حکمت والا ہے۔

(سورۃ النساء:۱۶۴......۱۶۵)

اور (ہم نے بھیجے) بہت سے ایسے رسول کہ جن کا حال ہم (اس سے) پہلے تم سے (اے نبیؐ) بیان کر چکے ہیں اور کئی ایسے رسول (بھی بھیجے) جن کا ذکر ہم نے تم سے کیا ہی نہیں۔ اور موسیٰؑ سے (تو) اللہ نے باتیں (بھی) کیں۔ یہ سب پیغمبر (نیکی پر انعام کی) خوشخبری دینے والے اور (برائی پر سزا سے) ڈرانے والے تھے۔ تا کہ رسولوں (کی تعلیمات پہنچ جانے) کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے ہاں (جا کر) کوئی دلیل اور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور اللہ تو بہر حال غالب رہنے والا (اور) حکمت والا ہے۔

3.1- تفسیری اشارات

۱) ان دو آیات میں پہلی بات تو یہ بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے رسول مبعوث فرمائے (ان کی پوری تعداد کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے) ان میں بعض کا ذکر تو قرآن کریم میں ہوا ہے (ایسے کل پیغمبروں کی تعداد 28 کے قریب ہے) اور بیشتر کا ذکر قرآن میں آیا ہی نہیں۔ پھر ایک بہت بڑے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ اللہ نے ان سے براہ راست کلام کیا اور فرشتے کے ذریعے تو اس نے تمام انبیاء سے کلام کیا ہی ہے۔

۲) دوسری بات یہ بیان ہوئی کہ انبیاء انسانوں پر اللہ کی حجت قائم کرنے کے لیے بھیجے جاتے رہے رسولوں کی بعثت اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پہنچ جانے کے بعد اب کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی صرف تعلیمات ہی نہیں بلکہ ان کی عملی زندگی ان کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے لوگ نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تو اللہ کی ہدایت کا پتہ نہ چل سکا اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھلا ہم ایسے احکام پر عمل کیسے کر سکتے تھے؟ یہ تو بہت مشکل تھا۔ بھلا کبھی کسی نے ان تمام احکام پر عمل بھی کیا ہے؟ رسولوں نے حکم بھی بنا دیا عمل سے نمونہ بھی دکھا دیا۔

۳) تیسری اہم بات جس کا اس یونٹ کے موضوع سے براہ راست تعلق ہے وہ یہ ہے کہ تمام رسول بہ یک وقت مبشّر بھی تھے اور منذر بھی اور یہی دو لفظ وضاحت طلب ہیں۔

مبشر کا مطلب ہے بشارت یا خوشخبری دینے والا اور منذر کہتے ہیں ڈرانے والے کو۔ بظاہر یہ ایک دوسرے کے متضاد اور برعکس صفات ہیں۔ ایک ہی آدمی بیک وقت ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا کیسے ہوسکتا ہے؟ رسول کس کو ڈراتے اور خوشخبری دیتے تھے؟ اور کس چیز کی خوشخبری سناتے اور کس چیز سے ڈراتے تھے؟

رسول لوگوں کو ڈرا کر اور خوشخبری سنا کر ان پر اتمام حجت (ایسی دلیل پیش کرنا کہ جس کا

جواب نہ بن پڑے) کرتے اور ان کے لیے صفائی پیش کرنے کا کوئی عذر نہیں چھوڑتے تھے
''النّاس''لوگوں سے مراد اس آیت میں ہر نبی کے مخاطب لوگ ہیں۔

(الف) ہر رسول خوشخبری دیتا تھا اس بات کی کہ کوئی نیکی ضائع نہیں جائے گی۔ اس کا انعام ضرور ایک دن ملے گا اور اس کے دل خوش کن نتائج سامنے آ کر رہیں گے بگڑے ہوئے معاشرے میں نیکی کے نتائج پر سے ایمان اٹھ جاتا ہے اصلاح کی کوششیں بے کار نظر آنے لگتی ہیں۔ لوگ دین سے اتنے دور جا چکے ہوتے ہیں کہ ان کو واپس لانا بظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے اصلاح پر کمر بستہ ہونا تو در کنار ایسے معاشرے میں تو نیکی کو اصول زندگی بنانا بھی فضول دکھائی دیتا ہے۔ مایوسی کی ان گھٹاؤں میں رسول امید کی کرن دکھاتے ہیں کہ امر بالمعروف (نیکی پھیلانے) یا عمل بالمعروف (نیکی کرنے) کی مساعی (کوششیں) بے کار نہیں جائیں گی۔ اسی دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ان پر بہترین اجر ملے گا۔

(ب) اسی طرح ہر رسول ڈراتا رہا اس بات سے کہ برائی کی سزا ایک نہ ایک دن مل کر رہے گی۔ بدی چھپ کر کی جائے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے یا کھلم کھلا اس زعم میں آ کر کی جائے (کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ دونوں تصور باطل ہیں، بدی ایک دن، آخرت میں تو یقیناً ظاہر بھی ہو جائے گی اور اس کے نتائج سے بچنے کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آئے گی۔ تمام رسول انسانوں کو منکر کے ارتکاب پر دلیر ہونے سے ڈراتے رہے۔ ہر نبی کی تعلیم کا نقطہ آغاز توحید اور آخرت پر ایمان سے ہوتا ہے اور یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد ہے۔

۴...... قرآنی آیات

〈الف〉

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اچھی (سے)	نصیحت	اور	دانائی سے	تیرے رب کا	راستہ	طرف	تو بلا

تو اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دے حکمت اور نصیحت کے ذریعے

وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

بہت جاننے والا	وہ (ہی)	تیرا رب	بے شک	سب سے اچھا	وہ (ہے)	اس کے ساتھ جو	تو مباحثہ کر ان سے	اور

اور ان سے بحث مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو سب سے بہتر ہو بلا شبہ تیرا پروردگار ہی خوب جاننے والا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

ہدایت پانے والوں (کو)	بہت جاننے والا	وہ (ہے)	اور	اس کا راستہ	سے	بھٹک گیا	اس کو جو

اس کو جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہی خوب جاننے والا ہے ہدایت پانے والوں کو

(سورۃ النحل: ۱۲۵)

(اے نبیؐ !) تم (لوگوں کو) (علم و) حکمت (بھری باتوں) اور اچھی (اچھی) نصیحتوں کے ذریعے اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ (اتمام حجت کے لئے) اس کے ساتھ بہترین طریقے پر بحث مباحثہ (بھی) کرو۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے۔ اور وہی زیادہ بہتر جانتا ہے راہ راست پالینے والوں کو۔

(ب)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ○

تو پکڑ لے	معاف کرنا	اور تو حکم دے	ساتھ (اچھے کام (کے)	اور	تو منہ پھیر لے	سے	جاہلوں

تو معاف کرنا اختیار کر اور نیک کام کا حکم دیا کر اور جاہلوں سے کنارہ کش رہا کر۔

(سورۃ الاعراف:۱۹۹)

(اے نبیؐ !) تم عفوودرگزر (کا شیوہ) اختیار کرو، اور (لوگوں کو ہمیشہ) نیکی کی تلقین کرتے رہو، اور جاہل لوگوں سے (الجھنے کی بجائے) کنارہ کش رہا کرو۔

4.1- مشکل الفاظ کے معانی

جَادِلْهُمْ — جادل (تو بحث کر) + هم (ان سے)

بِالَّتِيْ — ب (کے ساتھ) + التی (وہ جو کہ)

بِمَنْ — ب (کے ساتھ سے) + من (جو کوئی) اگر پچھلے یونٹ آپ نے توجہ سے پڑھے ہیں تو اس سبق کی آیات کے باقی مرکبات کو آپ خود بخود سمجھ سکتے ہیں۔

4.2- تفسیری اشارات

ان دونوں آیات کا موضوع ایک ہی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے وقت کیا اسلوب، کیا طریق کار اور کیا پالیسی اختیار کی جائے دونوں آیات میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مگر دعوت وتبلیغ اور اصلاح وہدایت کے کام میں ملحوظ رکھنے والے یہ آداب ان لوگوں کے لیے ہمیشہ مشعل راہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بن کر دنیا کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے اٹھیں ویسے ان اصولوں کے عملی استعمال کے لیے کسی تحریک کا لیڈر بننا چنداں ضروری بھی نہیں ہے۔ اگر چہ کسی بھی اصلاحی تحریک کے لیڈروں کے لیے یہ صفات ضروری ہیں ہر شخص کو اپنے دائرہ اثر میں گھر کنبہ خاندان گاؤں محلّہ وغیرہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب ہے اور جب وہ یہ کام کرے گا چاہے کسی سطح اور کسی پیمانے پر ہو تو اسے ان آداب کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت خود بخود پیدا ہو جائے گی۔

دونوں آیات میں حسب ذیل اصول دعوت مذکور ہوئے ہیں۔

(۱) نصب العین　(۲) حکمت　(۳) موعظہ حسنہ

(۴) شائستہ بحث　(۵) نتائج سپرد خدا　(۶) عفو

(۷) تلقین معروف　(۸) جاہلوں سے کنارہ کشی

ان میں پہلے پانچ اصول ترتیب وار اور پہلی آیت سے اور آخری تین اصول دوسری آیتؑ سے معلوم ہوتے ہیں ذیل میں ان کی الگ الگ مختصر وضاحت کی جاتی ہے توجہ سے مطالعہ کیجئے۔

۱) پہلی شرط تبلیغ و اصلاح کی یہ ہے کہ اپنی نیت درست اور اپنا نصب العین صرف ''سبیل رب'' ہو یعنی لوگوں کو خالص دین اسلام کی طرف بلاؤ اپنے خود ساختہ تصورات اور اپنی من مانی تاویلات کو دین کے نام سے پیش کرنا یا شہرت اور ناموری کی خواہش رکھنا سب سے پہلی ٹھوکر ہے جس سے اس راستے میں واسطہ پڑتا ہے اور پھر باقی ساری جدوجہد کا رخ ہی غلط ہو جاتا ہے۔

۲) دوسرا اہم اصول ''حکمت'' سے کام لینا ہے حکمت سے مراد مطلق ''دانائی'' لی جائے تو پھر تو یہ سارے آٹھوں اصول ''حکمت'' اور ''دانائی'' ہی کی شرح ہیں اسی لیے بعض اہل علم نے یہاں حکمت سے مراد ''علمی دلائل'' لیے ہیں دوسرے لفظوں میں حکمت کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنی استعداد اور نفسیاتی موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکا جائے۔

۳) تیسرا اصول ''موعظہ حسنہ'' یعنی ''عمدہ نصیحت'' ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کو صرف عقلی اور علمی دلائل سے ہی مطمئن کرنا کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے اندر دبے ہوئے نیک جذبات کو ابھارا جائے بدی کے لیے انسان کے اندر جو ایک فطری نفرت پائی جاتی ہے اس کو حرکت میں لایا جائے اور نیکی کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے بلکہ پتھر دل بھی نہ مانا جائے۔ ''موعظہ حسنہ'' یا عمدہ نصیحت کا تقاضا یہ ہے کہ بات کا اسلوب اور انداز بیان ایسا ہو کہ جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو مخاطب کو ہرگز یہ احساس نہ ہونے دیا جائے کہ گویا تم اسے حقیر اور گناہ گار سمجھ کر اپنی برتری اور پاکدامنی کے احساس سے لذت اندوز ہو رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون جیسے جابر بادشاہ کی طرف بھیجتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ''دیکھنا اس کے ساتھ بات نرمی سے کرنا'' ''سبیل رب'' کے داعی اور مبلغ کی زبانی اور اسلوب بیان نفرت انگیز نہیں بلکہ محبت آمیز اور رقت خیز ہونا چاہیے۔

۴) تبلیغ و دعوت کا چوتھا اہم اصول ''شائستہ بحث'' ہے جسے آیت میں وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَن

کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس بحث مباحثہ کی نوبت یا ضرورت پیش آ سکتی ہے ایسے موقع پر بحث کو محض مناظرہ بازی حاضر جوابی کی کُشتی اور الفاظ کی بازیگری مت بناؤ کہ جس میں چوٹوں، پھبتیوں تک سے کام لے کر فریق ثانی کو ہرا دینے کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ اس کی بجائے شائستہ زبان ، دل کو لگنے والے دلائل اور شریفانہ اخلاق سے کام لو حق پسندی کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ سیدھے سادھے طریقے سے بات سمجھاؤ اگر پھر بھی مخاطب ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے تو الجھنے کی بجائے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تا کہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دور نہ نکل جائے۔

۵) پانچواں اصول جو بھولنے نہ پائے وہ یہ ہے کہ اپنا تمام معاملہ اور اس کے نتائج اللہ کے سپرد کرو۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون راہ حق سے بھٹک گیا ہے اور کون ہدایت کے رستے پر چل پڑا ہے۔ لہٰذا تم کسی کی نیت پر حملہ نہ کرو۔ ممکن ہے اس سے کام اور بگڑ جائے نیز تم اس جھگڑے میں مت پڑو کہ کس نے اور کتنوں نے تمہاری بات مانی یہ نہ مانی؟

اپنی کامیابیوں کے اعداد و شمار کے گراف نہ بناتے پھرو اور نہ ہی اپنے مخاطبوں کی ہدایت یا گمراہی ناپتے پھرو عین ممکن ہے کہ جس آدمی کے ہدایت کی طرف آنے کا تمہیں بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اسی کا دل کسی وقت (یا کسی دوسرے کی کوشش سے) حق کو قبول کرنے کے لیے کھل جائے اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہ تمام باتیں اللہ پر چھوڑ دو۔ ورنہ اپنے اصل کام سے غافل اور اپنے مقصد سے دور ہو جاؤ گے۔ یہ پانچ اصول اس سبق کی پہلی آیت میں بیان ہوئے ہیں۔

۶) چھٹا اصول جو دوسری آیت میں بیان ہوا ہے عفو اور درگزر کا ہے یعنی سخت اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا۔ چاہیے اور ہر طرح کی ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہئے۔ غصہ اور سخت گیری سے تبلیغ کا کام بگڑتا ہے بنتا نہیں ہے۔ اس راہ میں اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں اور اپنے مخالفوں کی شرارتوں۔ سب پر درگزر سے کام لینا چاہئے۔

۷) ساتواں اصول تبلیغ تلقینِ معروف ہے جس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ تم اختلافی مسائل اور فرقہ

وارانہ ذہنیت کے خول سے نکل کر خالص اور جانی پہچانی نیکی کی طرف بلاؤ جس کو بھلائی سمجھنے کے لیے عام انسانی عقل کافی ہوتی ہے اس طرح کی دعوت عوام وخواص سب کو یکساں متاثر کرے گی اور ایسی آواز خود بخود سننے والے کے دل تک کی راہ نکال لیتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ بات عام فہم انداز میں کرو۔ عوام کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرو اور عوام کی زبان اور عوام کے ذہن کے مطابق بات کرو تا کہ مخاطب اسے اچھی طرح سمجھ سکے۔ اور تمہاری بات اسے اپیل کرے۔

۸) آٹھواں اصول تبلیغ جاہلوں سے کنارہ کشی کا ہے۔ یعنی تمہارے مخاطب وہی لوگ رہنے چاہئیں جو معقولیت کے ساتھ بات سمجھنے کو تیار ہوں۔ ایسے جاہلوں سے، جو حجت بازی اور کج بحثی یا طعن و تشنیع اور درشت کلامی پر اتر آئیں ایسے لوگوں سے مت الجھئے خواہ وہ الجھنے یا الجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں اس لیے کہ ایسے لوگوں سے بحث یا جھگڑے میں الجھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ الٹا نقصان یہ ہوتا ہے کہ مبلّغ کی جو قوت اور جو وقت کسی مفید اور نتیجہ خیز کام میں صرف ہونا چاہئے وہ ایک فضول کام میں ضائع ہو جاتا ہے۔

۵......قرآنی آیات

〈الف〉

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ

اور	تو حکم دے	تیرے گھر والے	نماز کے ساتھ	اور	تو ثابت قدم رہ	اس پر	ہم نہیں سوال کرتے تجھ کو
اور تو اپنے اہل و عیال پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر صبر کر (کا پابند رہ) ہم تجھ سے کوئی							

رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ○

رزق (کا)	ہم	رزق دیتے ہیں تجھ کو	اور	انجام کار	پرہیز گاری کے لئے (ہے)
رزق طلب نہیں کرتے ہم تجھے روزی دیتے ہیں اور انجام بخیر بدی سے بچنے کے لیے ہے۔					

(سورۃ طٰہٰ:۱۳۲)

اے نبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کوئی رزق کا سوال نہیں کرتے (بلکہ) رزق تو ہم تمہیں دے دیتے ہیں (اور دیں گے) اور انجام کار (کی بھلائی) تو تقویٰ (اور پرہیز گاری) ہی کے لئے ہے۔

〈ب〉

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ

اے میرے بچے!	قائم کر	نماز	اور تو حکم دے	اچھے کام کا	اور تو منع کر	سے

نماز قائم کر اور اچھے کام کا حکم دیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر

الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ

برا کام	اور تو صبر کر	اوپر	جو کہ	آ پڑے تجھ پر	بے شک	وہ	میں سے

اور جو مصیبت (افتاد) تجھ پر آپڑے تو اس پر صبر سے کام لے یقیناً یہ (کام) سب کاموں کا

عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

پکا ارادہ	کاموں (کا)

مقصود/طے شدہ (حصہ) ہیں

(اور لقمان نے کہا) ''پیارے بیٹے! ہمیشہ نماز قائم رکھ اور نیکی کی تلقین کیا کر اور بدی سے منع کرتا رہ، اور جو مصیبت تجھ پر آپڑے اسے صبر (اور ثابت قدمی) سے جھیل۔ یقیناً یہ باتیں کاموں کے (لئے درکار) عزم (اور قوت ارادہ) کا ایک (لازمی) حصہ ہیں۔

5.1- مشکل الفاظ کے معانی ۔

اَھْلَكَ (اہل گھر والے) + ك (تیرے) اسی لیے لَا نَسْئَلُكَ ، نَرْزُقُكَ اور اَصَابَكَ کے آخری ك کا مطلب ہے تجھ کو اور ك سے پہلے جو فعل آیا ہے اس کا ترجمہ لفظی ترجمہ میں موجود ہے بالصلوٰۃ اور بالمعروف میں ب کا مطلب ہے کا یا کے ساتھ اس قسم کے الفاظ آپ کافی پڑھ چکے ہیں۔

5.2- تفسیری اشارات

مندرجہ بالا دو آیات دو مختلف سورتوں سے لی گئی ہیں پہلی آیت میں اصل مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب کہ دوسری آیت (لقمان:۱۷) میں لقمان نامی ایک نیک بزرگ کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتوں کا ذکر ہے جس میں وہ بیٹے کو بار بار پیار سے ''میرے بچے'' یا بیٹا کہہ کر بات کرتے ہیں۔

کسی خاص آدمی کو مخاطب کر کے ایسا حکم دینا جو دراصل سب کے لیے ہو یہ نصیحت کا ایک خاص موثر طریقہ ہے جو قرآن کریم نے بکثرت استعمال کیا ہے اور یہ دونوں آیات اس کی ایک مثال ہیں

زیر مطالعہ آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عام حکم کے علاوہ معروف نیکی کی دو نہایت اہم اور بنیادی سورتوں یعنی نماز اور صبر کا حکم دیا گیا ہے حسب ذیل نکات توجہ سے پڑھیئے۔

ا) پہلا حکم جو اس سبق کی دونوں آیتوں میں آیا ہے وہ ''نماز'' کا ہے لفظ صلوٰۃ اور نماز کی مزید وضاحت آپ یونٹ تین کے ضمیمہ اصطلاحات میں پڑھ چکے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھر والوں کو نماز کی تاکید اور خود اس کی پابندی کرنے کے حکم میں ہر مسلمان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ خود بھی نماز کا پابند بنے اور اپنے بیوی بچوں اور گھر کے دیگر افراد کو بھی نماز کی مسلسل تلقین کرتا رہے۔

اور وہ یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ اس سے اللہ کو تو کوئی فائدہ نہیں بلکہ فائدہ سراسر تمہارا ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہوگا جو دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ لقمان کا اپنے بیٹے کو ''نماز قائم کرنے کا حکم'' دینا اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ''نماز'' بہت قدیم عبادت ہے لقمان ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے ہو گزرے ہیں یہ مضمون قرآن کریم کی اور بہت سی آیات میں بھی بیان ہوا ہے جس کی تفصیل میں جانا آپ کے اس کورس کا حصہ نہیں ہے۔

۲) لقمان کا اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دینا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام انبیاء ہی نہیں بلکہ علم وعقل اور حکمت و دانائی والے تمام لوگ بھی اس چیز کی تعلیم دیتے رہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اب ہم اصطلاح کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اس کی مکمل وضاحت آپ اسی یونٹ کے تعارف میں پڑھ آئے ہیں ضرورت ہو تو آگے چلنے سے پہلے اس پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے اگلے اسباق اور آیات میں جہاں بھی یہ بات آئے گی۔ وہاں اس کا لفظی ترجمہ لکھنے کی بجائے ہم زیادہ تر یہی اصطلاح جو آپ کے اس یونٹ کا عنوان بھی ہے استعمال کریں گے۔

۳) دونوں آیتوں میں صبر کرنے کا حکم بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نماز پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور لقمان اپنے بیٹے کو ہر قسم کی مصیبت پر یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے یا پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرنے کا حکم دیتے ہیں غالباً اس سے آپ یہ خود بخود سمجھ سکتے ہیں کہ آیت کے ترجمے میں صبر کا ترجمہ ثابت قدمی کیوں کیا گیا ہے دراصل صبر کا لفظی معنی بھی یہی ہے یعنی مشکلات اور مصائب سے نہ گھبرانا اور اپنے حواس یا اعضاء سے کسی طرح یہ گھبراہٹ ظاہر نہ ہونے دینا اسی کو ہم مختصراً ثابت قدمی کہتے ہیں۔

۴) حضرت لقمان کی نصیحت والی آیت کے آخری حصہ میں نماز امر بالمعروف نہی عن المنکر اور صبر و ثابت قدمی کو ''عزم الامور'' میں شمار کیا گیا ہے عزم کا مطلب ہے پکا ارادہ کرنا قوت ارادی کو استعمال کرنا اور

امور امر یعنی کام یا معاملہ کی جمع ہے اس طرح عزم الامور کے دو مطلب بنتے ہیں۔

(۱) وہ کام جو قابل ارادہ ہیں اور جن کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

(۲) وہ کام جو بڑا حوصلہ اور مضبوط قوت ارادی چاہتے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے بڑا دل گردہ چاہیئے ہے اور یہ کام کم ہمت لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

...... سورہٴ طٰہٰ والی آیت کے آخر پر تقویٰ کے نیک انجام کا ذکر ہے۔ ان سب کاموں کی اصل بنیاد نیت کی درستی ہے۔ اس کے بغیر ان کو نیکی میں شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔

۵) خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو

(۱) خود نماز کا پابند ہونا چاہیئے اور بیوی بچوں اور تمام گھر والوں کو اس کی تلقین کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

(۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہیئے۔

(۳) صبر و ثابت قدمی سے اس راہ پر قائم رہنا چاہیئے نماز کی پابندی بذات خود ثابت قدمی کی دلیل بھی ہے اور اس کی تربیت بھی۔ اور

(۴) یہ تینوں کام آدمی کے ''عزم'' اور ''تقویٰ'' کا امتحان ہیں۔

٦ ...... قرآنی آیات

〈الف〉

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ

اور	ہونی چاہیے	تم میں سے	ایک جماعت	وہ بلاتے ہیں	طرف	بھلائی (کے)	اور	وہ حکم دیتے ہیں

اور تم میں سے ایک گروہ ضرور (ایسا) ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف بلاتے ہوں اور نیکی کا حکم

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

نیکی کے ساتھ	اور	وہ روکتے ہیں	سے	بدی	اور	وہ لوگ	وہ (ہی)

دیتے ہوں اور بدی سے روکتے ہوں اور ایسے (لوگ) ہی

الْمُفْلِحُوْنَ ۝

فلاح پانے والے
فلاح پانے والے ہوں گے۔

اور ضروری ہے کہ تم میں (ہمیشہ) ایک گروہ (ایسے لوگوں کا) موجود رہے جو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور نیکی کا حکم دیتے رہیں اور بدی سے روکتے رہیں۔ یہ (کام کرنے والے) لوگ ہی فلاح پائیں گے۔

(ب)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

تم ہو	بہترین	جماعت جو	نکالی گئی	لوگوں کے لئے	تم حکم دیتے ہو	نیکی کے ساتھ
جو امت بھی لوگوں کے لیے باہر لائی گئی تم ان سب سے بہترین (امت) ہوتم نیکی کا حکم دیتے						

وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ

اور	منع کرتے ہو	سے	بدی	اور	تم ایمان رکھتے ہو	اللہ پر	اوراگر	ایمان لائے
ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو								

اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ

والے	کتاب	تو ہوتا	بہتر	ان کے لئے	ان میں سے (ہیں)	ایمان والے	اور
اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے ہیں تو ان کے لیے بہتر ہونا ان میں سے کچھ ایمان دار ہیں							

اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

اکثر ان (کے)	نافرمانی کرنے والے
اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔	

(سورۃ آل عمران:۱۰۴،۱۱۰)

آج تک جو امت بھی لوگوں (کی ہدایت اور اصلاح) کے لئے میدان (عمل) میں لائی گئی ہے تم (ان سب میں سے) بہترین (گروہ) ہو (اس لئے کہ) تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر (صحیح معنوں میں) ایمان رکھتے ہو، اگر (یہ) اہل کتاب (بھی) ایمان لاتے تو اس میں خود ان کا بھلا ہوتا۔

(اگرچہ) ان میں سے کچھ (لوگ) ایماندار بھی ہیں مگر ان میں اکثریت فاسقوں کی ہے۔

6.1- مشکل الفاظ کے معانی

وَلْتَكُنْ و (اور) + ل (چاہئے کہ) + تکن (وہ ہووے)

اَهْلُ الْكِتَابِ اهل (والے، گھر والے متعلقین) + الکتاب گزشتہ اسباق میں دی گئی شرح مرکبات کو اگر آپ نے غور سے پڑھا ہے تو اب آپ منکم، بالمعروف، للناس، باللہ، لھم اور منھم کے الگ الگ معنی سمجھ سکتے ہیں۔

نوٹ: اھل الکتاب، اہل کتاب اب ایک اسلامی اصطلاح ہے اور اس سے مراد مسیحی اور یہودی دونوں ہیں لفظی ترجمہ کتاب والے آپ نے پڑھا ہے اور اس کا مطلب ہے جن کو پہلے کتاب دی گئی ہے۔

6.2- تفسیری اشارات

دونوں آیات کا مطلب بڑا واضح ہے ترجمہ پر ایک نظر پھر ڈالیئے اور اس کے بعد مندرجہ ذیل امور کو خاص طور پر ذہن نشین کیجئے۔

۱) انفرادی تقویٰ کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ مستقل طور پر دعوت الی الخیر (بھلائی کی طرف بلانا) اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا رہے تا کہ افراد ملت کی نگاہوں سے اپنا اصل نصب العین اوجھل نہ ہونے پائے۔ اور برائیاں فروغ پا کر قوم کے مجموعی مزاج پر اثر انداز نہ ہوں۔ یوں تو ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اچھے کاموں کے لیے کہتا رہے اور جہاں ضرورت ہو برائی سے منع کرے۔ مگر یہ ایسا کام ہے کہ اس کے لیے موزوں اور مناسب تربیت یافتہ افراد کا ایک ''ادارہ'' بلکہ ہر جگہ ایک منظم جماعت کا موجود رہنا فرض کفایہ ہے (فرض کفایہ اس کام کو کہتے ہیں جو ہے تو فرض اور واجب، لیکن اکثر لوگ وہ کام کرلیں تو سب کی طرف سے ہو جائے گا اور اگر کوئی ایک بھی اسے نہ کرے تو سب لوگ مجرم ہوں گے)۔

۲) دنیا کی امامت اور رہنمائی کا حق اسی جماعت کو پہنچتا ہے جس کے افراد میں انفرادی طور پر فکر و نظر اور اخلاق و عمل کی تطہیر (یعنی ایمان اور عمل صالح) کے علاوہ اجتماعی طور پر نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ اور عمل موجود ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ان ہی اوصاف کی بناء پر قرآن کریم نے ''خیر امت'' کے لقب سے نوازا ہے۔ اپنی اصلاح اور دوسروں کی اصلاح کہنے کو جتنا آسان اور خوش آئند ہے کرنے کو اتنا ہی دشوار ہے کتنے ہی لوگ ہیں جو اس میں توازن نہیں رکھ سکتے۔ اس توازن کے بگڑنے کی خطرناک صورت وہ ہے جب اپنی اصلاح سے زیادہ آدمی دوسروں کی اصلاح

کے درپے ہو جاتا ہے۔ اور اس کی بدترین صورت وہ ہے جب آدمی خود بھی بگڑ جائے اور دوسروں کو بھی بگاڑنے لگے مگر کوشش یہ کرے کہ صالح اور مصلح سمجھا جائے"۔

۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آڑ میں اختلاف اور تفرقے کو فروغ دینے کا کاروبار بھی چل سکتا ہے اور یہ نہایت خطرناک رجحان ہے تفرقہ بازی اور فرقہ پرستی پہلی امتوں کی تباہی کا باعث بنتی رہی ہے اختلاف رائے اگر خلوص نیت اور ارادہ صلاح پر مبنی ہو تو یہ نہ صرف ناگزیر ہے بلکہ بے حد مفید ہے۔ لیکن اگر اس میں نفسانیت اور شرارت ہے تو وہ (اختلاف) وحدت دینی کو پارہ پارہ کر دے گا۔ اب اس نازک فرق کو سمجھنا نہایت ضروری ہے اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ پر ایمان ہو اور آخرت کی فلاح کا دھیان ہو۔

۴) بہترین امت ہو کر اقوام عالم کی رہنمائی کرنا بہت بڑا منصب ہے مگر اس منصب پر "فائز ہونے" اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر اس پر "فائز رہنے" کے لیے بعض صفات کی ضرورت ہے (جو ان آیات میں بیان ہوئی ہیں) یہ منصب نسلاً نہیں چلتا۔ اس پر اجارہ داری کسی کے بس کی چیز ہی نہیں۔ اللہ نے اہل کتاب (بنی اسرائیل) کو یہ منصب دیا مگر وہ اسے بناہ نہ سکے تو اللہ نے یہ منصب ان سے چھین لیا۔ اور بعینہٖ یہ معاملہ کسی وقت مسلمانوں کو پیش آ سکتا ہے (بلکہ پیش آ چکا ہے اور آئندہ بھی پیش آئے گا۔ یہ مضمون بھی قرآن کریم میں آیا ہے مگر آپ کے کورس سے اس کا تعلق نہیں ہے) قوم میں فاسقوں اور اللہ کے نافرمانوں کی کثرت وہ آخری علامت ہے "بہترین امت" بگڑ کر "بدترین" امت ہو چکی ہوتی ہے۔

۵)   خلاصہ یہ ہے کہ

(۱)   جس طرح سوسائٹی کے لیے زراعت، صنعت، تجارت، حکومت وغیرہ کے لیے ایک تربیت یافتہ مستقل گروہ درکار ہے اسی طرح تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے دینی طور پر تربیت یافتہ اور ظاہری باطنی خوبیوں سے آراستہ افراد کے ایک مستقل گروہ کی ضرورت ہے۔

(۲)   ایسے گروہ کی بنیادی صفت اللہ پر ایمان اور آخرت کی فلاح کا عقید ہے۔

(۳)   ایسی صفات سے متصف لوگ اور ایسے پروگرام (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) پر عمل پیرا لوگ روئے زمین کے بہترین لوگ ہیں۔ اس سے ان صفات اور اس پروگرام کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

(۴)   یہ کام چھوڑ دو گے تو اہل کتاب کی طرح تمہارے اندر بھی فسق و فجور عام ہو جائے گا۔

۷ ...... قرآنی آیات

﴿الف﴾

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

منافق مرد	اور	منافق عورتیں	ان کے بعض	میں سے	بعض	وہ حکم دیتے ہیں

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے (کے ہم جنس) (ہوتے) ہیں

بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ

بدی کا	اور	وہ روکتے ہیں	سے	نیکی	اور	وہ بند رکھتے ہیں	ان کے ہاتھ

وہ بدی (برائی) کا حکم دیتے اور نیکی (بھلائی) سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھیوں کو بند رکھتے ہیں

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

وہ بھول گئے	اللہ (کو)	سو اس نے بھلا دیا ان کو	بے شک	منافق لوگ	وہ (ہی)	نافرمانی کرنے والے

وہ اللہ کو بھول گئے (چھوڑ بیٹھے) سو اس نے انہیں بھلا دیا (چھوڑ دیا) یقیناً منافق ہی پکے فاسق ہوتے ہیں۔

(سورۃ التوبہ: ۶۷)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہوتے ہیں، وہ سب بدی کا حکم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں۔ (یعنی بدی کا حکم دینا اور نیکی سے روک دینا ان سب کا شیوہ ہوتا ہے) اور کار خیر کے موقع پر (ہمیشہ) اپنے ہاتھ بند کر لیا کرتے ہیں۔

وہ اللہ کو بھلا بیٹھے سو اس نے بھی ان کو بھلا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ منافق ہی (اصلی اور بڑے) فاسق ہوتے ہیں۔

〈ب〉

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

اور	ایمان والے مرد	اور	ایمان والی عورتیں	ان کے بعض	رفیق (ہیں)	بعض (کے)

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار (رفیق) ہوتے ہیں

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ

وہ حکم دیتے ہیں	نیکی کا	اور	وہ منع کرتے ہیں	سے	بدی	اور	وہ قائم رکھتے ہیں

وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ

نماز	اور	وہ ادا کرتے ہیں	زکوٰۃ	اور	وہ حکم مانتے ہیں	اللہ	اور

اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے

رَسُوْلَهٗ ط أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط إِنَّ اللّٰهَ

اس کے رسول (کا)	وہ لوگ	عنقریب رحمت کرے گا ان پر	اللہ	بے شک	اللہ (تعالیٰ)
رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ لوگ (ہی ہیں) جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحمت کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ					

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

غلبے والا	حکمت والا (ہے)
بڑا غلبے والا (اور) بڑا حکمت والا ہے۔	

(سورۃ التوبہ:۷۱)

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں سب آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق اور مددگار ہوتے ہیں۔ وہ سب نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکا کرتے ہیں۔ (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا شیوہ ہوتا ہے) وہ نمازوں کی پابندی کرتے اور (باقاعدگی) سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری (کیا) کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور اللہ (اپنی) رحمت (نازل) کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑا زبردست اور بڑا دانا ہے۔

7.1- مشکل الفاظ کے معانی

اَیْدِیْھِمْ	ایدی (ہاتھ و ید کی جمع) + ھم (ان کا)
فَنَسِیَھُمْ	ف (پس) + نسی (وہ بھول گیا) + ھم (ان کو)
سَیَرْحَمُھُمْ	س (بہت جلد عنقریب) + یرحم (وہ رحم کرے گا) + ھم (ان پر)

اگر آپ نے پچھلے اسباق کو غور سے پڑھا ہے تو اس کی آیات میں سے آپ بعضھم بالمنکر اور سولہ کی ترکیب کو سمجھ کر الگ الگ معنی بتا سکتے ہیں۔

۱) منافق کا لفظ ان آیات میں بطور اصطلاح استعمال ہوا ہے اس لئے اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔نفاق کا مطلب ہے کہ کسی آدمی کا (عقیدے اور عمل کے لحاظ سے) اندر سے کچھ مگر باہر سے کچھ اور ہونا۔اور جو آدمی اس قسم کا ہوا سے "منافق" کہتے ہیں ظاہراً مسلمان کہلانا مگر دل سے کافر ہونا نفاق کی بدترین صورت ہے۔تاہم جھوٹ، خائن اور عہد شکن آدمی کو بھی حدیث شریف میں منافق کہا گیا ہے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گریز (عمداً) کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے ان سب معنوں کے لحاظ سے لفظ "منافق" ایک عام فہم لفظ ہے اس لیے اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۲) ان آیات میں اس جلالت (اللہ) کے علاوہ حسب ذیل الفاظ بھی اصطلاحات ہیں ان کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے یونٹ 2، ضمیمہ اصطلاحات

منکر، معروف، فاسق، مومن (ایمان) زکوٰۃ، صلوٰۃ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم

7.2- تفسیری اشارات

ابھی آپ نے نفاق اور منافق کے معنوں کی وضاحت پڑھی ہے۔ مومن اور ایمان کے بارے میں آپ یونٹ 2 میں پڑھ چکے ہیں اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ مومن اور منافق واضح طور پر الگ گروہ ہیں۔ اگرچہ ایمان کا ظاہری اقرار اور اسلام کی پیروی کا بیرونی اظہار دونوں گروہوں میں مشترک ہے۔ یعنی کہلانے کو منافق بھی مسلمان کہلاتے ہیں بلکہ شاید وہ اپنے آپکو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن مجید نے منافقوں کے لیے آخرت کی سزا کافروں سے بھی زیادہ بتائی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو ایسے منافق بھی تھے جو اوپر اوپر سے اسلام کا اقرار کرتے تھے مگر ان در سے دل بالکل پکے کافر تھے۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کا ذکر محض منافق ''یا اندر سے کچھ باہر سے کچھ'' کہہ کر نہیں کیا بلکہ ان کے کردار ان کی عادات ان کے مزاج اور ان کے طرز فکر و عمل کی ایسی تصویر پیش کی ہے۔ جس سے ان کو پہچاننا آسان ہو جاتا ہے حدیث شریف میں بھی ان کی عادات اور اعمال سے متعلق کچھ نشانیاں بیان ہوئی ہیں جس آدمی میں بھی قرآن اور حدیث کی بتائی ہوئی یہ علامات پائی جائیں وہ پکا منافق ہے چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلائے یا سمجھے۔ ایسا آدمی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تو بھی ظاہراً ہی اسلام قبول کرتا۔ دل سے کافر ہی رہتا ان عادات و علامات کا جان لینا نہایت ضروری ہے تاکہ ہم اپنے ایمان یا نفاق کا خود ہی فیصلہ کر لیں اور کسی دوسرے مدعی ایمان کا بھی۔

ا) زیر مطالعہ آیات میں ایک دلچسپ موازنہ بلکہ مقابلہ کے انداز میں مومنوں اور منافقوں کی تصویر سی پیش کی گئی ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس طرح یہ دونوں گروہ۔ اسلام کا مشترک لیبل رکھتے ہوئے بھی۔ ایک دوسرے کی مکمل ضد اور ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ ذیل میں دونوں آیات کے مضمون کو مقابلے کے لیے آمنے سامنے کے دو کالموں میں لکھا جاتا ہے۔

اصل آیات کا ترجمہ ایک بار پھر دیکھئے اور اب ذیل کے کالم پڑھئے اور نکات کا مقابلہ ذہن نشین کیجئے۔

اہل نفاق (منافق)	اہل ایمان (مومن)
۱) مرد بھی ہوتے ہیں عورتیں بھی۔	۱) مرد بھی ہوتے ہیں عورتیں بھی۔
۲) آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہوتے ہیں۔	۲) باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔
۳) بدی کا حکم دیتے ہیں۔	۳) نیکی کا حکم دیتے ہیں۔
۴) نیکی سے روکتے ہیں۔	۴) بدی سے روکتے ہیں۔
۵) کار خیر کے موقع پر اپنے ہاتھ بند کر لیتے ہیں۔	۵) زکوٰۃ ادا کرتے اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔
۶) اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں۔	۶) نماز کے پابند ہوتے ہیں جو اللہ کی یاد کی بہترین صورت ہے
۷) ان کو اللہ نے بھلایا اور چھوڑ دیا۔	۷) ان پر اللہ اپنی رحمت کرے گا۔
۸) یہ ہی سخت نافرمان لوگ ہوتے ہیں۔	۸) یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار ہوتے ہیں۔

۲) ہمارے اس یونٹ کے عنوان کے لحاظ سے خاص طور پر یہ بات قابل غور اور قابل ذکر ہے کہ جہاں ایمان والوں کی صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے وہاں منافقوں کا کام اس کے برعکس امر بالمنکر اور نھی عن المعروف ہوتا ہے بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ بھلا کوئی آدمی کسی دوسرے سے حکماً برا کام کراتا ہے؟ یا زبردستی نیکی سے روکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ خود برائی کرے گا یا نیکی نہیں کرے گا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دوسروں کو نیکی سے باز رکھنے کے لیے یا بدی کا ارتکاب کرانے کے لیے کوئی ''ڈنڈا'' استعمال کرے۔ مگر قرآن کریم نے اسے منافق مردوں اور منافق عورتوں کی خاص پہچان قرار

دیا ہے لہٰذا یہ بات کیسے غلط ہو سکتی ہے؟ غالباً ہم نے بھی کبھی غور نہیں کیا۔ ایسے آدمی تو ہمارے ارد گرد بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ شاید ہم خود بھی ایسے ہی ہوں؟ کیا ایسے آدمی نہیں ہوتے جو کوئی ناجائز کام کرانے کے لیے اپنی طاقت اور اپنے اختیارات کا سارا زور استعمال کر گزرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی ان کے لیے بے ایمانی کرنے کو تیار نہ ہوں تو اس کا جینا اجیرن کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ہر ایمان دار، با اصولی اور باضمیر انسان کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے وہ کون سا حربہ استعمال کرنے سے جھجکتے ہیں؟ ہمارے کالجوں، یونیورسٹیوں اور امتحانی اداروں میں ہماری منڈیوں، کارخانوں اور بازاروں میں، ہمارے دفتر اہلکاروں اور اونچی سرکاروں میں ہمارے تھانوں، کچہریوں اور درباروں میں بلکہ ہماری خانقاہوں اور مزاروں تک میں ایسے لوگوں کو کمی نہیں ہے جو اپنے یا اپنے کسی عزیز کے دنیوی مفادات کے لیے حکماً اور جبراً ہر منکر کا ارتکاب کرانے اور ہر معروف کو اپنے راستے سے ہٹانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ آخر یہ سفارش اور رشوت کی طاقت سے جاری ہونے والے احکام کس چیز کو مٹاتے اور کس چیز کو بچاتے ہیں؟

دوسری طرف دیکھئے تو بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے میں نئی نسل کو دینی قدروں کا باغی بنانے میں بلکہ جرائم تک کے ارتکاب پر اکسانے اور اس کے طریقے تک سکھانے میں ہمارے اخباروں اور ہمارے ابلاغ عامہ کے اداروں خصوصاً ٹی وی کی قوت، طاقت اور فنی مہارت کس طرح صرف ہو رہی ہے؟ ان چند مثالوں کے بعد کیا قرآن کریم کے قول کی صداقت واضح نہیں ہو جاتی؟ کہ منافق کا کام اور اس کی پہچان یہی ہے کہ وہ "امر بالمنکر اور نہی عن المعروف کا علمبردار ہوتا ہے۔

۳) کردار کے اس مقابلہ سے اور منافق کے اس معائنہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ، جو اہل ایمان کا طرہ امتیاز ہے یہ کتنا اہم اور ضروری اور ساتھ ہی کتنا مشکل اور دشوار کام ہے اس کام کی ضرورت اور اہمیت پر بہت سے قرآنی احکام آپ اسی یونٹ میں پڑھ آئے ہیں ایک دفعہ 1,2 پر بھی نظر ڈالیئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لحاظ سے ایک دوسرے کے

برعکس ہونے کے علاوہ منافق اور مومن اور بھی کئی باتوں میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوتے ہیں آپ نے دیکھا کہ زکوٰۃ کے مقابلے میں بخل، نماز کے مقابلے میں یاد خدا سے غفلت، اور اطاعت خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں فسق و فجور کی کثرت بھی مومن اور منافق کے درمیان امتیاز کرنے والی چیزیں ہیں۔

۳) خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) منافقانہ خصائل رکھنے والے مرد اور عورتیں ایک ایسا جتھا ہیں جن کو خدا سے غفلت برائی سے دلچسپی نیکی سے عداوت اور خیر سے عدم تعاون کی مشترکہ خصوصیات نے ایک دوسرے سے وابستہ اور اہل ایمان سے عملاً بے تعلق کر دیا ہے۔

۲) دوسری جانب سچے مومن، مرد وزن، ایک دوسرا گروہ ہیں جن کی نماز اور ذکر خدا کے شوق نیکی سے دلچسپی، بدی سے نفرت، زکوٰۃ اور کار خیر سے وابستگی اور اطاعت خدا اور رسول کے جذبہ پر مبنی مشترک مزاج اور طرز زندگی نے آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور منافقین کے گروہ سے توڑ دیا ہے۔

۳) مومن اور منافق کے کردار میں سب سے زیادہ عجیب تضاد منکر اور معروف کے بارے میں ہے۔

۴) اگر اعمال جدا جدا ہیں تو نتائج بھی جدا جدا ہونے چاہئیں اور ہوں گے یہی قرآن کا فرمان ہے۔

۸...... قرآنی آیات

(الف)

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

توبہ کرنے والے	عبادت کرنے والے	حمد بیان کرنے والے	سفر میں رہنے والے	رکوع کرنے والے
توبہ کرنے والے ، عبادت گزار حمدو ثناء کرنے والے سفر اختیار کرنے والے				

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ

سجدہ کرنے والے	حکم دینے والے	نیکی (کا)	اور	باز رکھنے والے	سے
رکوع اور سجدے کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے باز رکھنے والے					

الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

برائی	اور	حفاظت کرنے والے	حدوں کی	اللہ	اور	تو خوشخبری سنا	مومنوں کو
اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور تم اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو۔							

(سورۃ التوبہ: ۱۱۲)

(ذرا اہل ایمان کی صفات سنو!) وہ تو (اپنی خطاؤں پر) توبہ (واستغفار) کرنے والے (اللہ کے) عبادت گزار، (اس کی) حمد وثناء کے خوگر، (اس کی اوراس کے دین کی خاطر بوقت ضرورت) سفر (کی صعوبتیں برداشت) کرنے والے، (صرف اسی کے آگے) رکوع اور سجدے کرنے والے، ہمیشہ نیکی کا حکم دینے والے اور (ہر طرح کی) بدی سے روک دینے والے، اللہ (کے احکام اوراس کی (مقرر کردہ) حدوں کا (ہر وقت) خیال رکھنے والے (ہوتے ہیں) اور (اے نبیؐ!) تم (ایسے) اہل ایمان کو خوشخبری سنادو۔

﴿ب﴾

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ

وہ لوگ جو	اگر	ہم نے غلبہ دیا ان کو	میں	زمین	انہوں نے قائم کیا	نماز (کو) اور
وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار (حکومت) دیں تو وہ نماز کی پابندی کریں (گے)						

اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

ادا کی انہوں نے	زکوٰۃ	اور	حکم دیا انہوں نے	نیکی کا	اور	انہوں نے روکا	سے	بدی
اور زکوٰۃ ادا کریں (گے) اور نیکی کا حکم دیں (گے) اور بدی سے باز رکھیں (گے)								

وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

اور	اللہ کے لئے	انجام	سب کاموں (کا)
اور سب کاموں کا انجام کار اللہ کے اختیار میں ہے۔			

(سورۃ الحج:۴۱)

(اصل اہل ایمان کی پہچان یہ ہے کہ) وہ ایسے لوگ (ہوتے) ہیں کہ اگر ہم (کبھی) ان کو کہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ (انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر) نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ ادا کئے جانے کا اہتمام کریں اور (معاشرے میں) نیک کاموں (کے فروغ) کا حکم دیں اور بدی (کی ہر صورت) کو ممنوع قرار دیں۔ اور بہر حال سب کاموں کا آخری نتیجہ (اور انجام) تو اللہ تعالیٰ کے (اپنے ہی) اختیار میں ہے۔

8.1- مشکل الفاظ کے معانی

لِحُدُوْدِ　　ل (کے، کے لیے) + حدود (حد کی جمع) باقی مرکب الفاظ میں آپ بالمعروف، مکنھم اور للہ کے الگ الگ معنی اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔

ان آیات میں حسب ذیل الفاظ اسلامی اصطلاحات کے طور پر آئے ہیں اس لیے ان کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی ان میں سے توبہ (التائبون سے) حمد، معروف، منکر، مومن (ایمان) صلوٰۃ، زکوٰۃ اور اللہ کے بارے میں لفظی معنی اور وضاحت یونٹ 2 میں پڑھ چکے ہیں چند حسب ذیل الفاظ درج ہیں عبادۃ، رکوع، سجدہ، حدود

عبادۃ (اردو میں عبادت لکھا جائے گا کے لفظی معنی ہیں بندگی کرنا۔ عربی کا لفظ ''عبد'' غلام (Slave) جو پرانے زمانے میں خرید و فروخت ہوتے تھے۔ اس سے عبادت یا پابندی کے معنی ہوئے غلاموں کی طرح نوکری کرنا اور آقا کے ہر فرمان کی تعمیل کرنا۔ ان ہی معنوں میں مسلمانوں کی پوری زندگی بندگی یا عبادت ہے۔ قدم قدم پر مالک کے حکم کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ فرق یہ ہے کہ غلام تو اپنے مالک کی چاکری اس (مالک) کے فائدے کے لیے کرتا ہے۔ اللہ کا بندہ بن کر رہنا خود ہمارے لیے برکات اور بے شمار فوائد کا باعث ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اصطلاح میں ''عبادات'' (جمع عبادت کی) سے مراد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں جن کی بعض صورتیں فرض ہیں اور بعض نفل یا سنت وغیرہ۔ عبادت گزار (عابد) کے دونوں ہی معنی ہو سکتے ہیں رسمی عبادات کا پابند یا اللہ کے احکام کا پابند۔

رکوع:

رکوع کے لفظی معنی تو جھکنا یا جھک جانا کے ہیں اصطلاح میں اس سے مراد نماز کی وہ خاص حالت ہے جب ہم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دھڑ کا اوپر کا حصہ آگے کی طرف جھکا لیتے ہیں اس لیے الرّاکعون یعنی رکوع کرنے والوں سے مراد دراصل نمازی ہی ہیں۔ اصطلاح میں قرآن کریم کے متن کے ایک خاص حصے کو جس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ اسے بھی رکوع کہتے ہیں مگر آیت میں ''نماز کے رکوع'' والے معنی مراد ہیں۔

سجدہ:

سجدہ کے لفظی معنی تو ''زمین پر اوندھے منہ لیٹ جانا'' ہیں چاہے جس طرح بھی لیٹ جائے۔ اصطلاح میں سجدہ نماز کی ایک خاص ہئیت یا شکل کو کہتے ہیں جس میں ہم اپنے گھٹنے ٹیک کر اپنا ماتھا زمین پر رکھتے ہیں۔ سجدہ عبادت کی بہترین صورت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا اسلامی شریعت میں قطعاً حرام ہے۔ السّاجدون ''سجدہ کرنے والے'' سے مراد ''اللہ کو سجدہ کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے ہیں نماز میں لمبا

رکوع اور طویل سجدہ سنت اور اچھی بات ہے۔اس لیے رکوع اور سجدہ کرنے والے ایک الگ اور مستقل صفت اہل ایمان کی بیان ہوئی ہے۔

حدود:

اس کا واحد ''حد'' ہے جو اپنے لفظی معنوں کے ساتھ اردو میں عام مستعمل ہے۔ یہ محسوس اور غیر محسوس دونوں قسم کی چیزوں پر بولا جاتا ہے مثلاً کھیت کی حد یا اختیارات کی حد اصطلاح میں حدود کا لفظ ان اسلامی سزاؤں پر بولا جاتا ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ اور ودالله (الله کی حدیں) سے مراد ہے۔ الله کی مقرر کردہ حدیں جن سے آگے بڑھنا بندہ کے لیے منع ہے اور اس ت میں اس سے مراد شریعت کے تمام احکام ہوتے ہیں۔ زیر مطالعہ آیت میں یہ لفظ ان ہی معنوں میں آیا ہے۔

8.2- تفسیری اشارات

یہ دو آیات بھی دو مختلف سورتوں سے لی گئی ہیں تاہم ان کا موضوع ایک ہی ہے یعنی ''اہل ایمان کی صفات'' الله تعالیٰ مسلمانوں کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہے یا جن کاموں سے روکتا ہے۔ اسے کہنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کا حکم (صیغۂ امر) میں دیتا ہے یا (صیغہ نہی) کے فعل سے روک دیتا ہے۔ کبھی کسی کام کے کرنے کا نتیجہ آخرت کی کامیابی یا آخرت کی سزا قرار دیتا ہے۔اور کبھی ان چیزوں کو مومنوں کی خاص صفات کہہ کر بیان کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سب اچھے ضروری اور الله کے پسندیدہ کام ہیں۔ان دو آیات میں یہی طریقہ استعمال ہوا ہے۔

ا) پہلی آیت (الف) میں اہل ایمان کی نو (۹) نمایاں صفات بیان ہوئی ہیں۔

ان میں سے اکثر لفظوں کے صرف ترجمہ سے بھی مطلب واضح ہو جاتا ہے۔اس میں صرف لفظ اسائحون ذرا د۔۔احت طلب ہے یہ لفظ جو سائح کی جمع ہے کے اصل معنی تو ہیں ''سیاحت کرنے والے'' اور اس سے مراد سیر و تفریح کا سفر یا سیاحت مراد نہیں ہے بلکہ الله کی راہ میں سفر کرنا اور پردیس

جانا مراد ہے مثلاً جہاد، طلب علم اور تبلیغ دین وغیرہ کاموں کے لیے سفر اختیار کرنا۔ مسلمانوں کی یہ صفت ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے علاقوں میں اشاعت اسلام کا باعث بنی۔

۲) اہل ایمان کی ان نو صفات میں سے ہمارے یونٹ کے موضوع کے لحاظ سے قابل ذکر صفت وہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے آپ نے اب تک اس یونٹ میں جتنی آیات پڑھی ہیں۔ اس میں اس فریضہ کی اہمیت کئی طریقوں سے واضح کی گئی ہے مثلاً کہیں حکم دے کر اور کہیں اسے ''صفت اہل ایمان'' بتا کر وغیرہ۔

۳) پہلی آیت میں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اہل ایمان کی عام ضروری صفت کے طور پر مذکور ہوا ہے مگر دوسری آیت میں اسے ان اہل ایمان کی پہچان یا فریضہ کے طور پر بیان ہوا ہے جن کو اللہ تعالیٰ زمین میں حکومت یا اقتدار عطا فرمائے تو وہ کس طرح حکومت کریں گے اور ان کی انتظامی۔ بلکہ حقیقت میں دفاعی۔ پالیسی اور اندرونی استحکام کا بنیادی اصول یہی ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے۔ علبۂ دین حق اور ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا آپس میں بھی نہایت اہم تعلق ہے۔ یہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر غلبہ دین حق کے لیے راہ ہموار ہی نہیں ہو سکتی اور غلبہ دین حق کو استحکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

۹ ...... یونٹ کا خلاصہ

آپ نے اس یونٹ کے اسباق میں جن آیات کا مطالعہ کیا ہے عموماً ہر سبق کے آخر پر ان کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے آیئے اب ہم ذرا مجموعی طور پر پورے یونٹ پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے مضامین اور اہم نکات کا مربوط خلاصہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں امید ہے اس سے آپ کو یہ سارے سبق ذہن نشین کرنے میں مدد ملے گی۔

۱) یونٹ کے موضوع کا تلفظ اور اس کے معنی:

معاشرے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے؟ یہ عمل معاشرے میں مسلسل جاری رہنا چاہئے۔ بڑوں کی بڑائی چھوٹوں کا فیشن بنتی ہے۔ معاشرے میں بدی پھیلنے کے اسباب میں غلط عقائد اور متصادم خواہشات کا بڑا دخل ہے۔ علاج ضروری ہے معاشرے کے بگاڑ کی بڑی وجہ اسی فریضہ سے غفلت بنتی ہے۔

۲) موضوع کی اہمیت اور ضرورت کے مختلف پہلو:

یونٹ میں شامل آیات کی روشنی میں ان کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) **اللہ کا کام ہونا:** امر اور نہی دراصل اللہ کا ہی کام ہے وہ جس کا حکم دے وہ معروف ہے اور جس سے روکے وہ منکر ہے۔

(۲) **انبیاء کا کام ہونا:** تمام پیغمبر مبشر اور منذر تھے۔ وہ ہمیشہ معروف اور منکر کے نتائج

سے آگاہ کرتے تھے۔

(۳) **تاریخی عمل ہونا:** یہ فریضہ شروع سے ادا کیا جاتا رہا ہے شاید اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی معاشرے کی۔

(۴) **عزم الامور ہونا:** یہ فریضہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ شریعت کا مقصود ہے اور اس کے لیے بڑا دل گردہ مطلوب ہے۔

(۵) **ادارہ کی ضرورت:** امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے ایک مستقل ''ادارہ'' درکار ہے۔

(۶) **خیرامت کی امتیازی صفت ہونا:** یہ فریضہ امتوں میں سے بہترین امت (مسلمہ) کی نمایاں خصوصیت ہے۔

(۷) **ایمان اور نفاق کا پیمانہ:** مومن اور منافق کا کردار بالکل مختلف ہوتا ہے خصوصاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملے میں تو ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہی ہوتا ہے۔

(۸) **مومنوں کی اہم صفت:** ایک مومن کو بہت سی خوبیوں سے مزین ہونا چاہیۓ خصوصاً اس فریضہ کی ادائیگی سے۔

(۹) **مسلمان حکمران کی لازمی صفت:** ہر مسلمان حکومت یا حکمران پر اس فریضہ کی ادائیگی لازمی ہے۔

۴) یہ (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) فریضہ ادا کرنے کا طریق کار اور حکمت عملی:

اس فریضہ کو ادا کرنے کے لیے ہمت اور حوصلے کے علاوہ حکمت اور دانائی کی ضرورت ہے۔ بنیادی آٹھ

اصول جو ایک مبلغ کو یاد رہنا چاہئیں۔

۵) معروف اور منکر کی چند خاص مثالیں:

عدل احسان ایتاء ذی القربیٰ نماز اور صبر معروف کی اور فحشاء، منکر اور بغی منکر کی بڑی جامع اور نمایاں مثالیں ہیں۔

۶) اسلامی حکومت کا بنیادی نشان:

اسلامی حکومت کے زیر سایہ مسلم معاشرہ کے تحفظ اور استحکام کے لیے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

۱۰ ...... خود آزمائی

۱) ''معروف'' اور ''منکر'' کے لفظی اور اصطلاحی معنی کی وضاحت کیجئے؟

۲) ''انسان کے لیے معاشرہ ضروری ہے'' کیوں

۳) ''معاشرے کی سلامتی کے لیے نیکی بدی کی حدیں مقرر ہونا ضروری ہیں'' کیوں؟

۴) برائی کے پھیلنے کے اسباب پر تین چار سطر کا مختصر نوٹ لکھیں؟

۵) بدی اور وباء میں کیا مشابہت ہے؟

۶) عقل انسانی بدی کو سمجھنے یا اسے روکنے میں کیوں ناکام رہتی ہے؟

۷) کب بدی کو ''نشان عزت'' سمجھا جانے لگتا ہے؟

۸) ''نیکی کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے کا عمل مسلسل جاری رہنا چاہئے'' کیوں؟

۹) ''فریضہ'' امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے غفلت کے کیا نتائج نکلتے ہیں''

۱۰) ''تمام انبیاء نسانیت کے محسن ہوئے ہیں'' کس طرح؟

۱۱) اس یونٹ کے مطالعے سے ہمارے معاشرے کی کون سی بھلائی وابستہ ہے؟

۱۲) اس یونٹ کی آیتوں میں سے کون سی آیت جمعے کے خطبے میں پڑھی جاتی ہے یہ رواج کب سے شروع ہوا اور کیوں؟

۱۳) نیکی اور بھلائی کی وہ کون سی تین قسمیں ہیں جن اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے؟

۱۴) بدی یا برائی کی وہ کون سی تین قسمیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے؟

۱۵) عدل اور انصاف میں کیا فرق ہے؟

۱۶) عدالت کے علاوہ عدل کی ضرورت اور کہاں کہاں پڑتی ہے؟

۱۷) ''احسان'' کے مختلف معنی بتایئے۔ ان میں مشترک چیز کیا ہے؟

۱۸) بے دلی سے اور محض ''خانہ پری'' کے لیے کام کرنے کا احسان سے کیا تعلق ہے؟

۱۹) حدیث شریف میں ''احسان'' کی کیا تعریف کی گئی ہے (صرف ترجمہ یا اس کا مفہوم لکھیے)؟

۲۰) ''عدل'' اور ''احسان'' کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

۲۱) ایتاء ذی القربیٰ کے ہر جز کے الگ الگ معنی لکھیے، مجموعی معنی کیا بنے؟

۲۲) رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک جتنا ضروری ہے اتنا ہی دشوار بھی ہے کیوں؟

۲۳) ''قرآن اور حدیث میں رشتہ داروں کے بارے میں بڑی تاکید آئی ہے'' کس چیز کی؟ اور کیوں؟

۲۴) کنبہ پروری اور ایتاء ذی القربیٰ میں کیا فرق ہے؟

۲۵) فحشاء کے لفظی معنی کیا ہیں؟ اور کون سے افعال ''فحشاء'' میں شمار ہوتے ہیں؟

۲۶) ''منکر'' سے کیا مراد ہے؟ کس کس قسم کے کام ہیں کچھ مثالیں بھی دیجئے؟

۲۷) ''بغی'' کا معنی لکھئے۔ اس سے مراد کون سے افعال ہیں۔ مثالیں بھی دیجئے؟

۲۸) تمام رسول، انسانوں پہ، اللہ کی طرف سے اتمام حجت کے لیے آئے کس طرح؟

۲۹) تمام رسول ''مبشر'' ہوتے ہیں کس چیز کے؟ اور کس طرح؟ مبشر کا معنی بھی بتائیے؟

۳۰) تمام رسول ''منذر'' ہوتے ہیں کس چیز سے؟ اور کس طرح؟ منذر کے معنی کیا ہیں؟

۱۱......جوابات

۱) معروف کا لفظی معنی (جانا پہچانا ہوا۔

اصطلاحی معنی: ''نیکی اور بھلائی''

منکر کا لفظی: معنی ''ناآشنا اجنبی''

۲) دیکھئے تعارف اصطلاحی معنی ''برائی، ناپسندیدہ کام''

۳) انسان اکیلا اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

۴) دیکھئے ''1'' (1 سے 3)

۵) بدی وبا کی طرح پھیلتی ہے۔

۶) کیوں کہ عقل جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے۔

۷) جب معاشرے کا باعزت طبقہ بدی کو اپنا لے۔

۸) دیکھئے نمبر 1

۹) تا کہ معاشرہ تباہی سے دوچار نہ ہو۔

۱۰) کیوں کہ وہ اسے تباہی سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔

۱۱) عقائد اور اعمال کی درستی اور برائیوں کا خاتمہ۔

۱۲) ان اللہ یامر بالعدل

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت سے۔

۱۳) نیکی کی تین قسمیں "عدل، احسان، قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا

۱۴) بدی کی تین قسمیں "بے حیائی، برے کام، سرکشی"

۱۵) عدل میں توازن اور تناسب کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ انصاف میں مساویانہ تقسیم کا۔

۱۶) دیکھئے 2 (الف)

۱۷) دیکھئے 2 (ب)

۱۸) کوئی نہیں

۱۹) اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

۲۰) دیکھئے 2 (الف، ب)

۲۱) ایتاء، ادا کرنا، ذی والے، القربیٰ قرابت

۲۲) دیکھئے 2 (ج)

۲۳) ایضاً

۲۴) ایضاً

۲۵) کھلی بے حیائی، عریانی، برہنگی، گداگری، دشنام طرازی، بدکلامی وغیرہ اس میں شامل ہیں دیکھئے 2 (الف)

۲۶) منکر، برائی، وہ کام جنہیں اسلامی اور انسانی معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہو۔

۲۷) بغی، سرکشی، ظلم و زیادتی، غصب، اغواء، غنڈہ گردی وغیرہ۔

۲۸) دیکھئے 3 و تشریحات

۲۹) مبشر، خوش خبری دینے والا، رسول اس بات کی خوش خبری دیتے ہیں کہ نیکی ضائع نہیں جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیں گے۔

۳۰) منذر، ڈرانے والا، رسول لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

یونٹ 6

الحدیث

اہمیّت، تدوین، اہم کتب

تحریر: پروفیسر حافظ عبدالشکور

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کا تعارف

شریعت اسلامیہ کے دو سرچشمے ہیں ایک قرآن مجید اور دوسرا حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ قرآن مجید کی توضیح وتشریح اور احکام الٰہی کی تفصیلات سمجھنے کے لئے حدیث کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ قرآن مجید کو اساسی قانون کی حیثیت حاصل ہے اور حدیث قانون ثانوی ہے۔ اس لئے اسلام کی صحیح تصویر قرآن و حدیث دونوں سے مل کر ہی بنتی ہے۔ لیکن قرآنی تعلیمات کی تفسیر حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچی، چنانچہ حدیث کی اس اہمیت وافادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے زیر مطالعہ یونٹ میں اس پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱) قرآن مجید اور حدیث کا آپس میں تعلق واضح کر سکیں۔

۲) حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہمیت بتا سکیں۔

۳) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معتبر ہونے سے آگاہ ہو سکیں۔

۴) جمع وتدوین حدیث کے ادوار کا جائزہ لے سکیں۔

۵) ذخیرۂ احادیث سے متعارف ہو سکیں۔

۶) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اجاگر کرنے اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے کو فروغ دے سکیں۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	مقام رسالت	271
	بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم مقاصد	271
	قرآن کی جامعیت اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم	272
	قرآن کی جامعیت اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	273
	اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	274
	صحابہؓ کی نظر میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت	275
	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقہائے امت کی نگاہ میں	276
	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں اتحاد کا ذریعہ	276
	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی اہمیت	277
	حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دین نامکمل ہے	277
2-	جمع وتدوین حدیث	278

	پہلا دور......عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	279
	دوسرا دور......دوسرا دور عہد صحابہؓ	281
	تیسرا دور......تابعین و تبع تابعین کا عہد	282
	چوتھا دور...... تکمیلی دور	283
-3	اہم کتب حدیث	285
	صحیح بخاری	286
	صحیح مسلم	287
	سنن ابی داؤد	287
	جامع ترمذی	288
	سنن نسائی	289
	سنن ابن ماجہ	289
	مؤطا امام مالک	290
	مشکوٰۃ المصابیح	291
-4	خود آزمائی	292
-5	جوابات خود آزمائی	295

ا......اہمیّت حدیث

1.1- مقام رسالت

حدیث رسول کی اہمیت جاننے کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل حیثیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور پیام رساں ہی کی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام، ہادی، قاضی اور مطاع (لائق اطاعت) بھی ہیں اور قرآن نے آپ کی ان حیثیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ رسالت ایک شرعی منصب ہے۔ رسول اس لیے آتے ہیں کہ دنیا کو ہدایت اور اللہ کی رضا مندی کی راہ دکھائیں۔ اس لیے اس بارے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں سب ربّ العزت کے رسول کی حیثیت سے کہتے ہیں جو پہنچاتے ہیں وہ اسی کا حکم ہوتا ہے قرآن کہتا ہے۔

> ''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے آپ کا ہر ارشاد بحکم وحی ہوتا ہے۔''

اگر قرآن پہنچانا رسالت میں داخل ہے تو اس کی مراد بیان کرنا اور اس کی تفصیلات سمجھانا بھی رسالت کا جزو ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

> ''آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی''۔

1.2- بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم مقاصد

قرآن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھیج کر درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان فرمایا

ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہماری تعلیم و ہدایت کا سامان نہ کرتا تو ہم یقیناً عمر بھر قرآن کی مراد نہ حاصل کر پاتے۔ اللہ تعالیٰ اسی احسان کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے۔

> ''اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان کے اندر خود ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تین اہم مقاصد بتلائے گئے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ اس کتاب کے معانی ومطالب کا بیان بھی فرائض رسالت میں داخل ہے اس لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم وتوضیح کے لیے جو کچھ فرمایا اور کر کے دکھایا اور جسے ہم حدیث یا سنت کہتے ہیں وہ اگر چہ بظاہر قرآن سے علیحدہ ہے۔ اس حقیقت کے اعتبار سے وہ قرآن ہی کا حصہ ہے۔

1.3- قرآن کی جامعیت اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم ایک جامع اور کامل کتاب ہے مگر قرآن اپنے آپ میں جامع ہونے کے باوجود تعلیم و تشریح کا محتاج ہے نبی کا کام یہ ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالب سمجھائے اور اس پر عمل کرنا سکھائے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کے لیے رسول کی بعثت کے بغیر چارہ نہیں۔ رسول کے واسطے کے بغیر کتاب اللہ نہیں سمجھی جا سکتی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بڑا مقصد قرآن کریم کی تلاوت وتعلیم ہی فرمایا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم دو طرح دی ہے آپ نے اپنے قول وعمل سے بھی اس پر عمل کرنے کی صورت سکھائی اور اس کی قولی تشریح بھی فرمائی ہے عملی تشریح کی صورت یہ تھی کہ قرآن میں ایک حکم نازل ہوا آپ نے اس حکم پر عمل کر کے لوگوں کو دکھایا جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی واضح ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا مثلاً قرآن پاک میں نماز قائم کرنے کا تاکیدی حکم نازل ہوا اور اس کے بعض اجزا (مثلاً قیام، رکوع، سجود) کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا۔ مگر نماز کی پوری ترکیب و

ترتیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی۔ پس نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے متعین ہوئی۔ قرآن پاک میں ''نماز قائم کرو'' کا حکم دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا ضروری ہے کہ اس حکم پر عمل کس طرح کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو'' گویا اس سوال کا جواب ہے اسی طرح قرآن پاک میں حج فرض قرار دیا گیا ہے مگر حج کا طریقہ اور اس کے ارکان نہیں بیان کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کر کے دکھایا کہ اس فریضے کی بجا آوری اس طرح ہونی چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں اعلان فرمایا ''گویا تم سب حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھوں'' نماز اور حج کی طرح دوسرے دو ارکان دین روزے اور زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے اور یہی کیفیت شریعت کے اور بہت سے مسائل کی ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتاتی ہے کہ کیسے اور کس طریقے سے کرنا ہے۔ اس سے حدیث کی اہمیت صاف اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

1.4- قرآن کی جامعیّت اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن صرف ایک عملی کتاب ہی نہیں ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے ایک دستور العمل بھی ہے۔ گویا قرآن کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک علمی دوسری عملی۔ علمی حیثیت سے قرآن کو سمجھنے کے لیے اگر ہمیں ایک معلم کی تعلیم کی ضرورت ہے تو عملی حیثیت سے قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں ایک ہادی کے نقشہ عمل کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے ہم تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محتاج ہیں۔ دنیوی علوم میں بھی بہت سے علم ایسے ہیں جو پہلے تو عملی مشق کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں آ بھی جائیں تو جب تک کوئی عملی نمونہ نہ ہو ان کو عمل میں لانا ناممکن ہے مثلاً ڈاکٹری کا علم۔ اسی طرح انجینئرنگ کا فن ہے یا دیگر سائنسی علوم یہی حال قرآن کا ہے قرآن صرف ایک علمی کتاب ہی نہیں عملی ہدایت نامہ بھی ہے اس کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک ایسے نقشہ عمل کی بھی ضرورت ہے جس کو دیکھ دیکھ کر ہم قرآن کے عملی تقاضوں کو پورا کر سکیں یہ نقشہ عمل ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں عطا فرمایا گیا ہے ارشاد الٰہی

ہے:

''تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک عمدہ نمونہ تقلید ہے''۔

قرآن چونکہ ایک جامع کتاب تھی اس لیے نقشہ عمل کو بھی تمام نقشوں میں جامع تر بنایا گیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی حقیقت کی نشاندہی کی تھی جب کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا قرآن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق تھا'' مطلب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول اور کوئی فعل ایسا نہیں تھا جو قرآن سے باہر ہو۔

1.5- اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث نبوی

حدیث رسول کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو مستقل حیثیت سے واجب قرار دیا ہے اس بناء پر قرآن ہی کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور ہر فعل کو ایک مستقل اور علیحدہ حیثیت سے واجب الاطاعت تسلیم کریں۔ گویا قرآن پر اس وقت تک پورا عمل ممکن ہی نہیں جب تک ہم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قانون خداوندی کا حصہ نہ مان لیں اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے قرآن میں جابجا اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو''۔

اس حکم میں اطاعت رسول کو اطاعت الٰہی سے الگ مستقل جملہ کی شکل میں قرآن مجید میں جس طرح مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہل ایمان پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل طور پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دیں اس کو قبول کرنا اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جانا واجب ہے قرآن کا مطالبہ ہے

''جو تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لے اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ''۔

اس بناء پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم قابل اطاعت ہے کسی شخص کی کامیابی کے لیے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی اور بدبختی ہے اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی گمراہی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

''جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے بڑی مراد پائی''۔

اسی طرح فرمایا:

''جس نے اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وہ بڑی کھلی گمراہی میں جاپڑا''۔

1.6- صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں حدیث نبویؐ کی اہمیّت

ہر مذہب کا بہترین زمانہ اس کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے مذہبی احکام کا جو مفہوم اس زمانے کے لوگوں میں مستند قرار پائے وہی مفہوم صحیح اور درست مانا جاتا ہے اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے اب اس پر غور کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حیثیت و اہمیت تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت ہی تلاش کیا کرتے تھے اگر وہ نہ ملتی تو اپنی جانب سے جو سمجھ میں آتا فیصلہ کرتے اور اگر اس کے بعد آپ کی سنت ہاتھ آ جاتی تو اس پر عمل کرتے اور اپنے قول سے دستبردار ہو جاتے تھے چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ نے جب زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک ہر دور میں حرام و حلال کے مسائل میں ہمیشہ حدیثیں ہی پیش کی گئیں۔ پس یہ تھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت ان لوگوں کی نگاہ میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کے اصل مقام و مرتبے کو درست طور پر سمجھنے کے زیادہ اہل تھے۔

1.7- حدیث نبوی فقہائے امت کی نگاہ میں

حدیث کے مقام و مرتبے کی مزید وضاحت کے لیے آیئے یہ دیکھیں کہ علمائے اسلام اس کو کس طریقے سے دیکھتے تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی فرمان ہے جب صحیح حدیث موجود ہو تو میرا مذہب وہی ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا۔ میرے قول کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہوئے ترک کردو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہر شخص کی بات تسلیم کی جاسکتی ہے (اگر صحیح ہو) اور اسے ٹھکرایا بھی جا سکتا ہے (جب کہ غلط ہو) مگر اس قبر والے کی ہر بات واجب التسلیم ہے۔ پس یہ حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی کا مدار کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

1.8- حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں میں اتحاد کا ذریعہ

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ان کی اصل بنیاد قرآن پر ہے فرقہ بندی کا اصل باعث وہ عقل ہے جو صرف اپنے اعتماد پر مذہب کا نقشہ تیار کرنا چاہتی ہے۔ حضرت حسن بن واصل فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں اختلاف و تفرقہ اسی وقت پھیلا ہے جبکہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار اور طریقے چھوڑ کر اپنی رائے پر چلنا شروع کردیا پھر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر لوگ قرآن کریم میں غور کرنے لگیں تو اختلاف و تفرقہ کا وہ سیلاب اٹھے گا کہ امت کو لے ڈوبے گا۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سیلاب کو روکتی اور امت کو امن و ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے متعلق ہوا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ایک حدیث کی بنیاد پر ہوا جو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنائی تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کے نبی کی روح جس جگہ قبض ہوتی ہے اسی جگہ اسے دفن کیا

جاتا ہے اسی طرح خلافت کے مسئلہ میں جب جنگ کا سا سماں تھا تو ایک صحابی حضرت بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کی زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک ''الائمۃ من قریش'' امام و امیر قریش میں سے ہو۔ سننے کی دیر تھی کہ ہر ایک کا سر اطاعت کے لیے جھکا ہوا نظر آنے لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتشار کو دور کر کے امت میں اتحاد پیدا کر لی ہے۔

1.9- حدیث نبوی کی تاریخی اہمیت

دینی و مذہبی اہمیت کے علاوہ حدیث نبوی کو تاریخی اجتماعی اور اخلاقی اہمیت بھی حاصل ہے۔ عہد نبوی کے تاریخی اور اجتماعی حالات اس عہد کے مسلمانوں کی ثقافت اور تہذیب و تمدن سب کچھ حدیث نبوی کی بدولت محفوظ ہے۔ عہد نبوی کی پوری تاریخ اور اس کی تفصیلات، ان کے اخلاق اور ان کا معیار اس زمانے کی ثقافت اور اجتماعی مسائل کا پورا نقشہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

1.10- حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دین نامکمل ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے امت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کو انتہائی اہمیت دی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اس پورے خزانہ کی غیر معمولی حفاظت کی اور امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہنچایا۔ حدیث درحقیقت چونکہ قرآن ہی کی مفصل شکل ہے۔ اس لیے صرف اتنا ہی نہیں کہ حدیث کے بغیر قرآن کی چند آیات کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کے بغیر دین کا پورا خاکہ ہی تیار نہیں ہوسکتا اور اس لحاظ سے حدیث کے بغیر دین نامکمل رہتا ہے۔ حدیث کا انکار کر کے قرآن کی تفسیر قرآن کی تحریف بن جائے گی۔ ہر شخص اپنی سوچ کے مطابق قرآن کے مطالب بیان کرے گا اور پھر اس پر اصرار کرے گا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے وہی درست ہے۔ اس طرح دین ایک کھیل بن جائے گا۔ اسی لیے علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ ہمیں اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ عقیدہ معلوم ہوا ہے کہ حدیث و سنت پر عمل کرنے میں ہی نجات ہے۔

۲...... جمع وتدوین حدیث

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین میں مقام کیا ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو کم کرنے کا ایک سبب یہ غلط فہمی ہے کہ احادیث کو کتابی شکل ایک عرصہ بعد دی گئی اس لیے احادیث کے ذخیرہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نا قابل اعتماد مواد پر دین کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت وحفاظت کا اہتمام کیا گیا اور یہ خیال تاریخی دلائل اورٹھوس واقعات کی روشنی میں بالکل غلط ہے کہ حدیث کی تدوین چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی صدی بعد ہوئی اس لیے اس پر اعتماد واعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن الفاظ و معانی دونوں کے مجموعے کا نام ہے اورحدیث نبوی قرآنی الفاظ کے معانی ہی کا نام ہے۔ قرآن کے معانی کی حفاظت کے بغیر الفاظ قرآنی کی حفاظت بے معنی ہے۔ اس لیے جب ہمیں اللہ کی جانب سے یہ خبر دی جاتی ہے کہ قرآن کی حفاظت اللہ کے ذمے ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ قرآنی الفاظ اپنے معانی سمیت اللہ کی حفاظت میں ہیں یعنی قرآن احادیث نبوی سمیت اللہ کی زیر حفاظت ہے۔ حدیث کی تدوین کا معاملہ قرآن کی جمع وتدوین کے معاملے سے بہت ہی مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور پر نظر کرنے والا یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ قرآن پہلے محفوظ نہ تھا پھر ان کے زمانے میں محفوظ ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو الفاظ جمع قرآن کے متعلق تھے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جو الفاظ حدیث کی جمع کے متعلق کہے تھے اگر ان دونوں کو پاس پاس رکھیئے تو آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ دونوں جگہ حفاظت و کتابت اور تدوین کے انتظامات کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب ان کی حفاظت کو خطرہ پیدا ہوا۔

ورنہ قرآن اور حدیث ابتدائی دور میں اہل اسلام کی زندگی کا اس طرح جزو بنے ہوئے تھے کہ ان کی حفاظت کے لیے انہیں کسی اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ جب جنگ یمامہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد شہید ہو جانے کی وجہ سے قرآن کی حفاظت میں خلل پڑنے کا خطرہ محسوس ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ تھے۔

''جنگ یمامہ میں حفاظ جس طرح شہید ہوئے ہیں۔ خدا نہ کرے اگر کہیں آئندہ اسی طرح حفاظ قتل ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے قرآن مجید جمع کرنے کا سرکاری طور پر انتظام کیجئے''۔

اسی طرح حفاظت حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمان لکھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے لکھ لو کیونکہ مجھے آئندہ علم کم ہو جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے''۔

آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ تقریباً نوے سال بعد کے ان الفاظ کے پہلو بہ پہلو رکھیے۔ وہاں بھی خدائی حفاظت کے وعدہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارادہ میں تحریک پیدا کی تھی اور یہاں بھی وہی وعدہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقدام کا سبب بنا۔

جمع و تدوین حدیث سے مراد ہے ذخیرہ احادیث کو اکٹھا کرنا اور کتابی شکل دینا اس کو ہم سہولت کے لیے چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

2.1- پہلا دور...... عہد نبویؐ میں کتابت حدیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ارشادات و اعمال کی حفاظت خاص طور پر ملحوظ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر تلقین فرمائی کہ جو حاضر ہیں وہ یہ علم دین ان کو پہنچائیں جو غیر حاضر ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دعا فرمائی ''اللہ تعالیٰ اس بندے کا چہرہ بارونق رکھے جس نے میری بات سن کر یاد رکھی پھر

اسے دوسروں تک پہنچایا۔" تابعین نے تبع تابعین تک حتیٰ کہ یہ ذخیرہ ہم تک پہنچایا۔

عہد نبوی میں حفاظت حدیث کے دو طریقے تھے۔ ایک حافظہ دوسرا کتابت۔ عرب کے لوگوں کا حافظہ بہت اچھا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حفاظت حدیث کی صورت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد سن کر یاد رکھنا یا سننے والوں سے پوچھ کر یاد رکھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل اور نمونہ کو دیکھنا اور نمونہ کے مطابق عمل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا۔ یہی حدیث کی حفاظت کا فطری طریقہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اکثر و بیشتر زبانی یاد رکھی جاتی تھیں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کا رواج عام کر دیا۔ ابتدائے نزول قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قرآن مجید کے ساتھ اور کوئی چیز کتابت میں شامل نہ کی جائے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں قرآن اور غیر قرآن کا شعور پیدا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی۔ چنانچہ عہد رسالت میں کتابت حدیث کی داغ بیل پڑ گئی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث خود لکھوا کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیں اور بعض صحابہؓ نے اپنے ذاتی استعمال اور یادداشت کے لیے حدیثیں لکھیں۔

۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مختصر سا رسالہ لکھ دیا اس میں ذمیوں کے احکام وغیرہ تھے۔

۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو صدقات وغیرہ کے متعلق احکام لکھوا کر دیئے تھے۔

۳) فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ ابو شاہ یمنی کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکمل لکھوا کر حوالہ کیا۔

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی تاریخی دستاویزیں لکھوائیں جن کا ذکر کتب احادیث میں

موجود ہے مثلاً

۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں اور ایک نقل اپنے پاس رکھی تھی۔

۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ اس کو حدیث کی کتابوں میں روایت کیا گیا اور جب ان میں کئی خطوط دستیاب ہوئے تو اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق نہ پایا گیا۔

خلاصہ یہ کہ اس قسم کی سینکڑوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا بڑا سرمایہ خود عہد نبوی میں جمع ہو چکا تھا۔ یہاں جمع حدیث کا پہلا دور ختم ہوتا ہے۔

2.2- دوسرا دور......عہد صحابہ

جمع حدیث کا دوسرا دور صحابہ کرامؓ کے ذاتی مجموعوں سے شروع ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے درس و تدریس کے ذریعے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کی پیروی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو دور دور تک پہنچایا۔ بے شمار صحابہ کرامؓ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور ان میں سے کئی حضرات حدیثوں کو لکھ بھی لیتے تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اقوال و افعال کی حفاظت کا اہتمام جس انداز سے کیا اس کے صرف چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث تھا جس میں پانچ سو احادیث لکھی ہوئی تھیں۔

۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کی تلوار کی میان میں احادیث کا ایک مجموعہ تھا جسے آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی درخواست پر نکال کر دکھایا۔

۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کو ان کے ایک شاگرد ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے چھپ چکا ہے۔

۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے انہوں نے اس مجموعہ احادیث کا نام ''صحیفہ صادقہ'' رکھا ہوا تھا۔ مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیکھا اور ان کے پوتے عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود رہا۔

۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث موجود تھا۔

ان چند تحریروں کے علاوہ اور بہت سے نوشتوں کا ثبوت ملتا ہے مگر یہ فصلوں اور بابوں میں منقسم نہ تھے جس سے بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ احادیث کی تدوین صدیوں بعد ہوئی۔

2.3- تیسرا دور......تابعین و تبع تابعین کا عہد

جب صحابہ کرامؓ دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے تھے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے اور اپنے کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے والے ختم ہو رہے تھے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان مشاہدات اور سنی ہوئی باتوں کو تحریر کی شکل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں سرکاری طور پر حدیث کو باقاعدہ طور پر تحریر کی شکل میں محفوظ کرانے کی ابتدا ہوئی تابعی وہ بزرگ کہلائے جنہیں اسلام کی حالت میں صحابہ کرامؓ سے ملاقات اور صحبت نصیب ہوئی تابعین حضرات نے اپنے شاگردوں کا جو مقدس گروہ چھوڑا اسے تبع تابعین کہا جاتا ہے۔ احادیث کے سیکھنے سکھانے کے سلسلے میں تابعین کے عشق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تک پہنچتی ہے شہر مدینہ میں صحابہ سے حدیث پڑھنے والوں کی تعداد ۳۵۵ تھی۔ تابعین میں حدیث لکھنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ یہ لوگ ایک ایک کے گھر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں معلوم کرتے اور لکھتے جاتے۔ بس یہی ان کا مقصد حیات اور شب و روز کا

مشغلہ تھا۔ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین حدیث کی تحریک کی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتاب ''الصدقہ'' نقل کرا کے تمام علاقوں میں بھیج دی ان کے حکم سے امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کو لکھا۔ انہوں نے اس قدر احادیث جمع کی تھیں کہ اس ذخیرہ کو کئی اونٹوں پر لاد کر لائبریری سے لایا گیا۔ متفرق تحریروں اور مسودات کو دوسری صدی کے نصف تک کتاب کی شکل دے دی گئی۔ اس دور میں امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا نام بہت ہی نمایاں ہے۔ ان کا مشہور مجموعہ احادیث ''الموطا'' اسی دور سے تعلق رکھتا ہے اس دور میں حدیث کے ساتھ سند بھی لکھنا شروع کر دیا گیا یعنی ہر حدیث کے ساتھ یہ بھی لکھا جانے لگا کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس نے سنی اور اس نے آگے کس کس کے سامنے بیان کی۔ اس کے بعد تدوین حدیث عام ہوگئی اس عہد میں حدیث کا علم ایک فن بن گیا۔

2.4- چوتھا دور...... تکمیلی دور

اس دور میں تالیف و تدوین حدیث کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے مجموعے مرتب ہوئے۔ ان مجموعوں کی طرز یکساں نہ تھی۔ ان کو کئی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس مرحلے پر حدیث کی جامع کتابیں لکھی گئیں۔ یہ دور تدوین حدیث کا تکمیلی دور تھا۔ سابقہ مرحلوں میں حدیث نبوی کی جمع و تالیف سے متعلق بڑا کام ہوا تھا مگر حدیث پر تنقید و تبصرہ کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا۔ جب علم حدیث کو قبول عام حاصل ہوا تو بعض لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد اور گروہی تعصب کو ہوا دینے کے لیے حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محدثین کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ علمائے حدیث نے ان کی جانچ پڑتال کے لیے اصول تیار کیے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دین میں بنیاد اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لیے صحابہ کرامؓ اور محدثین نے جہاں علم حدیث کی جمع و تدوین اور خدمت و عظمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہاں اس کی جانچ پڑتال اور صحیح وضعیف کی پرکھ و پہچان میں بھی کمال سرگرمی کا اظہار کیا۔ روایت حدیث میں انہوں نے نہ سلاطین کی شوکت کی پرواہ کی اور نہ امراء کی دولت سے متاثر ہوئے دیگر کتب حدیث کے علاوہ جن چھ کتابوں

نے شہرت دوام حاصل کی اور جو ''صحاح ستہ'' کہلاتی ہیں وہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے علم و ہدایت کے اس پورے خزانے کو غیر معمولی اہتمام اور شغف کے ساتھ مابعدِ والوں کو پہنچایا پھر بعد کے زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بہترین افراد کے ذریعہ احادیث کے اس خزانے کو اگلی نسلوں تک پہنچایا پھر بعد کے زمانوں میں امت کے بہترین افراد نے احادیث کے اس ذخیرہ کی تدوین وتنقید اور اس سے متعلق بہت سے مستقل علوم وفنون ایجاد کئے۔ پھر انہیں اس فن کی خدمات کی ایسی توفیق دی گئی جو کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی۔ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اپنے رسول کے کلمات صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے۔ یہ صرف اس امت کا امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمہ کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق بخش دی گئی ہے۔ آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کر سکے۔ اس کے برعکس اسلام ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک شوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ پیش کرسکتا ہے۔ اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے جرمن محقق ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے ''نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔''

۳......اہم کتب حدیث

تیسری صدی کے نصف دوم میں بعض محدّثین نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ہر ممکن جدوجہد سے ایسی کتب حدیث تالیف کریں گے جن میں حتیٰ الوسع کوئی ضعیف حدیث نہ ہوگی۔ یہ کوشش کامیاب ہوئی اور حدیث کی مندرجہ ذیل صحیح کتب مرتب کی گئیں جنہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ صحاح ستہ سے مراد علم حدیث کی وہ چھ معتبر تالیفات ہیں جنہیں تیسری صدی ہجری کے عظیم محدثین نے بڑی چھان بین کے بعد کچھ ایسی خوبی سے ترتیب دیا ہے کہ آج صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے بعد میں جتنی کتابیں فن حدیث پر لکھی گئیں ان کی اساس و بنیاد یہی صحاح ستہ ہیں۔

صحیح حدیثوں کے یہ چھ معتبر مجموعے حسب ذیل ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔

۱) صحیح بخاری ۲) صحیح مسلم ۳) سنن ابی داوٗد

۴) جامع ترمذی ۵) سنن نسائی ۶) سنن ابن ماجہ

ان میں سے تین کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی ''جامع'' کہلاتی ہیں۔ جو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ کے عنوانات پر حاوی ہیں۔ بقیہ تین تالیفات یعنی سنن ابو داوٗد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ سنن کہلاتی ہیں اور وہ صرف معاملات یعنی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔

ذیل میں صحاح ستہ اور دیگر اہم کتب حدیث کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

3.1- صحیح بخاری

مؤلفہ امام محمّد بخاریؒ (ولادت ۱۹۲ ہجری وفات ۲۵۶ھ)

اس مجموعہ کو امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کیا۔ آپ ۱۹۲ ہجری میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں حدیثوں کو سن کر حفظ کرنے لگے۔ علم حدیث کی خاطر بہت سے اسلامی ملکوں کا سفر کیا۔ ۱۲ برس کی محنت کے بعد واپس وطن آ کر درس و تدریس اور تالیف وتصنیف میں مشغول ہو گئے پھر وہیں ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ قابل رشک تھا۔ آپ اٹھارہ برس کی عمر میں تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے تھے۔ امام بخاری نے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ان کی شہرت کا زیادہ دارومدار صحیح بخاری پر ہے۔ اس کا اصل نام ''الجامع الصحیح'' ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو سولہ برس میں مکمل کیا۔ ہر حدیث لکھنے سے پہلے وضو کر کے دو رکعت پڑھتے اور استخارہ کرنے کے بعد حدیث لکھتے۔ احادیث کی مضمون وار ترتیب مدینہ منورہ میں روضہ اطہر اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بیٹھ کر کی۔ اس کتاب میں امام بخاری نے بڑی تحقیق اور تنقید کے بعد منتخب کر کے ۹۰۸۲ حدیثیں درج کیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''الجامع الصحیح'' کو امت نے بڑی قدر ومنزلت سے دیکھا اور اس کو قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب قرار دیا ہے۔ اپنی جامعیت اور تنوع کے لحاظ سے یہ کتاب بے مثل سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب اصول وعقائد، عبادات ومعاملات، غزوات اسلامی معاشرت وتمدن، سیاست وسلطنت کی ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا نظر آتی ہے۔ اس کتاب کو مسائل فقہ کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے مختلف عنوان قائم کر کے ہر عنوان کے ماتحت اسی مضمون کی صحیح حدیثیں نقل کردی گئی ہیں۔ صحیح بخاری کی ۵۳ شرحیں لکھی گئی ہیں۔

3.2- صحیح مسلم

مؤلفہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۲۰۶ھ وفات ۲۶۱ھ)

یہ مجموعہ احادیث امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور ''صحیح مسلم'' ہے۔

''صحیح مسلم'' کا انتخاب آپؒ نے تین لاکھ حدیثوں سے کیا۔ اپنی صحیح میں بڑی تحقیق اور چھان بین کے بعد صحیح ترین احادیث انتخاب کر کے جمع کر دی ہیں۔ کل احادیث کی تعداد ۷۲۷۵ ہے۔ صحیح مسلم میں تقریباً ہر مضمون کی صحیح احادیث موجود ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب واضح اور صاف ہے انہوں نے کتاب کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں صحیح حدیث کی شرائط سے بحث کی ہے۔ صحیح بخاری کے بعد تمام کتب سے اس کو اعلیٰ تصور کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں اس پایہ کی کتاب ہے کہ بعض علماء نے اس کے متعلق یہ الفاظ تک کہہ دیئے ہیں کہ آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ تصنیف فن حدیث کے بہت سے عجائبات پر مشتمل ہے۔ بخاری و مسلم کا پایہ فن حدیث میں اس قدر بلند ہے کہ حدیث کے سلسلے میں جہاں شیخین کا ذکر آئے وہاں یہی دو امام مراد ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کو صحیحین کہا جاتا ہے جو حدیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہو۔ اس کو متفق علیہ کہتے ہیں۔

3.3- سنن ابی داؤد

مؤلفہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ (ولات ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ)

یہ کتاب امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کی۔ آپ ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے محدّثین سے حدیث سنی۔ ۲۷۵ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث نبوی جمع کیں، اور ان میں سے

۴۸۰۰ صحیح حدیثیں منتخب کر کے اپنی اس کتاب میں درج کر دیں۔ اس کتاب میں علمی احکام سے متعلق روایات کو کچھ ایسی جامعیت اور خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے کہ ہر دور میں یہ قیمتی کتاب قانونی مسائل کا بہترین ماخذ تسلیم کی گئی ہے۔ علمائے حدیث نے سنن ابی داؤد کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور علم دین میں اسے بہترین کتاب قرار دیا کیونکہ اس میں اصول علم، احکام فقہ اور سنت نبوی کا اہم جزو شامل ہے۔ یحیٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دین اسلام کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اور اس کا ایک اہم ستون سنن ابی داؤد ہے۔ بزرگوں نے اسے ''عجوبہ عالم'' بھی کہا ہے۔ محدّث ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابو داؤد کی کتاب سنن بہت بلند درجہ کی کتاب ہے اور علم دین میں ایسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ بہر حال سنن ابی داؤد اپنے موضوع پر مکمل اور جامع کتاب ہے اس میں تفسیر بھی ہے اور تاریخ بھی یہ فقہ و قانون اور جہاد و تبلیغ کا پیغام بھی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت اور قیمتی معلومات کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

3.4- جامع ترمذی

مؤلفہ امام محمد ترمذی رحمۃاللہ علیہ (ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ)

اس کتاب کو امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کیا۔ آپؒ ترمذ (ترکستان) میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدث تھے۔ آپؒ کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ آپ نے کئی کتابیں تالیف کیں۔ جامع ترمذی ان کی مشہور اور مقبول تصنیف ہے جو اپنی جامعیت، صحت، تحقیق اور تنقید کے اعتبار سے بہت مشہور ہے۔ خود امام صاحب کا خیال تھا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا خود اس گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جو تکلم فرماتے ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو جامع ترمذی صرف حدیثوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ اس کتاب حدیثوں کی تعداد صحیحین کے مقابلے میں کم ہے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے۔ لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب

ہے۔ مجموعی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ آئمہ حدیث کے نزدیک بخاری و مسلم کے بعد جامع ترمذی کا درجہ ہے۔ ترتیب اور تہذیب کے اعتبار سے کتاب بڑی مفید ہے۔ جامع ترمذی کئی اعتبار سے دوسری کتب حدیث پر سبقت رکھتی ہے۔ علمائے حدیث کے نزدیک اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں اس کتاب کی سولہ شرحیں لکھی گئی ہیں۔

3.5- سنن نسائی

مؤلفہ امام احمد نسائی رحمۃاللہ علیہ (ولادت ١٥-٢١٤ھ وفات ٣٠٣ھ)

اس کتاب کے مولف امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپؒ خراسان کے شہر نسا میں ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے نسائی مشہور ہوئے۔ امام نسائی نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ پہلے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کی۔ بعد میں اس کتاب سے صرف صحیح حدیثوں کو منتخب کر کے موجودہ سنن کی شکل دی۔ آپؒ نے اس کتاب میں عبادات اور احکام کی حدیثوں کو منتخب کر کے موجودہ سنن کی شکل دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں عبادات اور احکام کی حدیثوں کو بہت جگہ دی ہے۔ بعض آئمہ حدیث کے نزدیک نسائی علم حدیث کے ممتاز امام ہیں بعض دیگر محدّثین امام نسائی کو حفظ حدیث میں امام مسلم سے بھی بڑا مانتے ہیں۔

3.6- سنن ابن ماجہ

مؤلفہ امام محمد بن ماجہ رحمۃاللہ علیہ (ولادت ٢٠٩ھ وفات ٢٧٣ھ)

اس کتاب کو امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزدینی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کیا۔ آپ ایران کے مشہور شہر قزدین میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے قزدینی کہلائے۔ آپؒ نے ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں تفسیر قرآن، تاریخ اور سنن مشہور ہیں، لیکن آپؒ کی شہرت کا دارومدار سنن پر ہے۔ ابن

ماجہ بڑے معتبر محدّثین میں سے تھے۔ آپؒ کا حافظہ اور معلومات مسلم ہیں۔ یہ کتاب چار ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تصنیف کے بعد جب میں نے یہ کتاب حافظ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کتاب میں تیس سے زائد ضعیف حدیثیں نہیں ہیں۔ محدث حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اگر چند کمزور حدیثیں اس میں نہ ہوتیں تو یہ کتاب بہت عمدہ ہوتی۔ سنن ابن ماجہ کی ترتیب و تدوین میں دوسری کتب کے معیار کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی لیے کئی بزرگوں نے اسے صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا۔ بعض علمائے حدیث نے اس کتاب کی جگہ موطا امام مالک کو اور بعض نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ اس کے باوجود اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

3.7- مؤطا امام مالک

مؤلفہ امام مالك بن انس رحمۃاللّٰہعلیہ(ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ)

اس کتاب کے مؤلف امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپؒ ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۷۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپؒ حدیث وفقہ کے امام تھے۔ بڑے بڑے محدثین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ آپؒ کی مشہور حدیث "الموطا" ہے۔ جو ۱۴۳ھ میں تالیف ہوئی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو فقہی ابواب کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے اور صرف صحیح احادیث درج کی ہیں۔ موطا صحت کے اعتبار سے کتب احادیث میں بے نظیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین نے اسے بخاری و مسلم سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ موطا امام مالک کو زمانہ تالیف اور رتبہ کے لحاظ سے اولیت کا شرف حاصل ہے۔ بعد کے مولفین نے اس کتاب کی ترتیب اور انتخاب سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ بعض محدثین نے ابن ماجہ کی بجائے موطا کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بھی یہی ہے وہ موطا کے عاشقوں میں سے تھے جو مقبولیت موطا امام مالک کو نصیب ہو شاید ہی کسی کتاب کے حصہ میں آئی ہو۔ جب سے تالیف ہوئی اس وقت سے آج تک تعلیمی نصاب میں داخل ہے۔

3.8-مشکوٰۃ المصابیح

مؤلفه ولی الدین محمد بن عبدﷲ الخطیب رحمۃﷲعلیه

مشکوٰۃ المصابیح کے معنی ہیں چراغوں کا طاق۔ یہ کتاب گویا ایک طاق ہے اوراس کی ہر حدیث چراغ کی طرح ہے۔ اس کتاب کے مؤلف ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپؒ آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ آپؒ نے ۷۳۷ھ میں یہ کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کو ترتیب دیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ مولف مشکوٰۃ کے استاد حسین بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مجموعہ کی شدید ضرورت محسوس کی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے لائق ترین شاگرد ولی الدین محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ کوئی نیا مجموعہ تالیف کرنے کی بجائے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مصابیح السنہ'' کی کانٹ چھانٹ کر کے اسے مشکوٰۃ کی شکل دی جائے۔ چنانچہ مولف مشکوٰۃ نے استاد محترم کے حکم کے مطابق ''مصابیح السنہ'' کو بنیاد قرار دے کر اس پر مشکوٰۃ المصابیح کی عمارت استوار کی۔ ہر حدیث بیان کرتے وقت صحابی کا نام بیان کیا جس سے وہ حدیث روایت کی گئی ہے اور ساتھ ہی وہ ماخذ بتایا جہاں سے وہ حدیث لی گئی تھی۔ ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا۔ فصل اول میں وہ احادیث ذکر کیں جو بخاری ومسلم کے علاوہ محدثین امام مالک ترمذی ابو داؤد نسائی ابن ماجہ وغیرہ کی روایات ذکر کیں۔ فصل سوم میں باب کے مناسب احادیث اور اقوال صحابہ ذکر کیے۔ اب مشکوٰۃ میں کل ۵۹۴۵ احادیث ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح کو جو قبول عام حاصل ہوا شاید ہی کسی کتاب کے حصے میں آیا ہو۔ احادیث کا یہ مجموعہ مختلف مدارس فکر کے مسلمانوں میں آج تک سند کا درجہ رکھتا ہے اور اسلامی درس گاہوں میں سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔ اسی مقبولیت کا نتیجہ ہے کہ بڑی کثرت سے اس کی شرحیں لکھی گئیں۔ شروح کی یہ کثرت اس حقیت کی آئینہ دار ہے کہ مشکوٰۃ المصابیح تاریخ اسلام کے ہر دور میں بڑی مقبول رہی ہے۔ صحیحین کے بعد سب سے زیادہ شرحیں اسی کتاب کی لکھی گئیں۔

۴......خود آزمائی

۱) صحیح جملوں پر علامت (✓) لگائیے اور غلط جملوں کی تصحیح کیجئے؟

۱: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایک پیغام رساں کی ہے۔

۲: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہادی، قاضی اور مطاع بھی ہیں۔

۳: رسالت ایک شرعی منصب ہے۔

۴: قرآن ایک جامع کتاب ہے لہٰذا تشریح کی محتاج نہیں۔

۵: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر کتاب اللہ نہیں سمجھی جا سکتی۔

۶: ہر مذہب کا بہترین زمانہ اس کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔

۷: فقہ اسلامی کا مدار کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

۸: حدیث نبوی امت میں اتحاد پیدا کرتی ہے۔

۹: انکار حدیث سے قرآن کی تفسیر قرآن کی تحریف بن جائے گی۔

۲) ان جملوں میں غلط اور صحیح الگ الگ کیجئے؟

۱: احادیث کو کتابی شکل ایک عرصہ بعد دی گئی اس لیے حدیث کے ذخیرہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۲: تدوین قرآن کی تحریک عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور تدوین حدیث کی تحریک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی۔

۳: حدیث کی تدوین کا معاملہ تدوین قرآن سے مشابہ ہے۔

۴: عہد رسالت میں کتابت حدیث کی داغ بیل نہیں پڑی۔

۵: ابتدائے نزول قرآن میں آپ نے حکم دیا کہ سوائے قرآن مجید کے اور کوئی چیز نہ لکھی جائے۔

۶: اسماء الرجال کا فن مسلمانوں کی ایجاد اور ان کا امتیاز ہے۔

۳) خالی جگہوں کو پر کیجئے۔

ا: صحیفہ صادقہ حضرت........................کا مجموعہ ہے۔

۲: صحیفہ ہمام بن منبہ........................کی روایات کا مجموعہ ہے۔

۳: تابعین........................کے شاگردوں کو کیا کہتے ہیں۔

۴: تبع تابعین........................کے فیض یافتہ لوگوں کا خطاب ہے۔

۵: کتاب الصدقہ حضرت........................نے نقل کرا کر تمام علاقوں میں بھیجی۔

۶: صحیح بخاری کا اصل نام........................ہے۔

۷: امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو................برس میں مکمل کیا۔

۸: صحیح مسلم کا انتخاب امام مسلم نے................حدیثوں سے کیا۔

۹: ....کو صحیحین کہتے ہیں۔

۱۰: ....کو شیخین کہتے ہیں۔

۴) مندرجہ ذیل بیانات کو مکمل کیجئے؟

ا: جو حدیث بخاری و مسلم ہو اسے................کہتے ہیں۔

۲: سنن ابی داؤد کی احادیث کی کل تعداد................ہے۔

۳: حدیث کی کتاب................کو بزرگوں نے عجوبہ عالم کہا ہے۔

۴: ترمذی کی عربی زبان میں................شرحیں لکھی گئیں۔

۵: سنن ابن ماجہ .... حدیثوں پر مشتمل ہے۔

۶: ابن ماجہ کی جگہ .... اور .... کو صحاح ستہ میں شامل کیا گیا ہے۔

۷: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مجموعہ احادیث .... ہے۔

۸: مشکٰوۃ کے ہر باب میں .... فصلیں ہیں۔

۹: مشکٰوۃ کی بنیاد .... پر ہے۔

۱۰: مشکٰوۃ میں کل احادیث .... ہیں۔

۵) ذیل میں آئمہ حدیث اور ان کے سن وفات دیئے جا رہے ہیں۔ ہر امام کا نام لکھ کر اس کے سامنے ان کا صحیح سال وفات لکھئے؟

امام بخاری	امام مسلم	امام ابوداوٗد	امام ترمذی	امام احمد نسائی	امام محمد ابن ماجہ
۳۰۳ھ	۲۷۹ھ	۲۷۳ھ	۲۶۱ھ	۲۵۶ھ	۲۷۵ھ

۶) ذیل میں احادیث کے مجموعوں کے نام اور ان میں کل احادیث کی تعداد دی گئی ہے۔ کتاب کا نام لکھ کر اس کے سامنے کل احادیث کی تعداد لکھئے؟

صحیح بخاری	صحیح مسلم	سنن ابی داوٗد	مشکٰوۃ	سنن ابن ماجہ
۴۰۰۰	۹۰۸۲	۷۲۷۵	۴۸۰۰	۵۹۴۵

۵......جوابات

۱) صحیح جملے: ۳، ۴،۳، ۶، ۷، ۸، ۹

۲) غلط جملے: ۱، ۲، ۴

صحیح جملے: ۳، ۵، ۶

۳) خالی جگہوں کے لیے مناسب الفاظ۔

۱: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

۲: حضرابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۳: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

۴: تابعین رحمۃ اللہ علیہم

۵: عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

۶: الجامع الصحیح

۷: تین لاکھ

۸: صحیح بخاری اور امام مسلم

۹: امام بخاری اور امام مسلم

۴) بیانات کی تکمیل

۱: متفق علیہ۔

۲: ۴۸۰۰

۳: سنن ابی داؤد

۴: سولہ

۵: ۴۰۰۰

۶: موطا امام مالک، کتاب الدارمی

۷: موطا امام مالک

۹: تین

۱۰: مصابیح السنہ

۱۱: ۵۹۴۵

۵) ۱: امام بخاری وفات ۲۵۶ھ

۲: امام مسلم وفات ۲۶۱ھ

۳: امام داؤد وفات ۲۷۵ھ

۴: امام ترمذی وفات ۲۷۹ھ

۵: امام احمد نسائی وفات ۳۰۳ھ

۶: امام محمد بن ماجہ وفات ۲۷۳ھ

۶) ۱: صحیح بخاری تعداد حدیث ۹۰۸۲

۲: صحیح مسلم تعداد حدیث ۷۲۷۵

۳: سنن ابی داؤد تعداد حدیث ۴۸۰۰

۴: مشکوٰۃ تعداد حدیث ۸۹۴۵

۵: ابن ماجہ تعداد حدیث ۴۰۰۰

یونٹ 7

حدیث نبوی ﷺ

- ارکان اسلام
- اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- امر بالمعروف ونہی عن المنکر
- علم اور قوت کا حصول

تحریر: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کا تعارف

قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے۔ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات، گفتگو، اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو کہتے ہیں۔ تقریر کا لفظی معنی ہے کسی چیز کو برقرار رکھنا اور یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص نے کوئی کام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روکا نہیں تو وہ بھی حدیث ہے یعنی اس کام کا کرنا حدیث کی رو سے جائز ہے۔

پہلے پانچ یونٹ قرآن حکیم سے متعلق تھے، یونٹ نمبر ۶ آپ نے جمع و تدوین حدیث کے موضوع پر پڑھا۔ یونٹ نمبر ۷ تا ۹، تین یونٹ متن حدیث سے متعلق ہیں۔ یونٹ نمبر ۷ میں ارکان اسلام، جہاد، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، طلب علم کی فضیلت، حصول قوت کی اہمیت اور صحت وشباب کو غنیمت جاننے کے بارے میں احادیث اوران کی تشریح شامل ہے۔ ان میں دو عنوانات اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایسے ہیں جن پر آپ یونٹ تین اور پانچ میں قرآن کی آیات کی روشنی میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اب آپ حدیث کی روشنی میں ان موضوعات اور کچھ دوسرے موضوعات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں گے۔ زیر نظر یونٹ میں ارکان اسلام کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ آپ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد اس قابل ہوں گے کہ:

۱) ارکان اسلام لی اصطلاح کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کرسکیں۔

۲) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم اور تقاضوں کی وضاحت کرسکیں۔

۳) امر بالمعروف اور نہی المنکر کی عملی صورت پیش کرسکیں۔

۴) اسلام کی نظر میں علم کی فضیلت سے آگاہ ہوسکیں۔

۵) صحت اور قوت وشوکت اسلام کی نظر مین پسندیدہ ہیں۔ انہیں کہاں اور کیسے استعمال کرنے کے متعلق سیکھ جائیں۔

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
301	ارکان اسلام	-1
302	1.1 توحید ورسالت کا اقرار	
303	1.2 صلوٰۃ (نماز)	
307	1.3 زکوٰۃ	
310	1.4 حج	
313	1.5 روزہ	
318	1.6 جہاد	
321	خود آزمائی نمبر ۱	-2
322	اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	-3
325	خود آزمائی نمبر ۲	-4
326	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	-5

6-	علم اور قوت کا حصول	329
	6.1 طلب علم کی فضیلت	329
	6.2 حصول قوت کی اہمیت	331
	6.3 صحت وشباب کو غنیمت جاننا	333
7-	خود آزمائی نمبر ۳	335
8-	جوابات	336

ارکان اسلام

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، شَهَادَةِ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ وَ حَجِّ الْبَیْتِ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ "

(بخاری ومسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا، (۳) زکوٰۃ ادا کرنا، (۴) بیت اللہ کا حج کرنا، (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔"

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتایا ہے کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس عمارت کا حال ہوتا ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو کہ گر ان میں سے کوئی ایک ستون بھی گر جائے تو عمارت کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کا وہ حصہ جو اس ستون پر قائم ہے گر جاتا ہے عمارت کو مضبوط اور مستحکم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام ستونوں کو باقی رکھا جائے اور ان کی حفاظت

کی جائے یہی حال دین کی عمارت کا ہے اگر اس کے تمام ارکان کی حفاظت کی جائے گی تو یہ عمارت قائم ودائم رہے گی اور اگر اس کے کسی ایک یا بعض ارکان کو چھوڑ دیا گیا تو دین کی عمارت بھی منہدم ہو جائے گی۔

حدیث میں جن پانچ ارکان کا ذکر کیا گیا ہے ان کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے۔

1.1- توحید ورسالت کا اقرار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی پہلی بنیاد کلمہ ''لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ'' بیان کی اسے ''کلمہ طیبہ'' کہتے ہیں۔اس کے دو حصے ہیں۔

(۱) لا اِلٰہ الّا اللہ (۲) محمّدٌ رَّسول اللہ (ﷺ)

اس کلمہ کا پہلا حصہ اسلام کی حقیقی اور اولین بنیاد ہے اس کلمہ کے اقرار سے انسان اور انسان میں زبردست فرق ہوتا ہے اس کے معنی ہیں کہ تمام کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس لائق ہو کہ اس کی بندگی کی جائے اور اس کے آگے سر جھکایا جائے وہی ذات تمام طاقتوں کی مالک ہے تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں ''لا الٰہ الا اللہ'' کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس بات پر یقین رکھے کہ :

''اللہ ہی پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، صحت اور بیماری دینے والا اور اولاد دینے والا ہے اس کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے، کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہی عقیدہ توحید ہے''۔

کلمہ توحید کا دوسرا حصہ ''محمّدٌ رَّسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)'' ہے یہ عقیدہ رسالت کہلاتا ہے توحید کے ساتھ اہل اسلام کو اس بات کی شہادت دینے کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، توحید کے بعد اسلام کا

دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت ہے''۔

جب انسان نے یہ بات مان لی کہ صرف ایک اللہ کی بندگی ضروری ہے اور اس کی فرماں برداری کے بغیر آخرت کی نجات ممکن نہیں تو پھر انسان اس بات کا محتاج ہوا کہ کوئی ذات اور ہستی اسے یہ بتائے کہ اللہ ''وحدہ لاشریک'' کی فرماں برداری کس طرح کی جائے کن کاموں سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں؟ یہ بتانے کے لیے اللہ اپنے جن پسندیدہ بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے وہ رسول کہلاتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس بات کو تسلیم کرے کہ وہ جو کچھ پیش کر رہے ہیں اللہ کے حکم سے پیش کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔

قرآن نے اللہ کی اطاعت (فرماں برداری) کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ''کلمہ طیبہ'' توحید اور رسالت کی دو بنیادی عقیدوں پر مشتمل ہے۔

1.2- صلوٰۃ (نماز)

توحید و رسالت کے عقیدہ کے بعد اسلام کے چار عملی ارکان ہیں ان میں نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کتاب اللہ اور حدیث میں نماز کی بہت تاکید کی گئی ہے ارشاد ربانی ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

یعنی نماز قائم رکھو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو قرآن کریم میں جتنی مرتبہ نماز کا ذکر ہے اتنی مرتبہ کسی دوسری عبادت کا نہیں۔ نماز تربیت کا اہم حصہ ہے اس لیے ہر امت پر فرض رہی ہے تمام انبیاء اپنی امتوں کو نماز کی تلقین کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل، حضرت زکریا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم

السلام کے نمازی ہونے کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزارے مکی زندگی میں مسلمانوں پر صرف یہی ایک عبادت (نماز) فرض تھی۔ باقی عبادات مدنی زندگی میں فرض ہوئیں ابتداء میں صبح و شام کی دو نماز فرض تھیں اور وہ بھی دو دو رکعت واقعہ معراج کے بعد دن رات میں نمازوں کی تعداد پانچ ہوگئی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر نماز باجماعت کا آغاز کیا گیا۔ مسجد نبوی تعمیر کی گئی رکعات کی تعداد نماز فجر کے علاوہ ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت کر دی گئیں اذان کا طریقہ رائج ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر، حضر، بیماری حتیٰ کہ جنگ کی حالت میں بھی نماز ترک نہیں کی عام مسلمانوں کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ کسی حال میں نماز نہیں چھوڑیں گے البتہ بعض مجبوریوں میں احکام نرم کر دیئے گئے ہیں مثلاً بیماری کی حالت میں اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت، سفر میں دو رکعت، پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی سہولت، خواتین کو ان کے بعض خاص دنوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی معراج اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہے قرآن کریم نے نماز کے بارے میں کہا کہ ''وہ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے''۔

حدیث میں آتا ہے کہ

> ''قیامت میں جب عبادات کے بارے میں سوال ہوگا تو سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''نماز ایمان اور کفر کے درمیان فرق کرتی ہے''۔

نماز پنج گانہ کے علاوہ جمعہ، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں بھی مسلمانوں پر واجب ہیں نماز پنج گانہ اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں یہ فرق ہے کہ پنج گانہ نمازیں جماعت کے بغیر تنہا پڑھنے سے بھی ادا ہو جاتی ہیں مگر

جمعہ اور عیدین کی نمازیں جماعت کے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

الف: نماز کے انفرادی فوائد

۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو "اللہ کے بندہ کی مناجات اور سرگوشی" سے تعبیر کیا ہے گویا نماز کے ذریعہ بندہ دن میں پانچ بار اپنے معبود برحق کے حضور کھڑا ہوتا ہے اور اس سے سرگوشی کرتا ہے۔

۲) نماز کے ذریعے بندہ اس حقیقت اور اپنے اس اذعان و یقین کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے مالک اور حاکم ہیں اور میں ان کا عاجز و ناتواں بندہ ہوں۔

۳) نماز مسلمان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ اسے اپنے معبود حقیقی سے قرب حاصل ہے اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے اللہ کے قریب ہونے کا احساس مسلمان کی روحانی تسکین اور تقویت کا باعث بنتا ہے۔ اس کے دل سے غیر اللہ کا خوف مٹ جاتا ہے اس کی نظر اس بات پر رہتی ہے کہ جب میں دن میں پانچ بار احکم الحاکمین اور ربّ العالمین کے دربار میں حاضر ہوتا ہوں اسے میری ہر بات کا علم ہے پھر مجھے کسی سے ڈرنے کسی کے آگے سر جھکانے اور ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔

۴) انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بڑی اور قابل احترام ہستی کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ اچھی حالت میں پیش کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اس کی ناگواری کا باعث بنے، اللہ جو سب سے عظیم ہستی ہے اس کی بارگاہ میں قرب اور حاضری سے آدمی کے دل میں یقیناً یہ احساس پیدا ہوگا کہ وہ بری باتوں سے دور رہے اور کسی ایسے عمل کا ارتکاب نہ کرے جو احکم الحاکمین کی ناراضگی کا سبب بنے۔

۵) نماز، بندہ کے دل میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کے احساس کو پختہ کرتی ہے یہی احساس بندہ

کو شر، فساد، گمراہی اور بدی کو روکنے کا ذریعہ اور محرک بنتا ہے اور یہی مفہوم ہے ارشاد ربانی کا کہ ''نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''۔

٦) دن میں پانچ مرتبہ وضو کرنے سے آدمی صاف ستھرا اور تر و تازہ ہوتا ہے کپڑوں کی بھی پاکی اور صفائی کا خیال رکھتا ہے جسم اور کپڑوں کا پاک صاف رہنا صحت کے لیے ضروری ہے۔

ب: نماز کے اجتماعی فوائد

١) باہم انسانوں کے درمیان جو اونچ نیچ اور فرق مراتب ہے باجماعت نماز سے وہ ختم ہو جاتا ہے مسجد میں پہنچ کر دولت، تعلیم، عہدہ اور ذات پات کا فرق مٹ جاتا ہے سب ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

٢) دن میں جب پانچ بار ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں تو آپس میں میل جول بڑھتا ہے۔ محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے مسائل اور حالات کا علم ہوتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی مدد کرنے اور اس کے کام آنے کا موقع ملتا ہے۔

٣) جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بطور خاص مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہوا ہے جب ہزاروں مسلمان رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کے امتیازات سے بے نیاز ہو کر صفیں باندھ کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے ان میں فکری وحدت اور عملی مساوات کا احساس بیدار ہوتا ہے۔

٤) باجماعت نماز میں ایک امام کا تقرر اور اس کی پیروی مسلمانوں میں اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ فکری ہم آہنگی، عملی مساوات اور ایک قائد کی قیادت پر بھرپور اعتماد اور بھروسہ۔ مسلمانوں کو کسی مشکل سے مشکل اور پیچیدہ مہم کو سر کرنے میں مدد دیتا ہے۔

٥) مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے اور علاقے کے لوگوں کو ان میں بار بار مسجد میں آتے

جاتے دیکھ کر بے نمازی لوگوں کو بھی نماز کی ترغیب وتحریض ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

1.3- زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنی بڑھنے اور پاک صاف ہونے کے ہیں۔قرآن کریم میں یہ لفظ پاک صاف ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (سورۃ اعلیٰ) یعنی کامیابی سے ہم کنار ہوا وہ شخص جو پاک صاف ہوا، اس کا مقصد اس کے نام ہی سے ظاہر ہے دوسری عبادات کی طرح اس سے بھی مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اپنے نفس کی تشبیہہ اور تزکیہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر برائیوں کی جڑ مال اور مرتبے کی محبت ہے بلکہ مال کی محبت، مرتبے کی محبت سے بھی زیادہ عام ہے اور فتنہ وفساد کا ذریعہ بنتی ہے زکوٰۃ انسانوں کے دل سے مال کی محبت ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

1.3.1-زکوٰۃ کی اہمیت

ارکان اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت نماز کے بعد سب سے زیادہ ہے قرآن کریم میں جہاں نماز کی فرضیت ،حکم اور فضیلت بیان کی گئی ہے اکثر مقامات پر زکوٰۃ کو بھی اس کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔

نماز کی طرح زکوٰۃ بھی پچھلے انبیاء کی شریعتوں کا حصہ رہی ہے حضرت اسماعیل اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پابند زکوٰۃ ہونے کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

پچھلی امتوں کے نیک لوگوں اور ان کے اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ لوگوں کی ایک خاص صفت زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا، بیان کی گئی ہے۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کے بار بار ذکر سے (قرآن مجید میں) یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کی اہمیت نماز کے قریب قریب ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ کا جو

م ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب عرب کے بعض قبائل نے اسلامی ریاست کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا تو خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کیا تھا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس اقدام کی توثیق کی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی طرح زکوٰۃ کا بھی ایک مربوط اور باضابطہ نظام مقرر فرمایا مسلمانوں کو اس کے تفصیلی احکام بتائے اور اس نظام کو اجتماعی سطح پر چلانا اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔

انسان جو بھی دولت کماتا ہے وہ اللہ کی مرضی اور اس کے فضل و کرم سے کماتا ہے اور اس دولت میں سے اللہ کے حکم پر تھوڑا سا بھی خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وشفقت سے اس کے ایثار کی اتنی قدر کرتے ہیں کہ اس کے خرچ کیے ہوئے مال کو اپنے ذمہ قرض قرار دیتے ہیں اور وعدہ فرماتے ہیں کہ بندہ کا یہ قرض کئی گنا بڑھا کر واپس کرینگے اور جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے گریز کریں گے ان کے لیے دردناک عذاب کی خبر ہے۔

1.3.2- احکام زکوٰۃ

احادیث مبارکہ سے زکوٰۃ کے بارے میں بہت تفصیلی احکام ثابت ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں مختصراً یہ جان لینا ضروری ہے کہ کتنے قسم کے اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہیں وہ اقسام حسب ذیل ہیں۔

نقد روپیہ   سونا چاندی   زرعی پیداوار   مویشی (بھیڑ بکری، گائے بیل بھینس، اونٹ)

معدنیات   دفینہ

دفینہ اور معدنیات کے علاوہ تمام اقسام کی کم از کم مقدار مقرر فرمائی جس پر زکوٰۃ لی جائے گی اس مقدار کو ''نصاب'' کہا جاتا ہے شرح زکوٰۃ بھی مقرر فرمادی جس کی چار قسمیں ہیں۔

بیس فیصد، دس فیصد، پانچ فیصد، ڈھائی فیصد

1.3.3- معاشی ومعاشرتی فوائد

زکوٰۃ انسانوں کے درمیان ہمدردی اور ایک دوسرے کی مالی امداد و امانت کا نام ہے جس طرح اسلام کا روحانی نظام ایسی نماز با جماعت سے قائم ہے جو مسجد میں ادا کی جائے اسی مادی نظام زکوٰۃ سے قائم ہے جو بیت المال میں جمع ہو کر غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم ہو۔

سودی نظام معیشت میں ہمیشہ سرمایہ کو محنت کے مقابلہ میں برتری حاصل رہی ہے. جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار اپنے حصہ اور حق سے کہیں زیادہ دولت کماتا ہے اور محنت کش اور کارکن کو اس کی محنت کا کم سے کم معاوضہ ملتا ہے اس طرح سرمایہ دار مزید دولت مند اور محنت کش غریب تر ہوتا رہتا ہے نظام زکوٰۃ اس غیر متوازن صورت حال کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

1.3.4- مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ کہاں کہاں دی جاسکتی ہے اور کن مدات میں اس کا خرچ کرنا جائز ہے اس کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (التوبه : ٦٠)

اس آیت میں درج ذیل قسم کے لوگوں کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا گیا ہے۔

۱) **فقراء:** جن کے پاس کسی قسم کا مال نہ ہو اور نہ کسی پیشہ سے وابستہ ہوں۔

۲) **مساکین:** جن کے پاس مال ہو اور کوئی پیشہ بھی رکھتے ہوں مگر اس سے گزر بسر نہ ہوتی ہو۔

۳) **عاملین:** وہ ملازم اور کارکن جو زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم پر معین ہوں۔

۴) **مولفة القلوب:** وہ لوگ جو نئے نئے اسلام لائے ہوں ان کی تالیف قلب مقصود ہو۔

۵) **الرقاب:** وہ لوگ جو غلامی کے بندھن میں گرفتار ہوں انہیں آزاد کرایا جائے۔

۶) **غارمین:** وہ قرض دار جو اپنے قرض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائیں۔

۷) **فی سبیل اللہ:** جو لوگ جہاد میں جانا چاہیں اور جہاد میں جانے کے لیے مالی وسائل نہ رکھتے ہوں ان کی مدد کرنا۔

۸) **ابن السبیل:** وہ مسافر جو سفر میں گھر جائے گھر واپسی کا خرچ نہ رہے اگرچہ گھر پر اس کے پاس روپیہ پیسہ ہو ایسے شخص کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

جب اسلامی ریاست موجود ہو اور نظام بیت المال بھی ہو تو مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرائیں۔ البتہ غیر اسلامی حکومت میں رہنے والے مسلمان باہمی تنظیموں، ایک دوسرے کے تعاون یا انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ تنظیمیں اسلامی احکام کے مطابق صحیح مصارف پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کریں۔

1.4- حج

حج اسلام کا چوتھا رکن ہے اس کے لفظی معنی قصد اور ارادے کے ہیں اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد وارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ میں جا کر وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور مکہ کے دوسرے مقدس مقامات کی زیارت اور وہاں حاضر ہو کر کچھ مخصوص اعمال وافعال بجالانے کا نام ہے۔

دوسری عبادات کی طرح اس کی غرض و غایت بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی ہی ہے۔ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اس کی امت کو ایک خاص تعلق ہے حج دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہی کی عبدیت اور فدائیت کی نسبت کا ایک ظاہری اور باطنی خاکہ ہے اور حج کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ وہاں پہنچے وہ عمر میں ایک دفعہ

اللہ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے اس کے خلیل کی ہیئت بنا کر پہنچے اور ان کے کامل عبدیت اور کامل محبت والے مسلک سے اپنی وابستگی کا ثبوت دے۔ اور اپنے ظاہر و باطن کو ابراہیمی رنگ میں رنگنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔

نماز ہر روز پانچ مرتبہ لازم ہے روزہ اور زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن حج ایسی عبادت ہے جو مسلمانوں پر (خواہ وہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو) زندگی میں صرف ایک بار چند شرائط کے ساتھ فرض ہوتا ہے۔

1.4.1- حج فرض ہونے کی شرائط

یعنی وہ شرائط جن کا پایا جانا حج کے فرض ہونے کے لیے ضروری ہے اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حج فرض نہیں ہوتا یہ شرائط سات ہیں۔

۱) **مسلمان ہونا:** غیر مسلمان پر حج فرض نہیں ہے

۲) **بالغ ہونا:** بالغ ہونے سے پہلے حج فرض نہیں ہوتا اگر کسی نے بالغ ہونے سے پہلے حج کرلیا تو بالغ ہونے کے بعد اگر اس پر حج فرض ہوا تو اسے دوبارہ حج ادا کرنا پڑے گا۔

۳) **عاقل ہونا:** اگر کوئی مجنون اور دیوانہ ہے تو اس پر حج فرض نہیں اگر اس نے کسی کے ساتھ حج کرلیا تو وہ بھی درست نہ ہوگا۔

۴) **آزاد ہونا:** غلام اور کنیز پر حج فرض نہیں اگر وہ مکے میں رہتے ہوں تب بھی ان پر حج فرض نہیں۔

۵) **وقت ہونا:** وقت سے مراد حج کے مہینے ہیں۔ یعنی شوال، ذی قعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے، اگر ایک شخص میں باقی چھ شرائط پوری ہوگئیں مگر وہ حج کا وقت شروع ہونے سے پہلے فوت ہوگیا اور اس پر حج فرض نہ ہوگا۔

۶) **صحت مند ہونا:** صحت مند ہونا ضروری ہے اگر کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے خود اسے تکلیف ہوگی یا اس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی تو حج فرض نہ ہوگا۔

۷) **استطاعت:** استطاعت سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کے لیے وہ تمام صلاحیتیں موجود ہوں جو

اس کام کو انجام دینے کے لیے ضروری ہے۔

استطاعت کے مفہوم میں یہ امور داخل ہیں کہ

''آدمی اتنا کمزور اور بوڑھا نہ ہو کہ سفر نہ کر سکے معذور نہ ہو، سفر خرچ موجود ہو، سواری ہو گھر والوں کے خرچ کے لیے رقم ہو، راستہ مامون و محفوظ ہو، قانونی اجازت موجود ہو''۔

1.4.2-حج کی اہمیت

حج کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی استطاعت اور شرائط پانے کے باوجود بھی حج نہ کرے تو اس کے اس عمل کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کی طرف سے فرض ہے (اس کے) گھر کا حج اور جو کفر وانکار کرے تو اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے''۔

حج ایسی عبادت ہے جس میں دوسری تمام عبادتوں کی روح شامل ہے۔اس میں نماز بھی ہے۔قربانی بھی ہے۔مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزہ کی سی کیفیت رکھتا ہے۔گھر سے دوری اور سفر کی تکلیف میں جہاد کا رنگ ہے۔

1.4.3-اجتماعی فوائد

حج کا اصل مقصد اور غرض و غایت تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ کرنا ہے مگر اس کے علاوہ بعض معاشی اور معاشرتی فوائد بھی ہیں مثلاً:

اسلامی اتحاد و اتفاق اور یکجہتی کو برقرار رکھتا ہے دنیا کے گوشہ گوشہ سے مسلمان جمع ہوتے ہیں مختلف رنگ نسل، علاقے اور زبان کے لوگ ایک ہی جگہ،ایک ہی وقت میں جمع ہو کر ایک ہی جیسے اعمال و افعال بجا لاتے

ہیں اس سے اسلامی اتحاد اور محبت و اخوت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

عام مسلمانوں کے علاوہ مسلمانوں کے سربراہ، قائدین اور علماء بھی جمع ہوتے ہیں آپس کے اجتماعی مسائل پر تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے اس طرح مسلمانوں کے بہت سے مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے۔

مختلف علاقوں سے آنے والے حجاج باہم لین دین اور خرید و فروخت بھی کرتے ہیں اس طرح مسلمانوں کو معاشی نفع حاصل ہوتا ہے اور آپس میں تجارتی روابط قائم ہوتے ہیں۔

1.5- روزہ

نماز اور زکوۃ کی طرح روزہ بھی اسلام کا ایک رکن ہے روزہ جس طرح امت مسلمہ پر فرض ہے اسی طرح پچھلی تمام امتوں پر بھی فرض رہا ہے قرآن حکیم نے اس کی نشان دہی کی ہے۔

﴿يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

ترجمہ : اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے۔تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ''۔

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ روزہ اتنی اہم اور عظیم الشان عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء اور مرسلین پر اور ان کی امتوں پر فرض کی۔ دوسرے یہ کہ اپنے نزدیک اس کی مقبولیت اور پسندیدگی کی بناء پر اپنی آخری اور بہترین امت یعنی مسلمانوں پر بھی اس عبادت کو فرض کیا تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے نماز سے زکوۃ سے اور حج سے اللہ کا منشاء یہ ہے کہ بندوں میں پاکیزگی نفس، حسن اخلاق اور لوگوں سے ہمدردی اور محبت پیدا ہو۔ اسی طرح روزہ کا مقصد بھی یہ ہے کہ آدمی رذائل سے پاک صاف ہو اس میں طہارت نفس پیدا ہو غریبوں مسکینوں اور بیکسوں سے ہمدردی اور غم خواری کا جذبہ بیدار ہو اور

انسان دوسروں کے دکھ درد کا مداوا کرنا سیکھے۔

''صوم'' کے معنی کسی کام سے رک جانے کے ہیں خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو گفتگو کرنے سے یا چلنے پھرنے سے۔ اسی بنا پر اگر گھوڑا چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے رک جائے تو اسے ''صائم'' کہتے ہیں۔ تھمی ہوئی ہوا اور دوپہر کے وقت کو بھی ''صوم'' کہتے ہیں اس تصور کی بنیاد پر کہ اس وقت سورج وسط آسمان پر ٹھہر جاتا ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے رک جانے کا نام ''صوم'' ہے کیونکہ روزہ کی حالت میں بھی آدمی دن کے وقت کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جاتا ہے اس لیے اسے ''صوم'' سے تعبیر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر یہ بات لازم کی گئی ہے کہ صوم (روزہ) کی حقیقت اور معنویت حاصل کرنے کے لیے وہ گناہوں کے ارتکاب سے باز رہیں زبان جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے سے رک جائے۔ کان فضول باتیں سننے سے باز رہیں۔ ہاتھ کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، قدم غلط راستے کی طرف نہ اٹھیں اور آنکھیں کسی ایسی چیز کو نہ دیکھیں جسے دیکھنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

رمضان کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سے لے کر آخری وقت تک خود بھی ہر سال رمضان میں روزے رکھے اور دوسرے تمام مسلمانوں کو بھی حکم دیا۔

روزہ کی سب سے نمایاں خصوصیات سحری کھانا، افطار کرنا اور نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھنا ہے اور پھر اختتام رمضان پر شوال کا چاند دیکھ کر نماز عیدالفطر سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا ہے۔

1.5.1-روزہ کے فضائل

روزہ کی فرضیت اس کا بنیادی مقصد اور بعض ضروری احکام خود قرآن حکیم نے بیان کیے۔ احکام مسائل کی تفصیلات اور ان کے فضائل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے معلوم ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''روزہ آتش دوزخ سے بچانے کے لیے ایک ڈھال ہے''

فرمایا: ''روزہ دار کی دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسرے اپنے پرودگار سے ملاقات کے وقت''۔

فرمایا:

''روزہ دار کو ایک خاص دروازہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا جسے ''باب الریّان'' یعنی سیرابی کا دروازہ کہتے ہیں''

فرمایا:

''ماہ رمضان کی پہلی دہائی (دس دن) سراپا رحمت ہے اس کی دوسری دہائی مغفرت ہے اور اس کی آخری دہائی دوزخ سے نجات اور چھٹکارے کے دن ہیں''

رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی بے شمار فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ فضیلتیں روزہ کی ظاہری صورت پوری کرنے والے کے حصہ میں نہیں آتیں اس کے لیے اسلام نے دو شرطیں لگائی ہیں اگر ان کی پابندی کی جائے گی تو روزے کی معنویت اور اس کے روحانی فائدے حاصل ہوں گے اور روزہ داران فضیلتوں اور نعمتوں کا مستحق بنے گا جن کی بشارت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں وہ دو شرطیں یہ ہیں۔

۱) پہلی شرط یہ ہے کہ ''من صام رمضان ایمانا واحتساباً'' یعنی رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اللہ کی رضا مندی خوشنودی اجر وثواب کے حصول کے لیے اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لیے رکھے جائیں۔

۲) دوسری شرط یہ ہے کہ صرف کھانے پینے کا روزہ ہو بلکہ تمام اعضاء کو ہر برائی سے روکے۔ آنکھ، کان، زبان کا بھی روزہ ہو۔

اس لیے روزہ دار، روزہ کی حالت میں قدم قدم پر اپنے اعمال وافعال کا محاسبہ بھی کرتا ہے۔ یعنی اس بات پر نظر رکھے کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں جن باتوں سے منع کیا ہے میں کہیں ان کا ارتکاب تو نہیں کر رہا ہوں۔ اور جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کے بجالانے میں کوئی کوتاہی تو سرزد نہیں ہو رہی ہے۔

جو شخص ان دو شرطوں کو پورا کرے گا، اس کے لیے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نوید ہے، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿کل عمل ابن اٰدم یضاعف الحسنة بعشر أمثالها الیٰ سبع مائة ضعف قال اللّٰہ تعالیٰ الّا الصّوم فاِنّه لی وانا اجزی به﴾

ترجمہ: آدمی کے ہر نیک عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے لیکن روزہ کی بات اور ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر (جتنا چاہوں گا) دوں گا۔

اور جس روزہ دار نے ان دو شرطوں کی بجا آوری نہ کی اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

”من لم یدع قول الزّور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامهٗ وشرابهٗ“

ترجمہ: جس شخص نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور غلط کاری کو نہ چھوڑا، تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

1.5.2-روزہ کے اجتماعی فوائد

اسلام کی تمام عبادتیں نماز، زکوٰۃ اور حج افراد پر فرض کی گئی ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انفرادی عبادتیں ہیں۔ ان کے فوائد بھی ان افراد تک محدود رہتے ہوں گے جو ان کو بجا لاتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ اسلام کی ہر عبادت انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ ہر عبادت کے فائدے ایک فرد اور ایک ذات کو بھی پہنچتے ہیں اور جماعت کو بھی۔ یہی صورت روزہ کی بھی ہے اس سے فرد کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ اس میں بھی پاکیزگی اور حسن اخلاق پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ چند اجتماعی فوائد بھی ہیں مثلاً

۱) انسان جب خود مہینہ بھر (دن میں) بھوکا پیاسا رہے گا تو اسے ان لوگوں کی بھوک پیاس کا احساس ہوگا جو اپنی غربت اور تنگدستی کے سبب بسا اوقات بھوکے پیاسے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں اسی احساس اور تجربہ سے ناداروں کی مدد اور ان سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوگا۔

۲) بسیار خوری اور وقت بے وقت کھانے سے افراد اور پھر معاشرے میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان سے حفاظت رہے گی۔

۳) ایک ہی وقت میں ایک علاقے میں جب بہت سے لوگ ایک ہی عبادت میں مصروف ہوں گے ایک ہی وقت میں سحری کھائیں گے، ایک ہی وقت میں افطار کریں گے اور ایک ہی وقت میں نماز تراویح ادا کریں گے۔ اس سے جہاں ذوق عبادت بڑھے گا۔ اللہ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔ وہاں باہمی یگانگت اور محبت و اخوت میں بھی اضافہ ہوگا۔

۴) اختتام رمضان پر صدقہ فطر کی ادائیگی سے بے شمار غریبوں اور حاجت مندوں کی مالی مدد ہوگی۔

1.5.3- رمضان اور نزول قرآن حکیم

فرضیت صیام کے علاوہ ماہ رمضان کو ایک اور وجہ سے بھی فضیلت حاصل ہے اور وہ یہ کہ اس میں نزول قرآن کی رات بھی ہے جسے قرآن "لیلة القدر" سے تعبیر کرتا ہے اسی رات کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ برکت

والی رات کہا گیا ہے قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس رات کا ذکر کیا ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ① وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ② لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ③ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ④

سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ⑤

ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا لیلۃ القدر میں اور تجھے کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے جس میں فرشتے اور روح اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اس رات میں طلوع صبح تک سلامتی ہے۔

1.6- جہاد

لغت میں جہاد کے معنی کسی کام کے لیے پوری کوشش کرنا۔اسلام کی زبان میں اللہ کے دین کا بول بالا کرنے اور دشمن کے مقابلے میں جان و مال اور زبان وقلم کی پوری قوت خرچ کرنے کا نام ''جہاد'' ہے۔

جہاد کی تین قسمیں ہیں:

ایک کھلے دشمن کا مقابلہ، دوسرے شیطان اور اس کے پیدا کیے ہوئے فاسد خیالات کا مقابلہ، تیسرے خود اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کا مقابلہ۔

مطلب یہ ہوا کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے راستے میں رکاوٹ بنے۔اسے دور کرنے کی کوشش کرنا جہاد ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اپنی جان کی بازی لگا دینا، جہاد کی سب سے اعلیٰ اور مشکل قسم

ہے۔قرآن کریم میں جو کہا گیا '' وَجَاهِدُوۡا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ''یعنی جہاد کرو، اللہ کی راہ میں پورا جہاد۔ یہ جہاد کی تینوں قسموں کو شامل ہے قرآن کریم کی بعض آیتوں میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو بھی جہاد کہا گیا

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جس شخص نے کسی غازی کو سامان جہاد مہیا کیا اس نے بھی جہاد کیا''

ایک حدیث میں مخالف حق قوتوں کی زبان سے مدافعت کو بھی جہاد کہا گیا ہے اور قلم چوں کہ ادائے مضمون ہی کے حکم میں ہے اس لیے اس کی کوشش کو بھی جہاد میں شامل ہے۔

جس طرح اسلام میں تمام نیک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اسی طرح جہاد کے لیے بھی ضروری ہے کہ نیت ٹھیک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''**انما الاعمال بالنیات**'' انسان کے اعمال کا مدار نیت پر ہے کسی نیک عمل کا ثواب بھی اسی وقت ملتا ہے جب اللہ کی خوشنودی پیش نظر ہو۔ اگر کوئی شخص خیرات کرتا ہے اس نیت سے کہ لوگ اسے سخی کہیں۔ وعظ و تقریر اس لیے کرتا ہے کہ عالم دین مشہور ہو جائے۔ جہاد اس لیے کرتا ہے کہ غازی یا شہید کہلائے۔ تو ایسے شخص کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کوئی اجر و ثواب نہیں بلکہ اس سے جواب طلب کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جس چیز کی نیت کی تھی وہ تجھے دنیا میں مل گئی اب مجھ سے کس چیز کا طلب گار ہے؟

1.6.1-جہاد کا فلسفہ

جہاد اگرچہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاد ان پانچوں ارکان کی روح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارکان اسلام کے ساتھ جہاد کی بھی لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔

کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ارکان اسلام کیا گیا۔ ارکان رکن کی جمع ہے اور رکن عربی زبان میں ستون کو کہتے ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کلمہ اسلام کی عمارت کی بنیاد و اساس ہے اور چار عملی ارکان یعنی نماز، روزہ وغیرہ اس کے ستون ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان ستونوں کی چھت اور سائبان کیا ہے؟ تو جہاد اسلام کے ان ستونوں کی چھت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح مکان چھت کے بغیر نہ مکمل ہے اور نہ آرام دہ۔ اسی طرح اسلام کی عمارت بھی جہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ جہاد کہ چھوڑ

دینا ایسا ہی ہے جیسے آدمی بے چھت کے مکان میں چلچلاتی دھوپ میں بیٹھ جائے۔ شر اور فساد کی تیز دھوپ، بارش اور آندھی سے جہاد کی چھت ہی بچا سکتی ہے۔

جہاد ایک ایسا فریضہ حیات ہے جس کے لیے تمام توانائیاں صرف کر دینے کا حکم ہے۔ زمان و مکان کی کوئی تحدید نہیں ہمت و طاقت اور گنجائش سے کم تیاری کی تو مجرم گردانے جاؤ گے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے ''وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ'' یعنی تم جہاد کے لیے تیار رہو۔ جتنی بھی تم میں قوت اور ہمت ہے۔ جہاد کی فرضیت اور فضیلت کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں جن سے جہاد کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسلمانوں کے قومی اور اجتماعی سر بلندی کا راز جہاد میں پوشیدہ ہے۔ جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے خود بھی معزز و محترم رہیں گے اور کلمہ حق کو بھی دنیا میں پھیلاتے رہیں گے اور جب جہاد چھوڑ دیں گے تو خود بھی مغلوب و مقہور اور بے وقار ہو جائیں گے اور اعلائے کلمۃ الحق کے منصب سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

1.6.2- مومن کا جہاد

اسلام نے رنگ، نسل، وطن اور زبان کی وحدتوں کو توڑ کر صرف ایک وحدت قائم کی، اور وہ ہے وحدت اسلام، اس وحدت میں مشرق و مغرب کے بسنے والے کالے اور گورے، عربی اور عجمی اور مختلف زبانیں بولنے والے سب یکساں شریک ہیں۔ یہ دنیا کی تمام وحدتوں سے وسیع تر ایک وحدت ہے۔

اس وحدت نے مسلمانوں کو ساری دنیا میں غالب کیا۔ انہوں نے دنیا کے کونے کونے میں اللہ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن دشمنوں نے جب اسلامی وحدت کی قوت دیکھی تو اس کو ختم کرنے کے لیے وطن پرستی اور نسل پرستی کے جذبات پیدا کیے۔ اور اس میں کافی حد تک کامیاب ہوئے اور یہ بات سامنے آگئی کہ مسلمان اسلامی وحدت سے ہٹ کر اور جہاد کے حقیقی مفہوم (اعلائے کلمۃ اللہ) کو چھوڑ کر جب بھی لڑے انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں سے بالا تر رکھا ہے۔ وہ صرف اللہ کے لیے اور اسلام کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ جو وطن یا نسب اللہ کی راہ میں حائل ہو وہ اسے قربان کر دیتا ہے۔ اسلام کی پہلی ہجرت (مدینہ) اور بدر و احد کے میدان یہی سبق دیتے ہیں۔

۲......خود آزمائی نمبر ا

۱) ذیل میں دی ہوئی باتوں میں سے ارکان اسلام پر (✓) کا نشان لگائیں؟

۱: اقرار توحید و رسالت ۲: جہاد ۳: زکوٰۃ ۴: اطاعت رسول

۵: امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۶: روزہ ۷: نماز

۸: قرآن حکیم ۹: حج ۱۰: حدیث

۲) کلمہ طیبہ کے کون کون سے دو جز ہیں۔

۳) اگر بیماری کی وجہ سے آدمی کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو کیسے نماز پڑھے۔

۴) زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے (عبادت، ٹیکس، بڑھنا)

۵) زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ایک کاغذ پر لکھیں اور انہیں اپنی کتاب سے ملا کر دیکھیں۔

۶) حج زندگی میں کتنی بار فرض ہے۔

۷) حج کی سات شرطیں لکھیں اور انہیں اپنی کتاب کے ساتھ ملا کر دیکھیں۔

۸) صوم کا کیا معنی ہے۔

۹) رمضان اور قرآن حکیم کا کیا تعلق ہے؟

۳......اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہٖ (شرح السنہ للبغوی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو حقیقی ایمان اسی وقت نصیب ہوسکتا ہے جب اس کی تمام دلی خواہشات کلی طور پر اس ہدایت کے تابع ہو جائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

دنیا میں دو چیزوں پر خیر و شر کی بنیاد ہے۔

۱) انبیاء کی لائی ہوئی ہدایت

۲) خواہش نفس

ہر خیر اور بھلائی ہدایت کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے اور ہر برائی اور بدعملی خواہش نفس پر چلنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے فرمایا کہ حقیقی ایمان جبھی نصیب ہوسکتا ہے کہ اپنے نفس کی خواہشوں کو انبیاء کی لائی

ہوئی ہدایت کے تابع کردے۔

﴿عن انس بن مالك رضى الله عنه قال : قال صلى الله عليه وسلم : لا يؤمن احد كم حتىٰ اكون احبَّ اليه من والدہٖ وولدہٖ﴾

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔

اس حدیث میں سچے مومن کی نشانی ذرا مختلف انداز سے بیان کی۔ پہلی حدیث میں بتایا تھا کہ حقیقی ایمان اس وقت نصیب ہوسکتا ہے جب اپنی خواہشوں کو اس ہدایت کے تابع کردے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اس حدیث میں یہ فرمایا کہ ''مومن کامل جب ہوگا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نظر میں دوسرے تمام لوگوں حتیٰ کہ ماں باپ اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہو جائیں۔

اللہ نے اپنی محبت کے بعد رسول کی محبت پر اس لیے اتنا زور دیا ہے کہ محبت کے ذریعے اطاعت کرنا آسان ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی زیادہ محبت ہوگی۔ اتنا ہی اس کے احکام پر عمل کرنا آسان ہوگا۔ ہر انسان میں عزیز و اقارب اور خاص طور پر ماں باپ اور اولاد سے جو فطری محبت ہوتی ہے۔ شریعت نے اس سے منع نہیں کیا بشرطیکہ اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اور حکم دین میں محبت ہے اور قرآن حکیم کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین کا دوسرا بنیادی حصہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اسے ایمان کی صلاحیت نصیب ہوگی۔

۱) اسے اپنی ذات، عزیز و اقارب اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ہو وہ جتنی محبت اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتا ہو اتنی دنیا کے کسی فرد یا چیز سے نہ رکھتا ہو۔

۲) اگر کسی سے محبت کرے تو وہ بھی محض اللہ کے لیے کرے اور اگر کسی سے نفرت اور دشمنی کرے تو وہ بھی صرف اللہ کے لیے کرے (کہ نیک بندوں سے محبت کرنا اور برے لوگوں سے نفرت کرنا اللہ کا حکم ہے

۳) وہ شخص اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اتنا ناپسند کرتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

﴿عن ابی هريرة رضى الله عنه قال : سمعت رسول صلى الله عليه وسلم يقول: ما نهيتكم عنه فاجتنبوه وما أمرتكم به فأ توا منه مااستطعتم﴾ (بخاری ومسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ میں تمہیں جس چیز سے روکوں اس سے رک جاؤ اور جس چیز کا حکم دوں اسے امکانی حد تک بجالاؤ''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو بہت سی قرآنی آیات اور احادیث میں ہر مسلمان کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے یہی مضمون سورہ حشر کی آیت نمبر ۷ میں بھی بیان کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے کہ: '' وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا '' (الحشر: ۷) یعنی رسول تم کو جو کچھ عطا کرے اسے لے لو اور جس بات سے تم کو روکے اس سے رُک جاؤ۔

قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (فرماں برداری) کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے: مَنْ

يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه ''جس شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

سورۂ احزاب کی آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ حقیقی کامیابی سے وہی شخص ہم کنار ہوگا جو اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا۔

متعدد قرآنی آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت میں عزت و آبرو کی زندگی گزارنے اور فوز وفلاح حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت بھی ممکن نہیں۔

۴......خود آزمائی نمبر۲

۱) صحیح جواب پر نشان لگائیں۔

ا: جہاد کا لغوی معنی ہے۔

جنگ کرنا، دشمن کا مقابلہ، اپنے نفس کو ناجائز خواہشات کا مقابلہ، پوری کوشش کرنا

۲) جہاد کی تین قسمیں کون کون سی ہیں؟

۳) جہاد کے ساتھ نیت کا تعلق بتائیں؟

۴) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیت کا تعلق بتائیں؟

۵) وہ کون سی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کی بنیاد ہے؟

۶) ایمان کی حلاوت آدمی کو کب نصیب ہوتی ہے؟

۷) حدیث پاک میں سچے مومن کی کیا نشانی بتائی گئی ہے؟

۵...... امر بالمعروف و نہی عن المنکر

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من رأى منکم منکرا فلیغیّره بیده فان لم یستطیع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبه و ذلك اضعف الایمان﴾ (صحیح مسلم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے جب کوئی برائی کو دیکھے تو اگر طاقت رکھتا ہو تو اسے ہاتھ (طاقت) سے بدلنے (یا روکنے) کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر زبان سے اس کو بدلنے یا روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنے دل ہی سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

معروف: جانی پہچانی اور پسندیدہ چیز منکر اوپری اور ناپسندیدہ چیز، معروف و منکر کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے۔

معروف: عقل اور شریعت کی نظر میں پسندیدہ چیز منکر اس کی ضد۔

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر مسلمان پر یہ بات لازم ہے کہ وہ جہاں بھی کوئی برائی دیکھے اسے روکنے کی کوشش کرے اور اس کے تین درجے بتائے ہیں۔

ا: اگر طاقت اور اقتدار حاصل ہو اور اس کے ذریعے اسے روک سکتا ہو تو طاقت استعمال کرے اسے

روکے۔

۲: اگر قوت واقتدار حاصل نہیں تو پھر زبانی افہام وتفہیم اور وعظ ونصیحت کے ذریعے برائی کو روکنے کی کوشش کرے۔

۳: اگر حالات اتنے ناسازگار ہوں کہ حق بات کہنے کی بھی اجازت نہ ہو زبان کھولنے پر دار و رسن کی آزمائش ہو تو پھر آخری درجہ یہ ہے کہ دل میں اسے برا سمجھتا رہے اس آخری درجہ کو ایمان کا کمزور ترین درجہ کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بات اس حد تک نہ پہنچے کہ آدمی برائی کو برائی سمجھنا بھی چھوڑ دے۔ یہ بات مومن کی شان سے بعید ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام میں بہت اہم مسئلہ ہے۔ اس پر ایمان کی پختگی کا مدار ہے۔ اس سے زندگی صحیح اور سیدھے راستہ پر چلتی ہے اسی سے امت مسلمہ میں وحدت اور محبت واخوت پیدا ہوتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: تمام انبیاء کی دعوت کی اساس ہے انہوں نے اس فریضہ کو بہت عمدگی سے انجام دیا ہے اور اس سے اعلیٰ ترین مقاصد حاصل کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ بتایا ہے جس میں اس کی دنیا اور آخرت کی بھلائی پوشیدہ ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت امت مسلمہ میں ایسا نظام حق موجود ہو کہ اس کے افراد، جماعتیں، حکمران محکوم، علماء اور عوام سب ایک دوسرے کو حق کی تلقین کریں۔ بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی صفت کے طور پر بیان کیا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبہ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور

برائی سے روکتے ہیں"۔

حق کی تلقین کرنے اور بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے اور اس کے فرائض میں شمار کیا ہے

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم نے ان کو زمین میں قوت حکومت بخش دی تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے"۔

بھلائیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کو ختم کرنا۔ اسلام کا یہ حکم کسی خاص دور، خاص معاشرے اور خاص طبقے کے لیے نہیں ہر زمانے اور ہر معاشرے کے لیے عام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی ہے اور چھوڑ دینے پر تہدید فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو۔ بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا۔ یا تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح بنی اسرائیل پر کی"۔

بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس طرح ایک معاشرے کو صالح معاشرے کے طور پر باقی اور قائم رکھا جا سکتا ہے ورنہ برے لوگوں کی برائیاں وبائی امراض کی طرح پھیل جائیں اور پورا معاشرہ بے چینی اور افراتفری کا شکار ہو جائے۔

۶......علم اور قوت کا حصول

6.1- طلب علم کی فضیلت

عن معاوية بن ابی سفیان رضی الله عنهما يقول: سمعت النبّی صلی الله علیه وسلم یقول: " من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدّین وانما انا قاسم والله یعطی ولن تزال هذه الأ مة قائمة علی أمر الله لا یضرهم من خالفهم حتی یأ تی امرالله "

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس میں دین کی سمجھ پیدا کر دیتے ہیں اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو حقیقت میں اللہ ہے۔ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور اس کے مخالفین اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین میں سمجھ پیدا ہو جانا خیر عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس خیر عظیم کا حصول انسان کے اپنے اختیار میں نہیں کہ محنت اور کوشش سے اسے حاصل کرے۔ یہ اللہ کی عطا ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی اس عطا اور نعمت سے نواز دیتا ہے اس ارشاد مبارک میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو سمجھنے

فائدہ اٹھانے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت بھی ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "تفقهوا قبل ان تسودوا"۔ یعنی بڑا بننے اور کسی منصب پر فائز ہونے سے پہلے سمجھ حاصل کرلو اور سمجھ سے یہاں علم بھی مراد لیا گیا ہے سوجھ بوجھ اور علم اگر نہیں ہوگا تو آدمی اپنے فرائض منصبی صحیح طور پر ادا نہیں کر سکے گا۔ دوسرے یہ کہ سیادت اور بڑائی کے بعد آدمی اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ علم حاصل نہیں کر سکتا اور شرم وحیاء بھی مانع ہوتی ہے۔

اسلام میں جس طرح خود علم حاصل کرنے کی تاکید اور فضیلت ہے اسی طرح دوسروں کو بھی علم سکھانے کی فضیلت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

> ترجمہ: اللہ نے جو ہدایت اور علم مجھے عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال اس بارش کی سی ہے جو زور سے برستی ہے۔ اچھی زمین اُسے جذب کر لیتی ہے اور اس میں خوب گھاس اور سبزہ اگتا ہے اور جو زمین پتھریلی ہوتی ہے اس پر پانی بھر جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے بندوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں بندے خود بھی پانی پیتے ہیں اور دوسروں کو بھی پلاتے ہیں کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں زمین کا ایک حصہ چٹیل میدان کی طرح ہوتا ہے اس میں نہ پانی جمع ہوتا ہے اور نہ سبزہ اگتا ہے تو یہ دو مثالیں ہیں ایک وہ جسے اللہ کے دین کی سمجھ ہے وہ خود بھی پڑھتا ہے دوسروں کو بھی پڑھاتا اور انہیں نفع پہنچاتا ہے دوسرا وہ جو اس ہدایت اور علم کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے جو مجھے دیا گیا ہے۔" (بخاری)

انسان دنیا میں جن معاملات سے وابستہ ہے وہ بھی علم کے بغیر درست نہیں ہوتے۔ انہیں صحیح طور پر انجام دینے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے علم کا حصول ضروری ہے۔ اور ایک مسلمان کو جتنی ضرورت اپنی دنیا سنوارنے کی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت عاقبت اور آخرت سنوارنے کی ہے۔

جس پر اس کی دائمی نجات اور فلاح و بہبود کا تعلق ہے امور آخرت بھی جب ہی درست ہو سکتے ہیں کہ

علم حاصل کیا جائے جب علم نہ ہوگا تو عمل کیسے کیا جائے گا علم ہونا ضروری ہے چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' (ابن ماجہ) یعنی علم حاصل کرنا امت مسلمہ کے ہر فرد پر لازم ہے۔

بعض حضرات نے علم کو قرآن، حدیث اور فقہ تک محدود کردیا یہ درست نہیں۔ ہر اس علم کا سیکھنا مسلمان پر فرض ہے جس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اور مسلمانوں کی بقاء کے لیے ضروری ہو صرف اس علم کا سیکھنا ممنوع ہوگا جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو۔

6.2- حصول قوت کی اہمیت

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبّی صلّی الله علیه وسلم قال: المؤمن القویّ خیر واحب من المؤمن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ما ینفعك و استعن بالله ولا تعجز و ان اصابك شئ فلا تقل ، لو انی فعلت کان کذا و کذا ولکن قل قدّر الله وماشآالله فعل فانّ لو تفتح عمل الشیطان (مسلم)

''طاقت ور مسلمان اللہ کے نزدیک کمزور مسلمان کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور پیارا ہے اور ہر چیز میں بھلائی ہے اور ہر وہ چیز جو تجھے نفع پہنچائے اس کی خواہش کر اور اللہ سے مدد مانگ اور کوئی کمزوری نہ دکھا اور اگر تجھے اس میں کچھ تکلیف پہنچ جائے تو یہ نہ کہہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا بلکہ یوں کہہ اللہ نے یہی مقدّر کر دیا تھا اور جو چاہا اس نے کیا کیوں کہ یہ اگر مگر شیطان کا کاروبار کھولتا ہے''۔

اس حدیث میں چار باتوں کی تعلیم دی گئی ہے تقدیر توکل، صبر اور شکر۔ یہ چاروں تعلیمات اس لیے ہیں

کہ مسلمانوں میں حوصلہ مندی، عزم واستقلال اور ثابت قدمی پیدا ہو۔ ایک مسلمان میں سب سے پہلے اہم اور بڑے کام کا پختہ ارادہ پیدا ہونا چاہیئے پھر اس ارادہ کے ساتھ اللہ پر بھروسہ اور توکل کر کے کام شروع کر دینا چاہیئے اگر کام میں کامیابی ہو تو فخر اور غرور کے بجائے دل سے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اسی کے فضل وکرم سے ہوا اور اگر ناکامی ہو تو دل میں مایوسی اور ناامیدی کے بجائے صبر وثبات پیدا ہونا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ کا منشا یہی تھا (یہی تقدیر ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہترین امت کہا ہے اور ان کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بدی اور فتنہ وفساد کے خلاف جہاد کریں جہاں اللہ کی نافرمانی ہوئی دیکھیں اسے روکنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں ان کی قدرت اور اختیار میں ہو حق کا کلمہ بلند کریں لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔

یہ تمام ذمہ داریاں ظاہر ہے صرف اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہیں جب مسلمان طاقت ور ہوں ان کے پاس روحانی قوت کے ساتھ جو کہ اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے ظاہری طاقت اور مادی ساز وسامان بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ'' یعنی تم اپنی قدرت واستطاعت کی حد تک مادی ساز وسامان تیار کرو۔ تاکہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کر سکو۔ اپنا تشخص اور انفرادیت قائم رکھ سکو۔ اپنی آزادی برتری اور غلبہ کو محفوظ رکھ سکو۔ مادی ساز وسامان کی فراوانی ہی دشمن کو مرعوب کر سکتی ہے اور دشمن مسلمانوں کے غلبہ اور بالادستی کو چیلنج کرنے سے باز رہ سکتا ہے۔

کمزور اور بے دست وپا مسلمان نہ اللہ کے دین کو دنیا میں یا دنیا کے کسی حصہ میں غالب کر سکتے ہیں۔ نہ حق کی تبلیغ کر سکتے ہیں اور نہ اپنا دینی وملی تشخص ہی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور ایک طرح مسلمانوں سے مطالبہ بھی ہے کہ اس کا دین (اسلام) تمام ادیان پر غالب ہو۔ سر بلند ہو، اس فرمان الٰہی کو پورا کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ہر لحاظ سے مضبوط اور طاقتور بنائیں۔

6.3- صحت وشباب کوغنیمت جاننا

عن عمرو بن میمون رضی اللہ عنه قال: قال رسول صلی اللہ علیه وسلم لرجل وهو يعظهٗ : " اغتنم خمسا قبل خمس ، شبابك قبل هرمك و صحتك قبل سقمك و غناك قبل فقرك و فراغك قبل شغلك وحيوٰتك قبل موتك" (ترمذی)

''عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جان، صحت کو بیماری سے پہلے تونگری کو افلاس سے پہلے، بےفکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے''۔

جوانی بہت بڑی نعمت ہے بشرطیکہ اسے آدمی بھلائی کے کاموں میں صرف کرے جہاد کا موقع آئے تو سب سے بہتر جہاد جوان آدمی ہی کرسکتا ہے۔اسی طرح صحت مند آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی زیادہ کرسکتا ہے اور بھلائی کے کاموں میں بھی زیادہ حصہ لے سکتا ہے۔ مال داری بھی اس صورت میں نعمت ہے کہ آدمی اسے غلط کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے نیک کاموں میں خرچ کرے۔ دوسروں کے کام آئے۔ بےفکری بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ پریشانی میں آدمی نہ دل لگا کر اللہ کی عبادت کرسکتا ہے۔ نہ دوسروں کے کام آسکتا ہے حتیٰ کہ اپنی ذات کے لیے بھی کوئی تعمیری کام نہیں کرسکتا۔

ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں کہ اکثر لوگ ان کے بارے میں گھاٹے میں رہتے ہیں۔ایک صحت دوسری بےفکری۔ مطلب یہ ہے کہ صحت اور بےفکری میں آدمی بہت زیادہ بھلائی کے کام کرسکتا ہے لیکن اکثر لوگ اپنی صحت وتندرستی کو اور بےفکری کو برے کاموں میں استعمال کرتے ہیں اور نقصان میں رہتے ہیں اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحت و شباب اللہ کی بہت بڑی نعمت

ہیں اوران کو صحیح جگہ استعمال کر کے آدمی اللہ کے ہاں بھی بلند مرتبہ پاتا ہے اوراپنے ساتھیوں کی نظر میں معزز اور محترم بن جاتا ہے پچھلے صفحات میں یہ حدیث گزری ہے کہ طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔

اس حدیث سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ قوت اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ چیز ہے اور جو چیز اللہ کے نزدیک محبوب ہو اس کی حفاظت کرنا، اسے باقی رکھنا ضروری ہوگا اور ایسی باتیں بھی ناپسندیدہ ہوں گی جو مومن کی جسمانی قوت کو کم کرنے والی ہوں۔

بعض لوگ جو سمجھتے ہیں کہ کم کھانا، کم سونا، آرام نہ کرنا نیکی ہے۔اس حدیث سے اس کی نفی ہوگئی کیونکہ خوراک سے کم کھانا، معمول سے کم سونا، جسم کو آرام نہ دینا ہر وقت مشقت میں رکھنا صحت کو خراب کر دیتا ہے اور آدمی کمزور ہو جاتا ہے اس حقیقت کو نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک اور واضح کر دیتا ہے کہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیرے گھر والوں کا بھی تجھ پر حق ہے" مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے، زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں آشوب زدہ ہو جائیں۔

مشہور حدیث ہے کہ تین صحابہ کی ایک جماعت میں سے ایک صحابی نے یہ قصد کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور متقی ہوں لیکن میں کبھی روزہ رکھتا ہوں کبھی نہیں رکھتا۔نماز پڑھتا ہوں اور رات کا کچھ حصہ آرام بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھا ہے۔

اسلام ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیتا ہے۔

۷......خود آزمائی نمبر۳

۱) معروف اور منکر کا معنی بتائیں؟

۲) اگر آپ کوئی برائی دیکھیں تو اسے کیسے روکیں گے؟

۳) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور ہدایت کو کس چیز سے تشبیہ دی۔

(بارش سے، موسم بہار سے، زمین سے، سورج سے)

۴) کون سا علم سیکھنا مسلمانوں پر فرض ہے؟

۵) حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اللہ کو کس قسم کا مومن پسند ہے؟

۶) جن پانچ چیزوں کو غنیمت کہا گیا ہے ان پر نشان لگائیں۔

۱: شباب

۲: صحت

۳: بڑھاپا

۴: تونگری

۵: موت

۶: زندگی

۷: مصروفیت

۸: فراغت

۷) کیا اسلام کی رو سے کم سونا، کم کھانا اور آرام نہ کرنا نیکی ہے؟

۸......جوابات

خود آزمائی نمبر۱

۱) اقرار توحید ورسالت زکوٰۃ روزہ نماز حج

۲) (۱) لا الہ الا اللہ (۲) محمد رسول اللہ

۳) بیٹھ کر، اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر

۴) بڑھنا
۵) دیکھئے ۱،۳،۴

۶) ایک بار
۷) دیکھئے ۱،۴

۸) رک جانا
۹) قرآن مجید رمضان میں نازل ہوا۔

خود آزمائی نمبر۲

۱) پوری کوشش کرنا
۲) دیکھئے ۱،۶

۳) جہاد اس جدوجہد کو کہتے ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے ہو۔

۴) دیکھئے نمبر۳
۵) انبیاء کی لائی ہوئی ہدایت، خواہش نفس

۶) دیکھئے نمبر ۱،۲،۳
۷) دیکھئے نمبر۳

خود آزمائی نمبر۳

۱) معروف، اچھا کام، نیکی کا کام، منکر، برا کام

۲) اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے۔
۳) بارش سے۔

۴) جن معاملات سے مسلمانوں کو سابقہ پڑے ان کا سیکھنا فرض ہے۔

۵) قومی مومن

۶) شباب، صحت، تونگری، زندگی، فراغت
۷) نہیں

حدیث نبوی ﷺ

محاسن اخلاق

تحریر: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کا تعارف

اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ خلق اس عادت کو کہتے ہیں جو کسی کام کے ایک ہی طرح کرتے رہنے سے پختہ ہو جائے اخلاق اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ اگر خواہشات عقل کی پیروی کرتی رہیں تو اخلاق اچھے ہوں گے اور اگر خواہشات پر عقل کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے تو پھر اخلاق برے ہوں گے۔ اصطلاحی زبان میں اسے بالترتیب فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق کہتے ہیں۔ زیر نظر یونٹ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات پیش کئے گئے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے بارے میں تلقین فرمائی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ آپ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد اس قابل ہوں گے کہ:

۱) محاسن اخلاق کی فضیلت و اہمیت بیان کر سکیں۔

۲) جن اخلاق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف ایمان کہا ہے، ان کی وضاحت اپنے الفاظ میں کر سکیں۔

۳) اپنے آپ کو بہترین اخلاق سے آراستہ کر سکیں۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	فضائل اخلاق	340
	1.1 فضیلت واہمیت	340
	1.2 صدق	344
	1.3 امانت	345
	1.4 ایفائے عہد	347
	1.5 قناعت	349
	1.6 اسلامی اخوت	351
	1.7 اچھے لوگوں کی صحبت	353
	1.8 کسب حلال	355
-2	خود آزمائی نمبر	359
-3	جوابات	361

ا...... فضائل اخلاق

1.1- فضیلت واہمیت

عن عبداللہ بن عمرو، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"ان من خیارکم احسنکم اخلاقا" (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً " (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق یقیناً اچھے ہوں گے گویا ایمان کامل کا دوسرا نام حسن اخلاق ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی بھی اچھے عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہر عمل اور نیکی کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے ایمان کی حیثیت جڑ کی سی ہے اور اچھے اخلاق سرسبز شاخوں اور خوش رنگ پھولوں کی طرح ہیں جڑ نہ ہوگی تو

شاخیں اور پھول کہاں ہوں گے۔ اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے بغیر جو اخلاق نظر آئے وہ حقیقی اخلاق نہیں محض اخلاق کی صورت ہے اور اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ فرمایا کہ قیامت کے دن مومن کی میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائیگی اور اس کے پاکیزہ اخلاق ہوں گے۔

اسلام میں محاسن اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعائیں مانگا کرتے تھے ان میں ایک دعا یہ بھی ہوتی:

''اے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی راہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور ان کو تیرے سوا اور کوئی نہیں پھیر سکتا۔ (مسلم)

نماز اور روزہ، اسلام کے عملی ارکان ہیں اور اللہ پر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد نماز اور روزہ ہی کا مطالبہ اور ان کی اہمیت ہے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن عبادات میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا لیکن نماز اور روزہ کی اس اہمیت کے باوجود بعض صورتوں میں اخلاق حسنہ کو ان کی قائم مقامی اور ہم سری کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ آدمی اپنے حسن اخلاق کی بدولت بسا اوقات وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے **إنما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق** ''یعنی میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں''۔

قرآن حکیم نے اللہ کے نیک بندے انہی لوگوں کو قرار دیا ہے جن کے اخلاق بھی اچھے ہوں اور بہترین اخلاق ہی کو اللہ کے نزدیک ان کے مقبول ہونے کی نشانی قرار دیا ہے سورہ الفرقان میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ناسمجھ لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی خاطر قیام اور سجدے میں رات گزارتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کا عذاب دور کر کہ اس کا عذاب بڑا تاوان ہے اور دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان سے بڑے اعتدال کے ساتھ گزرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو'' الٰہ '' نہیں پکارتے، جو کسی جان کا بے گناہ خون نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔''

(الفرقان:٦٣،٦٨)

مشغلہ:

قرآن حکیم پارہ ۱۹ سے سورۃ الفرقان کے اوپر دیئے ہوئے ترجمہ والی آیات نکال کر تلاوت کریں اور ان میں دی ہوئی اخلاقی تعلیمات کو نیچے نمبروار لکھیے:

۱) ....

۲) ....

۳) ....

۴) ....

۵) ....

۶) ....

۷) ....

۸) ....

۹) ....

۱۰) ....

۱۱) ....

۱۲) ....

1.2- صدق

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنه قال : قال رسول صلی اللہ علیه وسلم : "علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البّروانّ البّر یهدی الی الجنة وما یزال الرجل یصدق و یتحرّیٰ الصدق حتی یکتب عنداللہ صدیقاً ، وایاکم و الکذب فان الکذب یهدی الی الفجور وان الفجور یهدی الی النار، وما یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عنداللہ کذابا"

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سچائی کو لازم پکڑ لو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچائی کو اختیار کر لیتا ہے تو اللہ کے ہاں وہ صدیق لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیوں جھوٹ بولنے کی عادت انسان کو برائی کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور برائی اسے دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور جب آدمی جھوٹ اختیار کر لیتا ہے تو وہ انجام کار اللہ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹا) لکھ لیا جاتا ہے"۔

سچ بولنا بذات خود بھی نیک اور اچھی عادت ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے معاملات میں نیکوکار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی اس اعزاز کا سزاوار ٹھہرتا ہے کہ اسے اللہ کے ہاں سچا لکھ لیا جاتا ہے اور اس طرح وہ صدیقین کے

زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں جن اخلاقی خوبیوں پر زیادہ زور دیا ہے ان میں سچائی اور امانت سرفہرست ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولنے اور امانت میں خیانت کرنے کو نفاق کی خاص علامت قرار دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مومن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا۔

صدق صفات ربانی میں سے بھی سب سے بڑی صفت ہے اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ یعنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے صدق کو پیغمبروں کی بھی نمایاں صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

صدق یا سچائی کے صرف یہ معنی نہیں کہ آدمی زبان سے جو بات کہے وہ سچ کہے۔ اسلام کی نظر میں اس کے بہت وسیع معنی ہیں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سچائی کی تین قسمیں ہیں۔

زبان کی سچائی ، دل کی سچائی ، عمل کی سچائی

زبان سے جو بولا جائے وہ سچ بولا جائے اور منہ سے کوئی حرف سچائی کے خلاف نہ نکلے۔ یہ زبان کی سچائی ہے سچائی کی دوسری قسم کا تعلق دل سے ہے۔ یعنی جو کچھ دل میں ہے زبان اس کی صحیح ترجمانی کرے۔ یہ دل کی سچائی ہے تیسری قسم یہ ہے کہ جو حق اور سچ ہے وہی دل میں ہے اسی کے مطابق عمل ہے سچائی کی سب سے اعلیٰ صورت یہ ہے کہ جو سچ اور حق ہے وہی دل میں ہو وہی زبان پر ہو اور اسی کے مطابق عمل بھی ہو۔

1.3 - امانت

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال : قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم : "التاجر الصدوق الامین مع النبیّین و الصدیقین

والشہداء ''   (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا اور امانت دار سوداگر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث سے واضح طور پر دو باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات یہ کہ اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آدمی ہر وقت نماز، روزہ میں لگا رہے اور دنیوی مشاغل ترک کر دے۔ انسان کوئی بھی پیشہ اختیار کرے اور کسی بھی کام میں مصروف ہو اگر وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انجام دے رہا ہے تو گویا اللہ کی رضا حاصل کر رہا ہے اور صحیح معنوں میں اس تعلیم پر عمل پیرا ہے جو جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اگر ایک طرف نماز، روزہ اور حج میں مصروف ہے اور دوسری طرف دنیوی معاملات اور بندوں کے حقوق میں کوتاہی کر رہا ہے تو وہ نہ ایک اچھا مسلمان ہے اور نہ وہ قرب خداوندی حاصل کر سکتا ہے اللہ کے اور اس کے رسول کے حکموں کے مطابق مکمل اور بھرپور زندگی گزارنے کا نام ''اسلام'' ہے۔

انسان پر جس کا جتنا حق بنتا ہو اس کو پوری دیانت کے ساتھ رتی رتی ادا کرنے کا نام امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اکثر پیغمبروں کی صفت میں ''امین'' کہا ہے: انی لکم رسول امین۔ یعنی اللہ کی طرف سے مجھے جو پیغام ملا ہے وہ میں تمہیں بلاکم و کاست پہنچاتا ہوں اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا۔

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے مکہ والوں کی طرف سے ''امین'' کا خطاب ملا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ لین دین اور کاروبار میں بے حد دیانت دار تھے لوگ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھواتے وہ جوں کا توں انہیں لوٹا دیتے اور یہ وہ لوگ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی نہیں مانتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت ان لوگوں کی نظر میں بھی مسلّم تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے۔

امانت کا دائرہ روپیہ پیسہ تک محدود نہیں جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے بلکہ ہر مالی، قانونی، اخلاقی ور عملی امانت تک وسیع ہے اگر کسی کی کوئی چیز آپ کے پاس بطور امانت رکھی ہے اسے جوں کا توں واپس کر ینا بھی امانت ہے کسی کا کسی پر کوئی حق ہے اسے وقت پر ادا کرنا بھی امانت ہے کسی کا کوئی راز آپ کو معلوم ہے اسے راز رکھنا اور افشاء نہ کرنا یہ بھی امانت ہے کوئی شخص کہیں ملازم ہے ملازمت کی شرائط کے مطابق کام کرنا یہ بھی امانت ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کی خوش خبری سنائی ہے ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو امانت دار ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ (المومنون:۸)

''اور جو لوگ اپنی امانتوں اور قول وقرار کی پاسداری کرتے ہیں''

ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾

یعنی جو شخص امین بنایا گیا اسے چاہیے کہ اپنی امانت (ٹھیک ٹھیک) ادا کرے اور اپنے پروردگار (اللہ) سے ڈرتا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں نیز فرمایا اس ستی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کسی بندہ کا دین اس وقت تک درست نہ ہوگا۔ جب ک وہ امانت دار نہ ہوگا۔

1.- ایفائے عہد

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب، واذا وعد خلف ، واذا

اؤتمن خان" (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔

(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔
(۳) اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

جھوٹ بولنا امانت میں خیانت کرنا لوگوں سے کوئی وعدہ اور عہد و میثاق کر کے اسے پورا نہ کرنا ب منافقوں کے اخلاق ہیں وہ خواہ عقیدۃً منافق نہ ہو لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہوگا۔

وان صلیٰ وصام وزعم انه مسلم یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو روزے رکھتا ہو اور ب سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں پھر بھی وہ ان بداخلاقیوں کی وجہ سے ایک قسم کا منافق ہے۔

یہ سمجھ لینا کہ نماز، روزہ اور حج کے بعد ان اخلاقی اوصاف کی ضرورت باقی نہیں رہتی اسلامی تعلیمات ک نہ سمجھنے کے مترادف ہے عقیدہ، عمل اور اخلاق سب کچھ درست ہوگا تب مومن کامل بنے گا۔

کسی سے کئے گئے وعدہ اور عہد کو پورا کرنے کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکت ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی نسبت بار بار یہ فرماتے ہیں: ان الله لا يخلف الميعاد تحقیق اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ ولن يخلف الله وعده اللہ ہرگز اپنے وعدہ کو نہ ٹالے گا مومنین کی صفتوں میں اللہ نے ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے ﴿وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ وہ جب کسی سے کوئی وعدہ اور قول و قرار کرلیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اسے ادا کرنا چاہئے) یعنی جس طرح قرض لے کر آدمی ک

یہ فکر رہتی ہے کہ اسے ادا کرنا ہے اور وہ لازماً ادا کرنا ہی ہوتا ہے اسی طرح وعدہ بھی ہے جب کسی سے کرلیا تو اب اسے ادا کرنا بہر صورت ضروری ہے۔

جس طرح امانت کے بارے میں بتایا گیا کہ روپیہ پیسہ تک محدود نہیں اسی طرح وعدے کو بھی قول وقرار تک محدود سمجھنا درست نہیں دفتر میں کمپنی میں، کارخانے میں، یا کسی دکان پر آدمی ملازمت کرتا ہے ملازمت کی جو شرائط ہوتی ہیں وہ بھی عہد ہے اسے بھی پورا کرنا ضروری ہے قانون یا رسم ورواج سے جو اوزان اور پیمانے مقرر ہو جاتے ہیں وہ بھی معاہدہ ہے فروخت کرنے والے اور خریدنے والے پر ان کی پابندی لازمی اور ضروری ہے۔

اسی طرح نہ صرف مسلمانوں کے آپس میں کیے گئے معاہدے کی پابندی لازمی ہے بلکہ مشرکوں کے ساتھ بھی اگر کوئی معاہدہ کرلیا جائے تو اس کو نبھانا اور اس کی بجا آوری کو بھی قرآن ضروری قرار دیتا ہے ارشاد ربانی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ”پھر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا اور انہوں نے تم سے کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو مقررہ مدت تک ان سے کیے گئے عہد کو پورا کرو“۔

1.5- قناعت

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ”قد افلح من أسلم ورزق كفافاً وقنعهٗ اللہ بما آتاہ“

(مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” کامیاب اور بامراد ہوا وہ شخص جس کو اسلام کی حقیقت نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی گزارے کے مطابق ملی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس تھوڑی روزی پر قانع بھی بنا دیا۔“

جس شخص کو ایمان کی دولت نصیب ہو اس کے ساتھ اس دنیا میں گزر بسر کا سامان اور بقدر ضرور روپیہ پیسہ بھی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے تو بلا شبہ ایسے شخص زندگی بہت مبارک اور خوش گوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا فضل و انعام ہے یہ قناعت اور دل کا سکون ایسی کیمیا۔ جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ پرسکون اور مسرت انگیز بن جاتی ہے۔

اگر آدمی کے پاس دولت کے ڈھیر ہوں لیکن اس کے باوجود ہر وقت اس میں اضافہ کی فکر اور طمع ہوا اسی کوشش میں لگا رہے کہ ایک کے دو، اور دو کے تین کیسے ہوں گے تو مال و دولت اور سامان عیش و عشرت کی تما تر فراوانی کے باوجود اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ دل کا فقیر ہی رہے گا۔ برخلاف اس شخص کے جس کے پاس گزر اوقات کے لیے مختصر سامان ہے مگر وہ اسی پر قانع اور صابر و شاکر ہے تو وہ اپنی تمام تر غربت ا بے مائیگی کے باوجود دل کا غنی ہوگا اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: لیس الغنیٰ عن کثر العروض ولکن الغنیٰ غنی النفس (بخاری) یعنی دولت مندی اور تونگری مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصل دولت مندی بے نیازی ہے۔

اور اس حقیقت کو اور زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذ غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بیان فرمایا۔

> ''اے ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال و دولت کی فراوانی کا نام تونگری ہے ابوذر نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے ابوذر نے کہا ہاں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی خیال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو تین بار دہرایا اس کے بعد ارشاد فرمایا اصل دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصل فقیری اور محتاجی بھی دل کے اندر ہوتی ہے۔'' (طبرانی)

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے دل کو بے چینی اور اضطراب سے صرف اس صورت میں نجات ملتی ہے کہ اس میں قناعت کا مادہ ہو، مال و دولت اور ساز و سامان کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے اگر قناعت کا جذبہ نہیں ہے تو کبھی سکون اور آسودگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قناعت کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ ملے اس پر راضی ہو جائے۔ اللہ کا شکر ادا کرے اور زیادہ کی کوشش جائز اور مناسب طریقوں سے بغیر کسی حرص اور لالچ کے کرے۔

1.6- اسلامی اخوّت

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " تری المؤمنین فی تراحمھم و توادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضوا تداعیٰ لہ سائر الجسد بالسھروالحمی " (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والو کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی تمام اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اس کو دوسرے مومن کے ساتھ ایسی محبت، ہمدردی اور دلی تعلق ہونا چاہیئے کہ ان میں کوئی ایک اگر کسی مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہو تو دوسرا اس کو اپنی مصیبت سمجھے اور اس کی تکلیف اور بے چینی میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے قرآن کریم مومنوں کی یہی صفت بیان کرتا ہے رحماء بینھم وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے بہت مہربان، شفیق اور نرم دل ہیں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی باہمی محبت، ہمدردی، اور جذبہ غم خواری کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ (ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں کے ساتھ ایک مضبوط عمارت کا سا ہونا چاہیئے کہ وہ

آپس میں ایک دوسرے کی مضبوطی اور قوت کا ذریعہ بنتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لیے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے، جس کی اینٹیں باہم ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور ان کے درمیان کہیں کوئی خلا نہ ہو۔

مسلمانوں کے اس باہمی میل ملاپ، اور محبت و اخوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل و انعام فرمایا ہے اور فرمایا کہ ''اگر روئے زمین کا سارا خزانہ بھی لٹا دیا جاتا تو ان جدی پشتی دشمنی کو باہم ملا کر اس طرح شیر و شکر نہیں کیا جا سکتا تھا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب کا بچہ بچہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا خاندانوں اور قبیلوں میں لڑائیوں کا سلسلہ برسہا برس تک چلتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے ساتھ خون کے رشتوں سے بڑھ کر ایک اور رشتہ لائے وہ دین کا رشتہ تھا اس نے پرانے دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا اور اس طرح ایک اسلامی برادری قائم ہوگئی یہ اسلامی برادری اور وحدت اس وقت تک محبت و یگانگت کے مضبوط رشتے میں جڑی رہے گی جب تک اللہ کی رسی یعنی اس کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو تھامے اور عمل کرتی رہے گی۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کتنا حق ہے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالے کرے جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مصروف رہے گا اللہ اس کی ضرورت پوری کریگا اور جو مسلمان کسی کی تکلیف اور تنگی دور کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کریں گے''

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا اللہ کی نافرمانی ہے اور اس سے لڑنا اللہ کا انکار ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک اصول اور پیمانہ بتا دیا ہے کہ اگر وہ اسے مدنظر رکھیں تو کسی مرحلہ پر بھی دو مسلمانوں کے درمیان نااتفاقی اور دشمنی پیدا نہیں ہوسکتی باہمی محبت واخوت کو قائم رکھنے کا اس سے بہتر اصول اور ذریعہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی شخص صحیح معنوں میں مومن نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی مسلمان کے لیے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

1.7- اچھے لوگوں کی صحبت

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : قال یا رسول اللہ ! أ ی جلسائنا خیر؟ قال : من ذکّرکم اللہ رؤیتہٗ و زادکم علمکم منطقة و ذکّرکم بالاٰ خرة عملہ (مسند ابو یعلی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا'' ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں ان میں سے اچھا آدمی ہے؟ کہ ہم اسی کے پاس بیٹھا کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا شخص پاس بیٹھنے کے لیے سب سے اچھا ہے جس کا دیکھنا تمہیں اللہ کی یاد دلا دے اور اس کا بولنا تمہارے علم میں ترقی کا ذریعہ بنے اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلا دے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ صلاحیت اور خصوصیت رکھی ہے کہ وہ دوسرے انسان کے افکار و خیالات اور اس کے اعمال سے بہت جلد بغیر کسی خاص کوشش کے متاثر ہوتا ہے اچھا اثر بھی قبول کرتا ہے اور بُرا اثر بھی بلکہ عمر کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں آدمی بُری صحبت سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اسلام جو کہ اپنے ماننے والوں کو بہترین انسان بناتا ہے انہیں ہر اچھائی اور خوبی کی تلقین کرتا اور ہر برائی سے روکتا ہے یہ بات بھی بہت زور دے کر کہتا ہے کہ اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو ان میں میل جول رکھو تاکہ انہی جیسے بنو اور بُرے لوگوں

کے ساتھ تعلق رکھنے سے بچو تا کہ تم میں بھی ان جیسی بری عادتیں پیدا نہ ہوں۔

اچھی صحبت ایسے شخص کی صحبت ہے جس کو دین کا علم ہو عقیدے درست ہوں شرک و بدعت اور بیہودہ رسوم سے بچتا ہو اعمال و افعال بھی اچھے ہوں اور اخلاق بھی اچھے ہوں۔ دین کے مقابلہ میں مادی منافع کی پروا نہ کرتا ہو دوسروں کی خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو ایسے لوگوں کی ہم نشینی مفید ہے اور جن لوگوں میں یہ صفات نہ ہوں ان کی ہم نشینی اور میل جول سے بچنا چاہئے۔

نیک صحبت سے آدمی کو کتنا فائدہ اور بری صحبت سے کتنا نقصان ہوتا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوب صورت تمثیل میں بیان فرمایا ہے۔

''نیک ہم نشین اور بدہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لیے ہوئے ہو یہ مثال ہے نیک صحبت کی اور ایک شخص بھٹی کو دھونک رہا ہو یہ مثال ہے بدصحبت کی سودہ مشک والا یا تو مشک میں سے تجھ کو کچھ دے دے گا اور اگر نہیں بھی دے گا تو کم از کم اس کی خوشبو تو تیرے جسم اور کپڑوں میں بس ہی جائے گی اور بھٹی کو دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا (اگر کوئی چنگاری کپڑوں پر آگری) اور اگر جلنے سے بچ بھی گیا تو اس کی گندگی اور تپش سے تجھ کو تکلیف تو ضرور پہنچے گی۔''

قرآن حکیم نے بھی نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کی ہے ارشاد ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ (التوبہ:۱۱۹)

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ان لوگوں کے ساتھ رہو جو دین کے پکے اور سچے ہوں''

مومنوں کو یہ دعا سکھائی کہ وہ نیک اور پسندیدہ لوگوں کے ساتھ وابستہ رہنے کی خواہش کریں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ارشاد ربانی ہے جس کا ترجمہ ہے۔

''اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات اور احکام میں عیب جوئی کر رہے

ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جا۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے کہ ایسی مجلس میں بیٹھنا منع ہے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ اور فوراً کنارہ کش ہو جا"۔ ایسے لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ جنہوں نے اس دین کو جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔(الانعام: ۶۸،۶۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو پیغمبروں کے قصے بیان کیے ہیں اس کا مقصد بھی یہ بیان کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو فائدہ ہو ان کی نیک اور حق پرستانہ باتوں سے دلوں کو تقویت اور تسلی ہو اس سے یہ اشارہ بھی ملا کہ جس طرح نیک لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنا مفید اور نفع بخش ہے اسی طرح ان کے واقعات اور قصے پڑھنا بھی افادیت سے خالی نہیں ان میں عبرت و موعظت اور اصلاح اعمال و اخلاق کے بہت سے سامان ہوتے ہیں۔

1.8- کسب حلال

عن رافع بن خديج رضى الله عنه قال: قيل يا رسول الله ! أى الكسب اطيب ؟ قال عمل الرجل بيده و كل بيع مبرور

(مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے حلال اور پاکیزہ کمائی کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا، اور ہر جائز تجارت۔

کسب حلال اور اکل حلال اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس کی ترغیب بلکہ حکم دیا ہے:

﴿يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا﴾ (البقرة:١٦٩)

یعنی اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیتا ہے اور حرام کھانے سے منع کرتا ہے اور اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جو کماؤ وہ بھی جائز اور حلال طریقہ سے کماؤ اور جو کھاؤ وہ بھی حلال کھاؤ حلال چیزوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو چیز حلال ہے وہ ہر لحاظ سے حلال ہے ہم اسے جس طرح چاہیں حاصل کر سکتے ہیں اور جس طرح چاہیں کھا سکتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حلال چیزیں بھی صرف اسی صورت میں حلال ہوتی ہیں جب انہیں جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے حلال چیزیں اگر ناجائز ذرائع سے حاصل کی جائیں تو حرام ہو جاتی ہیں۔

کسب حلال کے سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے کمائی کرنے کا حکم دے کر بھیک مانگنے سے روکا اسلام نے عام حالات میں کسی کے آگے دست سوال پھیلانے سے سختی سے منع کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"جس شخص نے بغیر احتیاج اور ضرورت کے سوال کیا گویا وہ دہکتے ہوئے انگارے کھا رہا ہے"۔ (مسند احمد بن حنبل)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ کن لوگوں کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ فرمایا تین آدمیوں کے سوا اور کسی کے لیے مانگنا جائز نہیں ایک وہ آدمی جو شدید فقرو فاقے میں مبتلا ہو دوسرا وہ آدمی جو قرض کی وجہ سے ذلیل ہو رہا ہے تیسرا وہ شخص جس پر خون بہا دینا لازم ہو گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوب صورت اور حسین بنایا ہے اس کے چہرے پر ایسی رونق اور وقار رکھ دیا ہے کہ دوسری تمام مخلوقات اس سے مرعوب اور اس کی تابع فرمان ہو جاتی ہیں لیکن جب اسی چہرے کو بھیک مانگ کر اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر رسوا کرنا شروع کر دیا جائے تو اس کا حسن اور وقار ختم ہو جاتا ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جس نے لوگوں سے سوال کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو اس کی ضروریات کے لیے کفایت کر سکتا ہو تو قیامت کے دن اس کا چہرہ سوال کرنے کی وجہ سے خراش زدہ ہو گا صحابہ

نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے کتنا خرچ (یا روپیہ) کافی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کے برابر ہونا۔ (ترمذی)

دوسری بات یہ ہے کہ اگر انسان نے اپنی محنت اور کوشش سے کمایا لیکن اس میں ایسے ذرائع اختیار کیے جن سے اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے تو "ہاتھ کی کمائی" کے باوجود وہ حلال اور پاکیزہ کمائی نہیں رہے گی۔ مثلاً اس کمائی کے حصول میں کسی کو رشوت دی کسی حق دار کا حق مارا، کسی مزدور اور محنت کش کو اس کی محنت کی اجرت اور مزدوری ادا نہیں کی اشیائے صرف اور اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کی اور مال زیادہ نرخ پر فروخت کیا اشیاء میں ملاوٹ کی یا ناپ تول میں کمی کی ان تمام صورتوں میں حلال کمائی حرام کمائی میں تبدیل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ برائیاں جن سے اسلام سختی کے ساتھ منع کرتا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۱۸۸)

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے اور تم کو معلوم ہے۔"

ناپ تول میں کمی کے بارے میں کہا گیا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳

ترجمہ: خرابی ہے گھٹانے والوں کی جب خود ناپ لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب لوگوں کو ناپ دیں یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔"

اشیاء میں ملاوٹ کرنے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اشیاء میں ملاوٹ کی وہ ہم میں نہیں ہے''

ذخیرہ اندوز کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''جس نے کھانے پینے اشیاء ذخیرہ کر کے مسلمانوں کو تنگی میں ڈالا اللہ تعالیٰ اسے جذام اور تنگدسی میں مبتلا کرے گا''۔ (ابن ماجہ)

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال طریقہ سے کمانے اور حلال اشیاء کھانے سے آدمی کے اندر بہترین اخلاق پیدا ہوتے ہیں عبادت میں دل لگتا ہے دعا قبول ہوتی ہے گناہوں سے نفرت ہوتی ہے اور لوگوں سے محبت اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو یہ ہدایت فرمائی۔

﴿يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (المومنون:۵۱)

ترجمہ: اے ہمارے پیغمبرو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کرنے میں کسب حلال اور رزق حلال کو بڑا دخل ہے اور اس کے برخلاف ناجائز طریقوں سے کمانے اور حرام کھانے سے انسان میں برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں عبادت کا ذوق ختم ہو جاتا ہے دعا قبول نہیں ہوتی دوسروں کی مدد اور غم خواری نہیں کرتا اور خود بھی دوسروں کی ہمدردی سے محروم ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بہت سے طویل السفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب، یا رب پکارتے ہیں۔ مگر کھانا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، ان حالات میں ان کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے''۔ (مسلم)

۲...... خود آزمائی

۱) قیامت کے دن مومن کی میزان عمل میں سب سے وزنی چیز کون سی ہوگی۔

۲) وہ کون سا عمل ہے جس کے ذریعے آدمی دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے صحیح جواب پر "✓" کا نشان لگائیں۔

جہاد   حسن اخلاق   صدق

۳) سورہ الفرقان میں دی گئی نیک بندوں کی صفات ایک کاغذ پر لکھیں اور پھر انہیں اپنی کتاب سے ملا کر دیکھیں۔

۴) کذاب کا کیا معنی ہے؟

۵) سچائی کی تین قسمیں کون کون سی ہیں؟

۶) کیا اللہ کی خوشنودی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی دنیوی مشاغل سرے سے چھوڑ کر نماز روزے میں لگ جائے۔

۷) امانت کا کیا مطلب ہے؟

۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے مکے والوں سے "امین" کا خطاب کس وجہ سے ملا تھا۔

۹) کیا امانت کا تعلق روپے پیسے تک محدود ہے یا اس سے وسیع ہے

۱۰) ایمان اور امانت کا باہمی تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بتایا ہے

۱۱) منافق کی تین علامتیں کون کون سی ہیں صحیح علامتوں پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱: جھوٹ بولنا

۲: کم تولنا

۳: گالی گلوچ

۴: وعدہ خلافی

۵: خیانت

۶: تکبر

۱۲) کیا مشرکین سے کیے ہوئے معاہدے کی پابندی بھی ضروری ہے؟

۱۳) قناعت کا مفہوم کیا ہے؟

۱۴) مومنوں کو ایک جسم سے تشبیہہ دی گئی ہے یہ تشبیہ کس چیز میں ہے؟

۱۵) وہ کون سا رشتہ تھا جس نے عرب کے دشمن قبائل کے لوگوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔

۱۶) اچھی اور بری صحبت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے اسے اپنے الفاظ میں دہرائیں اور پھر کتاب کے ساتھ موازنہ کریں۔

۱۷) جب آپ دیکھیں کہ کچھ لوگ اسلام کی باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟

۱۸) وہ کون سے تین آدمی ہیں جن کے لیے سوال کرنا جائز ہے؟

۱۹) حرام رزق کا دعا کی قبولیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

۳......جوابات

۱) پاکیزہ اخلاق

۲) حسن اخلاق

۳) دیکھئے نمبر 1

۴) بہت جھوٹ بولنے والا

۵) زبان کی سچائی، دل کی سچائی، عمل کی سچائی

۶) نہیں، بلکہ دنیا کی مصروفیات میں اللہ کو فراموش نہ کرے۔

۷) ہر شخص کے ہر طرح کے حقوق کا تحفظ

۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت امانت دار تھے۔

۹) بہت وسیع ہے۔

۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں''۔

۱۱) جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی، خیانت

۱۲) جی ہاں، ضروری ہے۔

۱۳) آدمی کے پاس جو کچھ ہے اس پر راضی ہو۔

۱۴) باہمی محبت، اخوت اور ایک دوسرے کے کام آنے میں۔

۱۵) اسلامی اخوت کا

۱۶) دیکھئے 1

۱۷) وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں۔

۱۸) انتہائی فقیر، بے حساب مقروض، جس نے خون بہا دینا ہو۔

۱۹) دعا قبول نہیں ہوتی۔

حدیث نبوی ﷺ

رذائل اخلاق

تحریر: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کا تعارف

اخلاق کی اصلاح کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر اخلاق پر زور دیا ہے۔ دنیوی زندگی میں اس کی اہمیت اور اس کا اخروی ثواب بیان فرمایا ہے۔ اور دوسرے وہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

یونٹ نمبر ۸ میں وہ ارشادات پیش کئے گئے جن کا تعلق پہلی قسم سے ہے، اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل اخلاق کی تلقین فرمائی ہے۔

زیر مطالعہ یونٹ میں وہ ارشادات پیش کئے جائیں گے جن کا تعلق دوسری قسم سے ہے۔ یعنی رذائل اخلاق سے ہے، اور جن سے بچنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ تاکید فرمائی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ آپ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد اس قابل ہوں گے کہ:

۱) رذائل اخلاق کے چیدہ چیدہ مضر اثرات بیان کر سکیں۔

۲) رذائل اخلاق نہ صرف دین کے لئے نقصان دہ ہیں بلکہ معاشرہ کے لئے بھی تباہ کن ہیں، اس کی وضاحت کر سکیں۔

۳) ہمیں اللہ کے ہاں اور اپنے معاشرے میں عزت اور اچھا مقام حاصل کرنے کے لئے کن کاموں سے بچنا چاہئے، اس کی تلقین کر سکیں۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	رذائل اخلاق	366
	1.1 جھوٹ	366
	1.2 بدگوئی	370
	1.3 غیبت	373
	1.4 منافقت	375
	1.5 خیانت اور بددیانتی	377
	1.6 غصہ	379
-2	خودآزمائی	381
-3	جوابات	382

ا......رذائل اخلاق

1.1- جھوٹ

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ کذب العبد تباعد عنہ الملك میلاً من نتن ماجاء بہ

(ترمذی)

''بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔''

جس طرح اس دنیا کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اور سب کو محسوس ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال وکلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی اللہ کے وہ بندے بھی محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آ جاتی ہے۔

انسان کے تمام برے اخلاق میں سب سے بری اور ناپسندیدہ عادت جھوٹ کی ہے خواہ یہ جھوٹ زبان سے بولا جائے یا عمل سے ظاہر کیا جائے کیونکہ ہمارے تمام اعمال کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ واقعے کے مطابق ہوں او: جھوٹ اس کی ضد ہے۔

اسلام کی لغت کا سخت ترین لفظ ''لعنت'' ہے لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی،

قرآن کریم میں اس کا اولین مستحق شیطان کو ٹھہرایا گیا ہے اس کے بعد یہودیوں، منافقوں اور کافروں کو ٹھہرایا گیا ہے لیکن مومن کے کسی فعل پر بجز جھوٹ کے لعنت نہیں بھیجی گئی، جھوٹ بولنا، یا جھوٹا الزام لگانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جھوٹے پر لعنت کی جائے ارشاد ربانی ہے:

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

یعنی اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔

جھوٹ تنہا ایک برائی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹے میں دوسری بہت سی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹے کے ساتھ ساتھ اس کی دوسری بری صفتیں بھی بیان کی ہیں جیسے

أفاك اثیم	(شعراء:۲۲۲)	جھوٹ بولنے والا گنہ گار
کذبٌ کفار	(زمر:۳)	جھوٹ بولنے والا ناشکرا
مُسْرِفٌ کذاب	(مومن:۲۸	بے باک، جھوٹا

ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ جھوٹا بہت سے گناہوں میں آلودہ ہوتا ہے کیونکہ جھوٹ کی عادت کے سبب وہ کسی برائی کے کرنے سے جھجکتا نہیں اسے یہ خیال رہتا ہے کہ موقع پر جھوٹ بول کر میں اسے چھپا لوں گا۔

جھوٹ کی عام اور مشہور صورت تو یہی ہے کہ زبان سے وہ کہا جائے جو دل میں نہ ہو یا جو اس کے اندرونی علم و یقین کے خلاف ہو یہ کذب قولی یعنی زبان کا جھوٹ ہے جھوٹ کی دوسری قسم یہ ہے کہ جو کیا جائے وہ نہ کہا جائے۔ یہ کذب عمل یعنی عمل کا جھوٹ ہے۔

جھوٹ کی ایک اور قسم ہے جو ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے وہ یہ کہ آدمی کی جو حیثیت ہے اس سے بڑھا کر دوسروں کو بتائی جائے تنخواہ ہزار ہے مگر ظاہر دو ہزار کرتے ہیں دفتر میں جو عہدہ ہے دوسروں سے اس سے زیادہ بتاتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے جس کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کو اپنے پاس دکھانا اور بتانا دوسروں کو فریب دینے کے ہم معنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی جھوٹ فرمایا ہے۔

یوں تو جھوٹ کی ہر قسم گناہ ہے لیکن بعض صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی معاملے اور مقدمہ میں جھوٹی گواہی دی جائے اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی بے گناہ شخص کو نقصان پہنچایا جائے جھوٹ کی اس قسم کو سورۂ حج کی ایک آیت میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ○ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ

بتوں کی یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو۔ صرف ایک اللہ کے ہو کر کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے۔"

قرآن حکیم کے اسی طرز بیان کا حوالہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے برابر کردی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا اور تین بار فرمایا کہ:

"اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا سب سے بڑے گناہ ہیں۔"

جس طرح جھوٹی گواہی جھوٹ کی بدترین صورت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "بڑے گناہ" سے تعبیر فرمایا ہے اسی طرح جھوٹی قسم بھی جھوٹ کی بدترین صورت ہے جھوٹی قسم پر اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کی وعید سنائی گئی ہے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تا کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ہضم کر لے تو قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض اور غضب ناک ہوں گے۔" (بخاری و مسلم)

جس طرح حاکم کے سامنے کسی معاملہ میں جھوٹی قسم کھانا اور اللہ کے پاک نام کو غلط استعمال کرنا حرام ہے اسی طرح اپنے سودے کو فروخت کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھانا بھی ناجائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ گھروں میں بچوں کو بہلانے کے لئے جھوٹ کا استعمال کیا جائے حتیٰ کہ طنز و مزاح کے طور پر جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص لوگوں کو ہنسانے اور خوش کرنے کے لئے جھوٹ بولے اس پر افسوس اس پر افسوس"

یعنی صرف مجلس آرائی کے لئے بھی جھوٹ بولنا بہت بری عادت اور بہت بری بات ہے اگر چہ اس سے کسی کو کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچے۔

1.2- بدگوئی

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان یہودیا اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا "السام علیکم فقالت عائشة علیکم ولعنکم اللہ و غضب اللہ، علیکم قال: مہلا یا عائشة: علیك بالرفق و ایاك و العنف و الفحش" (بخاری)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے نفس کی خباثت کے سبب السلام علیکم کے بجائے السام علیکم یعنی تم کو موت آئے کہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا تم ہی کو موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ (اتنی سختی نہیں) زبان کو روکو نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدگوئی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔"

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے لوگوں کو سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے نیز جن کے نتائج اور اثرات بھی دوررس ہوتے ہیں ان میں اس کی زبان و بیان کی نرمی اور تلخی بھی ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلقین اور پیروکاروں کو نرم گوئی اور خوش اخلاقی کی بہت تاکید کرفرماتے اور بدزبانی اور فحش گوئی سے شدت کے ساتھ روکتے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ بری بات کے

جواب میں بھی بری بات کہی جائے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایک دشمن اسلام یہودی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت گستاخانہ بات کہی جو ایک طرح کی بددعا بھی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں بھی تلخی اور بدگوئی کو پسند نہیں فرمایا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نرمی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

''مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا، نہ لعنت کرنے والا، نہ بدگو اور نہ گالی بکنے والا۔''

یعنی مومن کی نشان یہ ہونی چاہئے کہ اس کی زبان سے کسی موقع پر بھی لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے بدگوئی اور فحش کلامی اسلام کی نظر میں اس حد تک بری اور قابل نفرت چیز ہے کہ جھگڑے اور اختلاف کے وقت بھی بدزبانی کو منافق کی نشانی کہا گیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم لوگوں سے) فرمایا ''یہ اپنے قبیلے کا برا فرزند ہے'' پھر فرمایا ''اسے آنے کی اجازت دے دو'' پھر جب وہ آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بہت نرمی

سے گفتگو کی جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے پہلے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ اپنے قبیلے کا برا فرزند (برا آدمی) ہے مگر جب آیا تو آپ نے اس کے ساتھ بہت نرمی سے گفتگو کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درجے کے لحاظ سے قیامت کے دن بدترین آدمی وہ ہوگا جسے لوگ اس کی بدکلامی اور سخت کلامی کی وجہ سے چھوڑ دیں (یعنی اس کی بدکلامی کے سبب اس سے نفرت کرنے لگیں اور ملنا جلنا بند کر دیں۔) (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی برا اور بدزبان بھی ہو جب بھی اس سے بات نرمی اور تہذیب وشرافت کے لہجے میں کرنی چاہئے ورنہ بدزبانی اور تلخ کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایسے آدمی سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں لوگوں کی نظروں میں اس کی عزت ووقار ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کے نزدیک بھی ایسا آدمی بدترین آدمی ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی کو پسند نہیں کرتا'' یعنی بدزبانی کی عادت انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے۔

بدگوئی اور تلخ کلامی کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ آدمی کی اپنی عزت خاک میں مل جاتی ہے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں بلکہ بہت سے جھگڑے بھی جنم لیتے ہیں اس کے برخلاف آدمی جب نرمی اختیار کرتا ہے دوسرے کی تلخ کلامی کے جواب میں بھی نرم گفتگو کرتا ہے تحمل اور متانت سے جواب دیتا ہے تو کئی جھگڑے اور اختلاف اسی وقت ختم ہو جاتے ہیں۔

اچھی اور میٹھی بات کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ یعنی نیکی اور بھلائی کی ایک قسم کہا ہے۔ جس پر آدمی کو اجر ملتا ہو کیونکہ کسی کے ساتھ پیار محبت سے بات کرنا اس کی خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اللہ کے کسی بندے کا دل خوش کرنا بڑی نیکی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''جو شخص اللہ پر اور روز جزا پر یقین رکھتا ہے اسے

چاہئے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

اس ارشاد مبارک میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ پر اور روز جزا پر یقین رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ کلمہ خیر کے سوا اور کچھ زبان سے نہ نکلے کیونکہ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھنا یہ باور کراتا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اس موقع پر یہ بات سوچنے کی ہے کہ کیا ہر معاملے میں آدمی کو نرمی اور شیریں گفتاری سے کام لینا چاہیئے یا ایسا بھی کوئی مرحلہ ہے جہاں سختی برتنی چاہیئے ؟ اس کا فیصلہ امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سن لیجئے فرماتی ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا البتہ جب احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سزا دیتے تھے اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔''

1.3- غیبت

عن ابی برزۃ الا سلمی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، یا معشر من امن بلسانہٖ ، لم یدخل الایمان قلبہٗ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتھم فانہٗ من اتبع عوراتھم یتبع اللہ عورتہٗ ومن یتبع اللہ عورتہٗ یخجلہ فی بیتہٖ (ابوداؤد)

''حضرت ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لاتے ہو، لیکن ایمان ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کو پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی

چھپی ہوئی برائیوں کی ٹوہ نہ لگایا کرو) کیونکہ جو ایسا کریگا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرینگے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ معاملہ کرینگے اسے اس کے گھر میں رسوا کردیں گے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی غیبت اور ان کی عیبوں اور برائیوں کی تشہیر کرنا ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف انہی لوگوں سے سرزد ہوسکتی ہے جو زبان کے مسلمان ہوں جو سچے اور پکے مسلمان ہونگے ان سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی کمزوریوں کا کھوج لگائیں گے اور پھر ان کی تشہیر کریں گے۔

غیبت کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کی ایسی بات یا ایسے عمل کا اس کے پس پشت ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری ہوتی ہو اور جس کی وجہ سے وہ شخص ذلیل وحقیر ہو کیونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے وقعتی ہوتی ہے اور اس کے دل کے رنج وملال کا سبب بنتی ہے اس لیے اس سے آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے اور بعض صورتوں میں اس کے بہت خطرناک اور دوررس نتائج نکلتے ہیں۔

اسلام کے بنیادی مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ مسلمان کی عزت وآبرو کی حفاظت کی جائے اسے رسوا ہونے سے بچایا جائے اور ان کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں ان میں کوئی میل اور کدورت پیدا نہ ہو اسی بناء پر بطور خاص ان اخلاقی برائیوں کی زیادہ مذمت کی گئی ہے اور شدت کے ساتھ ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جن کے سبب مسلمانوں کی عزت وآبرو کو صدمہ پہنچتا ہو۔ یا ان کے درمیان محبت واخوت کے بجائے نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہو۔

قرآن کریم نے غیبت کو "مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے" کے ہم معنی قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْم

ترجمہ: ''اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور تم میں سے کوئی کسی کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہے بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم کو گھن آئے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ توبہ قبول کرنیوالا ہے رحم کرنے والا ہے۔

مردار کا گوشت کھانا اور وہ بھی انسان کا سخت نفرت کا سبب ہوتا ہے جب غیبت کو مردار کھانے سے تشبیہہ دی گئی تو وہ بھی ایک مسلمان کی نظر میں اتنی ہی قابل نفرت ہونی چاہئے مردار کھانے سے تشبیہہ دینے میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض وقت اضطراب اور مجبوری کی حالتوں میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے اسی طرح بعض ایسی صورتیں پیش آ جاتی ہیں جہاں غیبت جائز ہو جاتی ہے۔ مثلاً اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کے لئے یا لوگوں کو کسی کے شر اور فتنہ سے بچانے کے لئے اس کی برائی بیان کی جائے یا کسی شرعی اخلاقی اور تمدنی مقصد کا حصول اس پر موقوف ہو تو پھر یہ غیبت اس تعریف میں نہیں آئے گی جو شرعاً حرام ہے کسی حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا کسی پیشہ ور دھوکہ باز کے حالات سے لوگوں کو آگاہ کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے۔

1:4- منافقت

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : تجدون شرّ الناس يوم القيامة ذا الوجهين الذی ياء تی هولاء بوجهٍ وهولاء بوجهٍ (بخاری و مسلم)

ترجمہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے اور جب دوسرے کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور انداز میں ہوتا ہے''۔

قیامت کے دن ایسا شخص جس بدترین حالت میں ہوگا اس کی وضاحت جناب رسالت مآب صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا:

''دنیا میں جو شخص دوُرخا ہو گا اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا، قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں اجر و ثواب کے وعدے ہیں، مختلف قسم کے ہیں اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں اسی طرح برے اعمال اور برے اخلاق جن پر سزا اور عذاب کی وعیدیں ہیں وہ بھی مختلف قسم کے درجے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے دوُرخا پن، جو ایک طرح کی منافقت ہے اس کی سزا یہ مقرر فرمائی کہ ایسے آدمی کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں بعض انتہائی خطرناک قسم کے سانپوں کے بھی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

دوُرخے پن کے لیے صرف ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایک شخص کے سامنے اس کی تعریف کی اور وہاں سے ہٹا تو اسی کی برائی کی۔ یہ بھی دوُرخا پن ہے اور نفاق کی ایک صورت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نفاق سمجھتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ''لوگ امراء اور حکام کے پاس جاتے ہیں ان سے کچھ اور کہتے ہیں اور جب وہاں سے نکل کر باہر آتے ہیں تو کچھ اور کہتے ہیں ابن عمرؓ نے فرمایا عہد رسالت میں یہ بات نفاق میں شمار ہوتی تھی۔ قرآن کریم میں بھی اسے نفاق کی خاص علامت کہا گیا ہے۔

''اور جب ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں''

عام طور پر لوگ دورخے پن کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور زیادہ اہمیت نہیں دیتے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنگین جرم کہا ہے اور ایسی ہی کڑی سزا اس کی تجویز کی ہے اگر ہم غور کریں

کہ ہر روز گھروں میں خاندان میں اور معاشرے میں کتنے جھگڑے اور ہنگامے لوگوں کے دو رخے پن کی وجہ سے ہوتے ہیں اس سے دلوں میں نفرت اور کدورت بیٹھ جاتی ہے اور برسوں کے تعلقات اور خونی رشتے پل بھر میں ختم ہو جاتے ہیں۔

1.5- خیانت اور بددیانتی

عن عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم توضا یوما فجعل اضحابه یتمسحون بوضوئه فقال لهم النبی صلی اللہ علیه وسلم : ما یحملکم علی هذا؟ قالوا: حب اللہ ورسوله ، فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم :من سره ان یحب اللہ ورسوله اویحب اللہ ورسوله فلیصدق حدیثهٗ اذا حدَّث ولیؤد امانتهٗ اذا أوتمن ولیحسن جوار من جارهٗ (بیہقی)

''عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے تو صحابہ وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر ملنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہیں کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان کا یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی یہ خوشی ہو کہ اس کو اللہ اور رسول سے حقیقی محبت ہو یا یہ کہ اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت کے بغیر اس کے مالک کے حوالے کر دے اور جس کے پڑوسی میں رہنا ہو اس کے ساتھ اچھا معاملہ اور برتاؤ کرے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے

امانت داری کو شعار بنائے اور خیانت سے پوری طرح گریز کرے اگر یہ نہیں تو محبت اور تعلق کا دعویٰ جھوٹ اور نفاق کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو تو اس کی فطرت اور طبیعت میں جھوٹ اور خیانت کی گنجائش نہیں ہوسکتی دوسری برائیاں اور کمزوریاں مومن میں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن خیانت ایک خاص منافقانہ برائی ہے یہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی میں یہ بری عادت موجود ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اسے ابھی ایمان کی حقیقت اور حلاوت نصیب ہی نہیں ہوئی۔

ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ جو حق واجب ہو اسے ایمان داری کے ساتھ ادا نہ کرنا خیانت اور بد دیانتی ہے ایک آدمی نے اپنی کوئی چیز دوسرے کے پاس امانت رکھوائی اگر وہ اس میں تصرف کرتا ہے یا اس کے مطالبہ پر اسے ادا نہیں کرتا تو یہ خیانت ہے کسی کو کسی کا کوئی راز معلوم ہو اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر دوسروں پر ظاہر کرتا ہے تو یہ بھی خیانت ہے جو کام کسی کے سپرد ہو وہ اسے دیانت داری کے ساتھ سرانجام نہ دے تو یہ بھی خیانت ہے عام مسلمانوں ائمہ وقت اور متفقہ قومی و ملی مصلحتوں کے خلاف بات یا عمل کرنا بھی خیانت اور ملت سے بددیانتی ہے دوست ہو کر دوستی نہ نبھانا بھی خیانت ہے دل میں کچھ اور رکھنا زبان سے کچھ اور کہنا اور عمل سے مختلف کرنا بھی خیانت ہے۔

خیانت کی کوئی بھی قسم اور کوئی بھی صورت ہو اسلام میں سب کی سب ممنوع ہے ارشاد ربانی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْن

(انفال:۷)

ترجمہ ”اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر بد دیانتی کرو۔“

اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد ان کے حکموں کی تعمیل نہ کی جائے دین و ملت کی مصلحتوں کے ساتھ غداری کی جائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی چوری چھپے مدد کی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا نماز امانت ہے وضو امانت ہے تول امانت ہے

ناپ امانت ہے مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے حقوق صحیح طور پر ادانہیں کرو گے تو وہ خیانت کہلائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن بری عادتوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے فرمایا کرے اللہ ! مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت برا اندرونی ساتھی ہے۔

1.6- غصہ

"عن ابی هريرة رضی الله عنه : ان رجلاً قال للنبی صلی الله علیه وسلم : اوصنی ، قال: لا تغضب ، فردد ذلك مرارا ، قال : لاتغضب" (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ! مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔ غصہ مت کیا کرو، اس شخص نے اپنی اسی درخواست کو کئی بار دہرایا (اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! مجھے کوئی اور وصیت فرمایئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی فرمایا غصہ مت کیا کرو"۔

معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی تھی وہ کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور غصہ والے تھے ان کے لئے مناسب اور مفید ترین نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ غصہ نہ کیا کرو' اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر بار یہی فرمایا۔

یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ انسان کی بری عادتوں میں غصہ بہت بری بلکہ خطرناک عادت ہے۔ بسا اوقات اس کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع نقصان کا انسان پر شیطان کا جتنا زور قابو غصہ کی حالت میں چلتا ہے اتنا کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا انسان کو جب زیادہ غصہ آتا ہے تو وہ اپنے بس میں نہیں رہتا بعض دفعہ آدمی غصے میں اتنا بے قابو ہو جاتا ہے کہ اپنے ایمان اور عقیدہ تک کے خلاف باتیں زبان سے نکال دیتا ہے۔اسی وجہ

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلو اشہد کو خراب اور کڑوا کر دیتا ہے''۔

غصہ کا انجام اپنے اور دوسروں کے حق میں اکثر برا ہی ہوتا ہے اس لیے ایک مسلمان کو چاہئے کہ غصہ پر قابو رکھے۔اللہ تعالیٰ نے اچھے مسلمانوں کی تعریف میں یہ بات کہی ہے کہ وہ اپنے غصہ کو دبا لیتے ہیں، پی جاتے ہیں۔

والکظمین الغیظ ،ایک مقام پر فرمایا **واذا ما غضبوا ھم یغفرون**، ''جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں''۔

سکون کی حالت میں کسی غلطی کو معاف کر دینا آسان ہوتا ہے مگر آدمی جب غصہ میں ہو تو پھر کسی غلطی اور کوتاہی سے درگزر کرنا مشکل بات ہوتی ہے۔لیکن ایک مسلمان کی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اس وقت بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور دوسرے کی غلطی کو معاف کر دے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے پہلوان وہ نہیں ہے جو مدمقابل کو پچھاڑ دے۔ پہلوان اور شہ زور حقیقت میں وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

جس طرح غصہ کی وجہ سے آدمی بہت سی مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح غصہ کو پی جانے سے بہت سی مصیبتوں اور نقصانات سے بچ جاتا ہے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے مسلمانوں کی کوئی مشکل نہیں چھوڑی جس کا حل نہ بتا دیا ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی راہنمائی فرمائی کہ جب غصہ آئے تو کیا کرنا چاہئے ،فرمایا: تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو وہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے''۔

نیز فرمایا ''جب آدمی غصہ میں لال پیلا ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ''**اعوذ باللہ من الشیطٰن الرَّجیم** کہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کے تین علاج بتائے ہیں۔ ایک روحانی اور دو ظاہری۔ روحانی تو یہی جس کا ذکر ہوا کہ اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو ظاہری علاجوں میں ایک کا ذکر ہو چکا کہ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں نیت تبدیل ہونے سے مزاج کی کیفیت بدل ہو جاتی ہے اور توجہ بٹ جاتی ہے اس طرح یقیناً غصے کی حالت میں کمی آ جائے گی دوسرا ظاہری علاج یہ ہے کہ وضو کرے غصے کی حالت میں خون کا دوران بڑھ جاتا ہے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے جب آدمی ٹھنڈے پانی سے وضو کرے گا اور منہ ہاتھ دھوئے گا تو پانی پڑنے سے اعضاء میں ٹھنڈک آئے گی اور غصے کی گرمی کم کرنے کا سبب بنے گا۔

۲...... خود آزمائی

۱) وہ کون سا کام ہے جس پر لعنت بھیجی گئی ہے

۲) عمل کا جھوٹ کون سا ہوتا ہے

۳) جھوٹ کی کون سی قسم سب سے بدتر ہے

۴) کیا گھروں میں بچوں کو ڈرانے یا بہلانے کے لیے جھوٹ بولا جاتا ہے وہ جائز ہے۔

۵) ہنسی مذاق میں جھوٹ بولنا کیسا ہے۔

۶) اگر جھوٹ بولنے سے کسی کو نقصان نہ پہنچے تو کیا جھوٹ بولنا درست ہوگا۔

۷) اگر کوئی شخص بدزبان ہو تو کیا اس کے ساتھ اسی انداز سے گفتگو کرنی چاہئے۔

۸) کیا کوئی ایسا معاملہ بھی ہے جس میں آدمی کو سختی برتنی چاہئے۔

۹) غیبت کا مفہوم کیا ہے۔

۱۰) کسی شخص میں اگر کوئی برائی پائی جاتی ہو تو اس کے بارے میں اس کے پس پشت کسی کو بتانا بھی غیبت ہے یا نہیں۔

۱۱) اگر کوئی دوکاندار کم تولتا ہے یا ملاوٹ کرتا ہے اس کے بارے میں لوگوں کو بتانا بھی غیبت ہوگا یا نہیں۔

۱۲) کیا عدالت میں کسی کے خلاف سچی گواہی دینا بھی غیبت ہے؟

۱۳) ذوالوجہین کا کیا مطلب ہے؟

۱۴) منافقت پر آخرت میں کیا سزا دی جائے گا۔

۱۵) کیا خیانت کا تعلق صرف روپے پیسے سے ہے یا اس کا مفہوم وسیع ہے۔

۱۶) اللہ اور اس کے ساتھ خیانت کا کیا مطلب ہے۔

۱۷) اگر آپ کو کسی بات پر غصہ آجائے تو اسے دور کرنے کی کیا تدبیر بتائی گئی ہے؟

۱۸) غصے کے تین علاج کون کون سے ہیں؟

۳...... جوابات

۱) جھوٹ بولنا
۲) جو کہا جائے وہ کیا نہ جائے
۳) جھوٹی گواہی جھوٹی قسم کھانا
۴) ہرگز نہیں
۵) ناجائز
۶) نہیں
۷) نہیں بلکہ اس سے نرمی سے گفتگو کریں
۸) جب احکام الٰہی کی خلاف ورزی ہو تو سختی کی اجازت ہے
۹) کسی کی غیر حاضری میں اس کے بارے میں ایسی بات کرنا جسے وہ سنے تو ناپسند کرے
۱۰) یہی تو غیبت ہے
۱۱) نہیں
۱۲) نہیں بلکہ یہ فرض ہے
۱۳) منافق
۱۴) جہنم کا سب سے نچلا طبقہ
۱۶) اس کا مفہوم وسیع ہے
۱۷) ایمان کا اقرار کرنے کے بعد اس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جائے
۱۸) اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔
۱۹) اعوذ باللہ پڑھے۔ اپنی ہیبت تبدیل کرے، وضو کرے۔

یونٹ 10

تہذیب و اخلاق اسلامی

تحریر: پروفیسر حافظ عبدالشکور

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد امید ہے کہ آپ اس قابل ہوں گے کہ:

۱: اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات بیان کر سکیں۔

۲: اسلام میں اخلاق کی اہمیت وافادیت کی وضاحت کر سکیں۔

۳: فرد کے لئے جن اخلاقی خوبیوں کا ہونا ضروری ہے، ان کی تفصیل بتا سکیں۔

۴: یہ تمام اخلاقی خوبیاں جن کا ہمارا دین ہم سے تقاضا کرتا ہے، اپنے اندر پیدا کر سکیں اور اپنے آپ کو اسلامی معاشرے کا مفید فرد بنا سکیں۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	یونٹ کا تعارف	387
-1	اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات	388
	1.1 مفہوم	388
	1.2 اسلامی تہذیب کی خصوصیات	388
-2	تقویٰ	392
	2.1 مفہوم	392
	2.2 فضیلت و اہمیت	393
	2.3 تقویٰ کے لوازم و ثمرات	394
-3	ذکر	395
	3.1 مفہوم	395
	3.2 ضرورت و اہمیت	395
	3.3 ذکر الٰہی کے فوائد	397
	3.4 ذکر کے طریقے	389
-4	شکر	399
	4.1 مفہوم	399

399	4.2 فضیلت واہمیت	
401	4.3 ادائے فضیلت واہمیت	
403	عدل وانصاف	-5
403	5.1 مفہوم	
403	5.2 فضیلت واہمیت	
405	5.3 عدل کی قسمیں	
406	عفوودرگذر	-6
406	6.1 مفہوم	
406	6.2 فضیلت واہمیت	
408	تدبر	-7
408	7.1 مفہوم	
408	7.2 فضیلت واہمیت	
411	تحمل	-8
411	8.1 مفہوم	
411	8.2 فضیلت واہمیت	
413	خدمت خلق	-9
413	9.1 مفہوم	
413	9.2 فضیلت واہمیت	
416	خودآزمائی	-10

یونٹ کا تعارف

انسان اور حیوان کے زندہ رہنے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان عقل وشعور سے کام لے کر اپنی ذاتی اور معاشرتی زندگی کا وہ نقشہ بناتا ہے جس سے تہذیب، شائستگی وقار اور احساس ذمہ داری کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر اس کی زندگی میں حالات کے مطابق خوشگوار تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور اس کے رہن سہن میں ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ لفظ تہذیب کسی قوم کی زندگی کے خدوخال، رسم ورواج، اصول وضوابط اور رہن سہن کے طریقوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ اسلامی تہذیب کیا ہے اور اس کی نمایاں خصوصیات کون کون سی ہیں۔

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس کے زیرسایہ رہنے والے افراد اپنی زندگیوں میں اس کے مطابق مناسب تبدیلی نہ کرلیں۔ اس لیے ہر معاشرہ اپنے افراد کو ان نظریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے جن پر وہ خود قائم ہے۔ اسلام نے بھی فرد کی اصلاح کو دیگر امور پر مقدم رکھا ہے۔ افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ ہے۔ اگر فرد کی اصلاح ہو جائے۔ تو اس سے لازماً معاشرہ، ملک اور قوم کی اصلاح ہو جائے گی۔ معاشرہ ایک عمارت کی مانند ہے اور افراد اس عمارت میں استعمال ہونے والا مسالہ ہیں۔ عمارت کی پائیداری کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہر اینٹ پختہ ہو۔ ہر شمشیر مضبوط ہو اور کوئی شے اس میں ناکارہ نہ ہو۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان اپنے ماحول پر اثر انداز ہوتا ہے گویا ایک فرد کے اچھے اخلاق سے یہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے گھر کی اصلاح کرے اور اپنے ہمسایوں کی اصلاح کا ذریعہ بن جائے غرضیکہ اچھے افراد سے ایک مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں انسان کی شخصی سیرت کو مثالی اور عمدہ بنانے کے لیے ضابطہ اخلاق مقرر ہے، ذیل میں ہم ان اخلاقی خوبیوں کا ذکر کریں گے جو فرد کی زندگی میں حسن کردار کا ناموس پیدا کردیتی ہیں۔ آیئے ان پر فرداً فرداً بحث کرتے ہیں۔

ا......اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات

1.1 مفہوم

تہذیب کے لفظی معنی کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے معنی میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ اب یہ لفظ طرز زندگی اور طریق معاشرت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہر قوم ایک مخصوص طرز زندگی اور جداگانہ عادات واطوار کی مالک ہوتی ہے جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کرتے ہیں اسی ظاہری شکل وصورت کو تہذیب کہا جاتا ہے گویا کہ ایک قوم کے وہ خدوخال جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کریں۔اس کی تہذیب کہلاتی ہے۔

اسلام میں دین تہذیب کا سرچشمہ ہے ۔اس لئے اپنے تمام جذبات ،افعال طرز رہائش ،عادات واطوار،طریق زندگی اور معیشت و معاشرت کو دین کے تابع بنانے کا نام اسلامی تہذیب ہے۔پس تہذیب اسلامی سے مراد مسلمانوں کی تہذیب نہیں بلکہ وہ تہذیب ہے جو اسلام کے بنیادی نظریات اور اسلامی عقائد کی پیداوار ہے پیغمبر اسلام نے اپنے انقلابی ارشادات اور حکیمانہ تعلیمات کے ذریعے جو ذہنی و عملی انقلاب پیدا کیا۔اس کا نام اسلامی تہذیب ہے ۔اس تہذیب کے درخشاں پہلو تاریخ اسلام میں ملتے ہیں ۔اور بعض اوقات تو وہ اپنی پوری شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔مثلاً عہد نبوی اور خلافت راشدہ۔

1.2 اسلامی تہذیب کی خصوصیات

i) **توحید:** اسلامی تہذیب کی بنیاد نظریہ توحید پر استوار کی گئی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے

واحد کی بادشاہی اور حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں ۔صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے ۔اسی کے احکام کی اطاعت ضروری ہے۔اسی لئے اسلامی تہذیب میں شرک اور بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

(ii **اخلاقی تہذیب :** اسلامی تہذیب میں اخلاق تزکیۂ نفس اور پاکیزگی کردار کو اولین اہمیت حاصل ہے گویا اس تہذیب کا مزاج مذہبی بھی ہے۔اور اخلاقی بھی اسلامی تہذیب کے معلم اول نے آغاز دعوت سے ہی اخلاق و کردار کو سنوارنے پر زور دیا جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات وتعلیمات کی تحقیق کے لیے مکہ بھیجا۔انہوں نے اطلاع دی کہ:

''میں نے اس کو دیکھا کہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں جو اخلاقی انقلاب برپا کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

(iii **سادگی :** اسلامی تہذیب کی ایک امتیازی خصوصیت عیش وعشرت سے بیزاری ہے۔اسی لیے اسلام نے روزمرہ کی زندگی میں سادگی کو سرفہرست رکھا۔اسے ایمان کی علامت بتایا اور تاکید کی کہ سادہ کھاؤ، سادہ پہنو، تکلف، فضول خرچی اور عیاشی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے اسباب زوال میں شمار کیا ہے اسلامی معاشرے سے رشوت کے خاتمہ کے لیے سادگی ایک نسخہ اکسیر ہے۔

(iv **دین و دنیا کی وحدت:** اس تہذیب نے دین و دنیا کی اس مصنوعی علیحدگی کو ختم کر دیا۔ جو مختلف تہذیبوں سے رائج ہے۔اپنی دنیاوی بہتری سے غفلت برتنا اور یہ سمجھنا کہ اس طرح انسان اپنی آخرت سنوار رہا ہے غلط ہے۔ یہ تہذیب سکھاتی ہے کہ دنیوی واخروی زندگی دونوں کی اصلاح ضروری ہے ان میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تہذیب انسان کی دنیاوی فلاح کی اتنی ہی ضامن

ہے۔ جتنی اخروی فلاح کی۔ اس لیے مسلمان کو جو دعا سکھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہترین اجر دے۔

(v **جامعیت:** اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت جامعیت ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور دین دنیا کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔ اس تہذیب کا اپنے علمبرداروں سے مطالبہ ہے۔ اے اہل ایمان! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان اپنے کل معاملات میں خدا کی ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے اس کی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔

(vi **اخوت و مساوات:** اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت اخوت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں حدیث میں آیا ہے کہ سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں۔ جس طرح جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کی تکلیف دوسرے کو بے چین کر دیتی ہے۔

اسی طرح اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔ یہ مساوات حقوق و فرائض کی مساوات ہے ہر وہ شخص جو توحید و رسالت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس تہذیب کا رکن بن سکتا ہے کالے اور گورے کی کوئی تمیز نہیں۔ رنگ، نسل اور وطن کا کوئی امتیاز نہیں۔ اگر کوئی وجہ فضیلت ہے۔ تو وہ صرف پرہیز گاری ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے: تم میں اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔

(vii **روا دار تہذیب:** اس تہذیب کا ایک امتیاز اس کی حیرت انگیز مذہبی رواداری ہے جو کسی ایسی تہذیب میں نہیں پائی گئی جو دینی بنیادوں پر قائم ہوئی ہو۔ تہذیب اسلامی نے تاریخ عالم میں سب سے زیادہ مذہبی رواداری اور اخلاقی بردباری کا نمونہ پیش کیا۔ قرآن حکیم میں واشگاف الفاظ میں اعلان کیا

گیا ہے کہ ''مذہب میں کوئی جبر نہیں۔''

مسلمانوں کی مذہبی رواداری کا اعتراف ایک غیر مسلم موسیو لیبان نے یوں کہا ہے:

''تاریخ کسی ایسی قوم سے واقف نہیں جو عرب قوم سے بڑھ کر انصاف پرور اور روادار فاتح ثابت ہوئی ہو۔''

viii) **امر بالمعروف و نہی عن المنکر:** اس تہذیب میں ایک خوبی ایسی ہے جس میں کوئی دوسری تہذیب اس کی برابری نہیں کر سکتی کہ یہ تہذیب ایک ایسے ماحول کو جنم دیتی ہے جو نیکی کے لیے بڑا ساز گار اور برائیوں کے لیے موت کا پیغام ہے اس میں نیکیاں پھلتی پھولتی ہیں اور برائیاں دب جاتی ہیں۔ نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کے لیے اس امت کو وجود میں لایا گیا۔ اس فریضے کی تکمیل کی بناء پر یہ ملت خیر امت کے عظیم لقب سے نوازی گئی۔ پس یہ تہذیب ہر لحاظ سے فیض رسان، پر امن اور سکون بخش ہے۔

۲ ...... تقویٰ

2.1- مفہوم

عربی زبان میں تقویٰ کے لفظی معنی بچنے پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں لیکن اسلامی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے نیکی کی طرف رغبت اور برائی سے نفرت پیدا کر دیتی ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ:

''یہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔''

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد خوف خدا ہے یہی خوف خدا جب انسان اپنی پوری زندگی پر محیط کر لیتا ہے اور جب وہ ہر قدم رکھنے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ خدا کو ناپسند تو نہیں تو اس کا یہ وصف تقویٰ کہلاتا ہے اس کی سب سے عمدہ وضاحت حضرت عمر فاروق اور حضرت کعب رضی اللہ عنہم کے مکالمے میں ملتی ہے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا آپ کو کسی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا۔ جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کئی بار حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اپنا دامن سمیٹ کر چلتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بس یہی تقویٰ ہے کہ انسان شاہراہ زندگی پر چلتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھے اور گناہوں اور نافرمانیوں کی جھاڑیوں میں الجھنے سے اپنے دامن کو بچائے۔

چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی کامل نگہداشت کا نام تقویٰ ہے۔ اسی لئے

حضرت معروف کرخیؒ کا فرمان ہے زندگی دریا ہے آخرت اس کا ساحل اور تقویٰ اس کی کشتی ہے۔ پس تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور یہی مذہب کی جان اور دینداری کی روح ہے۔

2.2- فضیلت و اہمیت

اسلام کی تمام تعلیمات اور عبادات کا مقصد یہی ہے کہ دلوں میں تقویٰ پیدا کیا جائے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اسے ہم تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔ قرآن پاک نے اپنی دوسری ہی سورت میں اعلان کیا ہے کہ اس کی تعلیم سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ ھدی للمتقین ''یہ کتاب تقویٰ والوں کو راہ دکھاتی ہے۔ اسلام کی ساری عبادات کا منشا اسی تقویٰ کا حصول ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو تمہارے پہلوں کو پیدا کیا، عبادت کرو تاکہ تم تقویٰ پاؤ۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تجھے تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں، کیونکہ ہر نیکی کی ابتداء ہے۔

اسلام کا اخلاقی نظام بھی اس تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''اور معاف کر دینا تقویٰ سے قریب تر ہے۔ قرآن کہتا ہے: ''انصاف کرنا تقوی کے قریب تر ہے۔ آپؐ نے فرمایا تقویٰ زندگی کے ہر شعبے کو رونق و جمال بخشتا ہے۔

اسلام میں تقویٰ کو جو اہمیت حاصل ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ اسلام کی رو سے وہی شخص قابل عزت اور قابل احترام ہے جو متقی ہو۔ اگرچہ کوئی شخص دنیوی اور خاندانی لحاظ سے کتنا ہی بڑا ہو اور کیسے ہی معزز عہدے پر فائز ہو اگر اس کے دل تقویٰ سے خالی ہو تو اسلام کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ہم نے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبائل میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن اس کی غرض صرف یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان سکو ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے معزز شخص ہے جو تم سے زیادہ متقی ہے۔'' اس قرآنی اعلان کو آپؐ نے یوں ادا فرمایا کہ ''بزرگی اور شرافت تقویٰ کا نام ہے۔'' اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ باعزت کون ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو ان میں سے زیادہ پرہیز گار ہو۔''

تقویٰ کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسی کی بدولت ہی کاموں کو دنیا میں بھی بقا، قیام اور دلعزیزی نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔ ایک کام ہزاروں اغراض اور سینکڑوں مقاصد کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان میں اللہ تعالیٰ صرف انہی کاموں کی پیش کش کو قبول فرماتا ہے جو تقویٰ کے ساتھ اپنا انجام دیتے ہوں۔ قرآن بتاتا ہے: "اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔"

قرآن پاک میں جہاں نیکی کی تعلیم دی گئی ہے وہیں متقی لوگوں کے لئے آخرت کی زندگی میں فوز و فلاح کی بشارت بھی سنا دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ کامیابی و کامرانی ان کی ہی قسمت میں ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اور آخری انجام تقویٰ والوں کے لئے ہے۔" قرآن واضح کہتا ہے کہ: "تقویٰ کے نتیجے میں مومنوں کو ہر قسم کی اخروی نعمتوں سے سرفراز کیا جاتا ہے ان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور وہ جنت کے وارث قرار دیئے جاتے ہیں حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جس نے مجھ سے تقویٰ کیا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اس کے لیے جنت واجب ہے۔"

2.3- تقویٰ کے لوازم و ثمرات

تقویٰ کے دو لوازم ہیں ایک تو ہر شعبہ زندگی میں خدا کی مکمل اطاعت اور دوسرے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہوئے نیکی کرنے کی مسلسل کوشش یہ وصف جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اس کی طبیعت میں تمیز ہو جاتی ہے اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اس کے مذاق کو ہر وہ شے کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی پسند سے مختلف ہو۔ وہ اپنے نفس کا آپ جائزہ لینے لگتا ہے وہ اپنی زندگی کا خود سے محاسبہ کرنے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور اپنی قوتوں کو صرف کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے تو وہ بچتا ہی ہے اس سے بڑھ کر مشتبہ امور میں بھی مبتلا ہوتے ہوئے خود بخود جھجکنے لگتا ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت آپ سے آپ اس کا شیوہ بن جاتا ہے اور اس خیال سے اس کا ضمیر کانپتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے پس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق دنیا کی تاریکیوں میں تقویٰ چراغ کا کام دیتا ہے۔

۳...... ذکر

3.1- مفہوم

ذکر کے معنی کسی کو یاد کرنے کسی کے حسن و جمال کا تذکرہ کرنے اور کسی کی تصویر کو دل میں جمانے کے ہوتے ہیں شریعت کی زبان میں ذکر سے مراد ہے اللہ کی یاد، اس سے دعا کرنا۔شوق ومحبت سے اس کا نام لینا اور اس کی کتاب کی تلاوت کرنا ہے اس کی ضد عفلت ہے گویا ذکر عدم غفلت کا نام ہے۔

3.2- ضرورت واہمیت

اسلام کی تعلیم اوراس کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنی پوری زندگی احکام الٰہی کے ماتحت گزاریں اور ہر حال اور ہر معاملے میں وہ اللہ کی فرمانبرداری کریں اور یہ بات کامل طور پر جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ کا خیال رہے اوراس کے دل میں اللہ کی عظمت ونعمت پوری طرح بیٹھ جائے اس لیے اسلام کی ایک خاص تعلیم یہ ہے کہ بندے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کریں اوراس کی تسبیح اور حمد وثنا سے اپنی زبانیں تر رکھیں ۔دل میں اللہ کی عظمت ومحبت پیدا کرنے کا یہ ایک خاص ذریعہ اور آزمودہ نسخہ ہے حکم الٰہی ہے:

> ''اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرتے رہا کرو۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرماتے ہیں کہ ''تیری زبان ہر وقت ذکر الٰہی سے تر رہے'' اس لحاظ سے ذکر اور محبت لازم وملزوم ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ذکر کی کثرت عشق ومحبت کے چراغ کو روشن کرتی ہے جب کسی سے محبت ہوگی تو لازماً انسان اس کا ذکر بھی کرے گا۔ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ محبت کے لائق

ہستی اللہ تعالیٰ کی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مومن ہر پیاری چیز سے بڑھ کر اپنے خدا سے محبت کرتا ہے۔'' ایسی صورت میں ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھے تاکہ اس کے دل میں محبت الٰہی پیدا ہو۔ اس لیے قرآن پاک میں اللہ کے ذکر کی کثرت کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً اللہ کا ذکر افضل ترین عبادت ہے قرآن کہتا ہے اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ ذکر عبادت کی روح ہے اللہ کی یاد بہت افضل چیز ہے جسے ہم نماز اور جہاد وغیرہ کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصل فضیلت اسی کو ہے۔ ارشاد الٰہی ہے ''نماز قائم کرو۔ میری یاد کے لیے یہی وجہ ہے کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ نماز کے علاوہ بھی تم جس حال میں ہو۔ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہو۔ ارشاد باری ہے۔ ''جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو۔ اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے۔'' خاص طور پر دو چیزیں ایسی ہیں جن میں مشغول ہو کر یا ان کے نشے میں مست ہو کر آدمی اللہ کو بھول جاتا ہے ایک مال و دولت اور دوسرے بیوی بچے۔ اس لیے ان دونوں چیزوں کا نام لے کر مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے۔ اے ایمان والو!

> ''تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں گے وہی گھاٹے میں رہنے والے ہوں گے''۔

اس کی وضاحت قرآن کریم یوں کرتا ہے:

> ''جو شخص میرے ذکر سے منہ موڑتا ہے اس کے لیے اس دنیا میں تنگی کی زندگی مقدر کی گئی ہے اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا ہونے کی حالت میں اٹھائیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ذکر الٰہی کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ مثلاً بندے کا مرتے دم تک ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اللہ کو محبوب ہے اور غافل مُردے کی مانند ہے کوئی عمل (عمل صالح) اللہ کے ذکر سے بہتر نہیں جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا جائے وہ قیامت کے دن باعث حسرت ہوگی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر الٰہی کی صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی لوگوں کو دکھا دیا کہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ ذکر الٰہی کرنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اے اللہ مجھے اپنے ذکر وشکر اور اچھی بندگی کی توفیق ارزاں فرما دے۔''

3.3- ذکر الٰہی کے فوائد

ذکر الٰہی کی اہمیت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے فوائد بھی جان لیے جائیں۔ ذکر الٰہی کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

۱) ذکر الٰہی سے نہ صرف اس شخص کے دل میں محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ''تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔''

۲) ذکر الٰہی کرنے والے کے لیے حصول مقاصد کی تمام راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔''

۳) ذکر الٰہی کرنے والے کو اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے جو انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے قرآن بتاتا ہے۔'' خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

۴) ذکر الٰہی کے نتیجے میں گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح سے احساس جرم کا بھاری بوجھ جو کسی انسان کی بے قراری کا سبب ہے۔ اس کی گردن سے دور کیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے (جو لوگ بھی متقیوں میں شامل ہیں کہ) اگر کبھی ان سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے یا کوئی گناہ کر کہ اپنی جان پر ظلم کریں تو خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور گناہوں کو اللہ کے سوا کون معاف کر سکتا ہے۔

3.4- ذکر کے طریق

خدا کو یاد کرنے کا وہی طریقہ صحیح اور درست ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتادیا ہے اب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کیے ہوئے اور پسند فرمائے ذکر کے خاص خاص طریقے اور کلمے معلوم کر لینا چاہیے۔

۱: قرآن پاک کی تلاوت

قرآن مجید کی تلاوت ذکر کی ایک اعلیٰ ترین صورت ہے اس کی تلاوت سے بے انداز اجر وثواب نصیب ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے لئے سب سے بہتر عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔

۲: افضل الذکر

لا الٰہ اِلّا اللہ کو افضل الذکر کہا گیا ہے۔ یہ پاک کلمہ دین کی اصل اور ایمان کی جڑ ہے فرمان نبویؐ ہے سب ذکروں میں افضل ذکر لا الٰہ اِلّا اللہ کا ذکر ہے۔

۳: اس کی صفات کو بتکرار دہرانا:

خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہنا یہ تسبیحات فاطمہ کہلاتے ہیں۔

۴: درودوسلام

محسن انسانیت پر درودوسلام بھیجنا اور ان کے عظیم احسانات کا اقرار کرنا بھی ذکر میں شامل ہے۔ حکم الٰہی ہے: ”اے ایمان والو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خوب کثرت سے درودوسلام بھیجا کرو۔“

۴...... شکر

4.1- مفہوم

شکر کے معنی اظہار احسان مندی کے ہیں۔اصل میں شکر اس قدر شناسی کا نام ہے جو دل وزبان اور عمل سے ہو۔امام غزالی فرماتے ہیں۔اللہ تعالی کی نعمتوں کی پہچان کرنا اور دل وزبان اور اعضاء وجوارح کو خدا کی رضا میں لگا دینے کا نام شکر ہے۔اسی طرح دل میں نعمت کو اللہ کی طرف سے جان کر شاداں ہونے کو بھی شکر کہتے ہیں۔اس کی ضد کفر ہے۔جس کے معنی ڈھانپنے کے ہوتے ہیں اصطلاح میں ناشکرا پن، ناقدردانی اور نافرمانی کہلاتی ہے۔قرآن کریم میں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے بالمقابل بولے گئے ہیں۔شکر وکفر کا یہ تقابل اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کفر اللہ تعالی کی لاتعداد نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کا نام ہے تو شکر کی حقیقت یہ ہے۔کہ اللہ تعالی کے احسانات اور نعمتوں کی قدر جان کر اس کے احکام کی اطاعت اور دل سے فرمانبرداری کی جائے۔

4.2- فضیلت واہمیت

جس طرح کفر اسلام کی نگاہ میں بدترین خصلت ہے اس کے بالمقابل شکر سب سے بہتر اور اعلیٰ خصلت ہے قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ اسی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل بولے گئے ہیں۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم مال جمع کریں تو آپ نے فرمایا ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل۔آپ نے بتایا کھانا کھانے والا شکر گزار مومن ہمیشہ کے روزہ دار سے کہیں بہتر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں ایک شکر کا جذبہ پیدا ہو جائے تو دین ودنیا کی بھلائی کیلئے اس کو کسی تنبیہ کی ضرورت نہ ہو۔وہ خدا کی نعمتوں کی قدر جان کر اس کو مانے گا اور اس کے حکموں پر چلے گا۔اس نتیجے

بندوں کے ساتھ شکرانہ میں بھلائی کرے گا۔خود بندوں کے احسانات کے جواب میں ان کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرے گا۔

شکر ایمان کی جڑ، دین کی اصل اور اطاعت الٰہی کی بنیاد ہے۔شریعت کی اکثر باتیں اسی ایک شکر کی تفصیلیں ہیں۔ چنانچہ پوری شریعت کا حکم اللہ تعالیٰ ان لفظوں میں دیتا ہے"بلکہ اللہ کی بندگی کرو اور شکرگذاروں میں سے ہو"۔اسی لئے شیطان نے جب خدا سے یہ کہنا چاہا کہ تیرے اکثر بندے تیرے حکموں کے نافرمان ہوں گے تو یہ کہا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہ پائے گا۔اسی لئے فرمان نبوی ہے کہ جس نعمت کا شکر ادا نہ کیا جائے گا وہ ایسا گناہ ہے کہ بخشا نہ جائے گا۔

شکر الٰہی کا بہترین نمونہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔آپ کی زبان ہر وقت حمد و تسبیح میں مصروف رہتی تھی۔راتوں کو اٹھ کر اتنی دیر تک عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک سُوج جاتے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے پھر آپ اتنی محنت و مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں۔آپ نے جواب میں فرمایا: کیا میں اللہ کا شکرگذار بندہ نہ بنوں۔یہی وجہ ہے سیرت کی کتابوں میں بکثرت ایسی دعائیں ملتی ہیں جن میں شکر و سپاس کے پاکیزہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔آپ سو کر اٹھتے تو خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا یوں فرماتے اس ذات پاک کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد حیات نو بخشی۔کھانا کھاتے تو یہ الفاظ ادا فرماتے:

"اللہ رب العزت کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو یہ کلمات شکر زبان مبارک سے ادا ہوتے:

"خدا کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور زندگی میں آراستگی حاصل کرتا ہوں۔"

4.3- ادائے شکر کے طریقے

شکر کی دو قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر اور بندوں کا شکر۔ شکر کے تین طریقے ہیں:

۱) قلبی شکر:

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات پر قدر دانی کے جذبات ہوں ۔ جب یہ کیفیت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے تو اس کا دل ہمہ تن شکر بن جاتا ہے یہی شکر شکر قولی اور شکر عملی کا موجب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر کرو۔

۲) شکر قولی:

زبان سے جو شکر ادا کیا جاتا ہے اسے قولی شکر کہتے ہیں وہ یوں کہ زبان سے محسن کے احسان کا اقرار کیا جائے ۔ قرآن پاک میں شکر قولی کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔ ارشاد ہے :اور تو اپنے رب کی نعمت کا ذکر کر۔ زبان سے شکر خدا ادا کرنے کا نام قرآن کی زبان میں ''حمد'' ہے ۔ چنانچہ انسان سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی نعمتوں کا شکر کرتے ہوئے اس کی حمد بیان کرے ۔ چنانچہ فرمان نبوی ہے ۔ حمد شکر کا سر چشمہ ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دن رات کی بے شمار دعائیں ملتی ہیں ۔ جن میں اکثر کا آغاز اسی لفظ ''الحمد'' سے ہوتا ہے ۔

۳) عملی شکر:

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کے علاوہ دوسرے جسمانی اعضاء کو اطاعت خداوندی میں استعمال کرے ۔ عملی شکر کا دائرہ بڑا وسیع ہے ۔ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے پر استعمال کرنا اور انہیں ضائع نہ ہونے دینا یہ بھی عملی شکر ہے ۔ مثلاً جسم و جان کی حفاظت ،لباس و پوشاک کا خیال رکھنا ،اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا یہ سب خدا تعالیٰ کا عملی شکر ہے ۔ جسمانی اعضاء سے خدمت خلق کا کام لینا ،خدا داد دولت کو نیک مصارف میں خرچ کرنا بہترین عملی شکر ہے اگر ہم صرف زبان سے شکر کا لفظ ادا کر دیں ۔ لیکن دل میں خدا تعالیٰ کی احسان

مندی کے جذبات نہ ہوں۔ تو محض زبان سے احسان مندی کے اظہار میں ہم جھوٹے ہوں گے۔ اور ایسا شکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہ ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلانے کے بعد مخاطب کر کے فرماتا ہے:

"اے داؤد کے گھر والو! شکر ادا کرنے کے لئے نیک عمل کرو۔"

۴) بندوں کی شکر گذاری:

شکر کی دوسری قسم بندوں کا شکر کرنا ہے۔ جس طرح بندے پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کے بدلے میں اس کا شکر کرے۔ اسی طرح اس پر یہ بھی واجب ہے کہ انسانوں میں سے جو شخص اس کے ساتھ احسان کرے اس کا بھی شکر کرے۔ بندے کا شکر ادا کرنا یہی ہے کہ صرف زبان سے اس کے احسانات کا اقرار کرے بلکہ ان کے بدلے میں اس کے ساتھ بھی نیکی اور خیر خواہی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپس میں ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ شکر گزاری کے جذبہ کو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکر گذاری کا معیار قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ جو انسانوں کا شکر ادا نہ کرے گا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہ کرے گا۔

۵...... عدل وانصاف

5.1- مفہوم

عدل کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنا۔ مراد یہ ہے کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔ پس اسلامی اخلاق کی رو سے عدل و انصاف کا معنی ہے ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کرنا جس کا وہ دراصل حق دار ہے۔ کیونکہ عدل کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا۔ اس کی ضد ظلم کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا جو اس کے لیے مناسب نہ ہو۔ عدل دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا روعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

5.2- فضلیت و اہمیت

عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک عادل، (عدل والا) بھی ہے گویا بندوں میں جو عدل کی صفت پائی جاتی ہے وہ عدل خداوندی ہی کا پرتو ہے۔

جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل و انصاف بھی ہے۔ اس عدل و انصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے جس قوم اور جس معاشرے میں عدل و انصاف نہ ہو وہ رحمت خداوندی سے محروم رہے گا اور دنیا میں بھی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔ قرآن پاک کتاب ونبوت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو اور میزان سے مراد عدل و انصاف ہی کے قوانین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جامع آیت میں مسلمانوں کو جن اچھی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں سب سے پہلے عدل و انصاف ہی

کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہدایت کی گئی ہے کہ معاملات میں عدل و انصاف کو اور سچی خدالگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنالو۔ خواہ اس سے تم کو یا تمہارے رشتہ داروں کو کتنا ہی نقصان پہنچے لیکن حق و انصاف کے معاملے میں کسی کی جانب داری نہ کرو اور نہ کسی غریب کی غربت پر ترس کھا کر اس کی بے جا حمایت کرو۔ حتیٰ کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف سے معاملہ کرو۔ محض ان کی دشمنی کی بناء پر ان سے بے انصافی کا معاملہ روا نہ رکھا جائے۔ ارشاد ہے اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس گناہ پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ تم ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو۔ تقوی کی شان کے یہی زیادہ مناسب ہے اپنوں کے ساتھ انصاف کی تلقین تو سب نے کی ہے لیکن یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عدل و انصاف کی بہت تاکید و تلقین فرمائی ہے مثلاً ارشاد ہے حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں۔ امام عادل جو رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے۔ اس کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے جن سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا۔ ان میں ایک امام عادل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا سلطنت کفر کی حالت میں برقرار رہ سکتی ہے۔ لیکن ظلم کی حالت میں تادیر قائم نہیں رہتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے عدل وانصاف کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتا ہے۔ تاریخ اسلام کے صفحات آپ کے واقعات عدل و انصاف سے پر ہیں اس سلسلے میں ایک مثال کافی ہوگی۔ ایک مرتبہ قریش کے ایک بہت معزز قبیلے بنو مخزوم کی ایک امیر عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا، چوری کی آپ نے اسلامی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو جنہیں حضور اکرم سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد عزیز رکھتے تھے آپؐ کے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حرف مدعا زبان پر لائے تو رسول اکرم سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جلال سے فرمایا:

''تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ اگر ان کا بڑا آدمی قصور کرتا تھا تو اس سے درگزر

کرتی تھیں لیکن اگر چھوٹے آدمی سے قصور سرزد ہو جاتا تھا تو اسے سخت سزا دیتی تھیں تم تو فاطمہ مخزومیہ کی بات کر رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس جرم کی پاداش میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا''۔

5.3- عدل کی قسمیں

اسلام نے عدل و انصاف کا جو حکم دیا ہے وہ اخلاقی معاشرت اور سیاست کے ہر گوشے کو محیط ہے یعنی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم حاوی نہ ہو۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی ضرورت ہے عدل کی دو بڑی قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ پہلی قسم انفرادی عدل ہے اس کے کئی شعبے ہیں۔ دوسری قسم اجتماعی عدل ہے اسے بھی کئی شعبوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

عدل و انصاف کی سب سے ضرورت روزانہ کی خرید و فروخت ناپنے تولنے میں ہے۔ قرآن کریم میں اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ ناپ تول میں بے انصافی نہ کی جائے حکم الٰہی ہے انصاف کے ساتھ پورا ناپ کرو اور پورا پورا تول۔

یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بھی عدل و انصاف کی ضرورت ہے اس لئے فرمایا یتیموں کے حقوق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔ عدل و انصاف کی ضرورت خاص طور پر عدالتی معاملات میں ہوتی ہے اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے دستاویزات کے متعلق حکم ہے کہ تمہاری باہمی قرارداد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔

گواہی یا فیصلہ کے معاملے میں ارشاد الٰہی ہے (اور گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) جب بات کہو تو فریق مقدمہ اپنا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو انصاف کا پاس کرو۔

عدل و انصاف حکومت اور سلطنت کی عمارت کا ستون ہے۔ اس لئے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلے کے لیے عدل کو ضروری قرار دیا ہے حاکم کا پہلا فرض ہے کہ وہ عادل ہو قرآن کہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان جھگڑوں کے فیصلے کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور امام عادل جنتی ہے۔

۶...... عفو و درگزر

6.1- مفہوم

عفو کا لفظی معنی ہے۔مٹانا، بچنا اور فالتو ہونا۔اصطلاح شریعت میں عفو سے مراد ہے۔کسی کی زیادتی اور برائی کو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دینا اور انتقام نہ لینا یعنی دوسروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کرنا اور دوسروں کی غلطیوں کو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دینا تا کہ رضائے الٰہی حاصل ہو سکے۔

6.2- فضیلت و اہمیت

اسلامی اخلاق میں عفو کو بہت اہمیت حاصل ہے یہ حلم و تحمل کا ایک عملی مظہر ہے۔اگر ایک دوسرے کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف نہ کیا جائے تو تمدّن کا نظام درہم برہم ہو جانے کا خدشہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس وصف کو بہت بڑے اخلاقی اوصاف میں شریک کیا ہے اور قرآن کریم میں بار بار اسے اختیار کرنے کی تاکید بیان فرمائی ہے عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے اگر یہ نہ ہو تو گناہوں سے بھری ہوئی دنیا تہہ و بالا ہو جائے ۔معاف کرنا اس کی شان ہے قرآن پاک میں ہے:''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کرتا ہے۔''اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہیں معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو کوئی کسی کا قصور معاف نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا قصور معاف نہیں کرے گا۔''

قرآن شریف میں جہاں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن کے لئے جنت سجائی گئی ہے وہاں ایسے لوگوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔معاف کرنا مومن کی پہچان اور متقیوں کی علامت ہے قرآن بتاتا ہے۔اور جب

غصہ کی حالت ہو تو معاف کرتے ہیں۔ارشاد الٰہی ہے۔وہ غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔غصہ کی حالت میں معاف کرنا انتہائی کشادہ دلی ہے اور اس سے معاف کرنے والے کی عالی ہمتی کا پتہ چلتا ہے۔اور یہ معاف کرنا ایسا نہیں ہے کہ آدمی انتقام نہ لے سکتا ہو تو معاف کر دے کیونکہ وہ تو سراسر کمزوری ہے معاف کرنا یہ ہے کہ انتقام اور سزا کی طاقت ہو لیکن اس سے کسی پائیدار اور شریفانہ عزت کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔یہ چیز عفو سے ہی پیدا کر سکتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو عفو و درگزر کرتا ہے اس کی عزت بڑھاتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عفو کی بہت سی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔مثلاً مسلمانوں کا افضل ترین اخلاق عفو و درگزر ہے غصے کے اس گھونٹ سے کوئی گھونٹ افضل نہیں جو خدا کی رضا کے لئے پی لیا جائے۔فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ تیرے بندوں میں تجھے عزیز ترین کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص جو قدرت کے باوجود معاف کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تلوار اور عفو و درگزر کی ڈھال سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق اور عفو و درگزر کے ہتھیاروں کی فتوحات اتنی دیرپا ہیں کہ دنیا اب تک ان کے اثرات دیکھ رہی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی عفو و درگزر کی بہترین مثال ہے جن لوگوں نے آپ کے قتل کی سازش کی۔آپ نے ان کے لئے دعائیں کیں۔جنہوں نے آپ کو لہولہان کیا۔آپ نے انہیں دین رحمت کی دعوت دی اور جنت کی بشارت ان کے سامنے رکھی۔فتح مکہ کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر غلبہ ہو گیا اور انتقام لینے کی پوری پوری قدرت حاصل ہو گئی تو آپ نے ان سب کو معاف فرما دیا۔

۷...... تدّ بر

7.1- مفہوم

تدبر کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کے انجام یا نتیجے کا سوچنا ، با مقصد غور فکر اور عقل کو کام میں لانے کے اعلیٰ ترین صورت ، پس انتہائی غور وفکر کا نام تدّ بر ہے۔تد بر کے معنی کسی امر کے نتائج پر غور وفکر کرنا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ چیز کی ابتدا و انتہا اور انجام و نتیجہ پر غور و خوص کر کے اس کی حقیقت معلوم کرنا یہ تامل اور تفکر کا ہم معنی ہے۔

7.2- فضیلت و اہمیت

اسلام کی نگاہ میں عقل و خرد خدا کی عظیم نعمت ہے۔اسے کسی صورت میں بھی بیکار نہیں چھوڑا جا سکتا۔تد بر انسان کی امتیازی صفت ہے اللہ تعالی نے انسان کو دوسرے جانداروں سے اس بات میں امتیاز بخشا ہے کہ اس نے اسے نوازا ہے۔لیکن دوسرے جانور اس نعمت سے محروم ہیں۔اگر انسان بھی اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوتا اس کا کام بھی دیگر حیوانات کی طرح کھانا پینا اور نسل کشی کرنا ہوتا۔اس کے سوا کوئی بلند نصب العین اس کے پیش نظر نہ ہوتا۔عقل وفہم کی بنا پر انسان اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے۔اس کے برعکس حیوانات اپنے جذبات سے مغلوب رہتے ہیں۔غور فکر کے مادے سے عاری ہو جانا دراصل حیوانات کی صفت میں شامل ہونا بلکہ ان سے بھی پست ہو جانا ہے۔قرآن اسی حقیقت کو یوں واضح کرتا ہے:

> ''ان کے دل ہیں، جن سے سمجھتے ہی نہیں۔ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہی نہیں اور اُن کے کان ہیں ان سے سنتے ہی نہیں وہ چوپاؤں کی مانند ہیں۔بلکہ ان سے بھی بدتر۔''

تد بر انسان کو صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔غور وفکر ہی سے انسان حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔تدّبر

سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور اسی کی روشنی سے انسان کو صحیح منزل نظر آتی ہے اسی لئے فرمان نبوی ہے:

''تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل مندی نہیں''۔

حضرت عامر بن عبدالقیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''غور و فکر ایمان کی روشنی ہے۔''

دنیا میں یہ چہل پہل، رونق و آبادی اور شان و شوکت جو کچھ بھی ہے سب عقل و خرد کی کرشمہ سازی ہے اللہ تعالی نے بنی نوع انسان کیلئے ہر قسم کی آسائش مہیا کی ہیں۔ لیکن ان آسائشوں کے دروازے اس شخص کے لئے کھلتے ہیں جو غور و فکر سے کام لے کر سنجیدگی سے ان کے حصول کی کوشش کرتا ہے جن قوموں نے اس راز کو پایا وہی دنیا میں کامیاب و کامران ہو رہی ہیں لیکن جن قوموں نے تفکر و تدبر سے کام لینا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ان کے حصے میں سوائے ذلت و نامرادی کے اور کچھ نہیں آتا۔ اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے:

''اور اسی نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

تدبر کی سب بڑی فضیلت یہ ہے کہ اسلام کی نگاہ میں یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔ یہ دوسری عبادات سے کسی طرح کم نہیں۔ کیونکہ تدبر ہی سے عمل کے لئے راہیں کھلتی ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''تفکر کی مانند کوئی عبادت نہیں''۔

ارشاد ہے:

''ایک گھڑی کا تفکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے''۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا بہت بڑی عبادت ہے''۔

حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں:

ایک لمحہ غور وفکر کرنا ایک رات قیام کرنے سے بہتر ہے"۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"تدبر ذکر الٰہی بھی ہے معرفت الٰہی بھی اور محبت الٰہی بھی۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں تدبر کی شاندار مثالیں ملتی ہیں۔ بلاشبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مدبر ہیں جن کی حکمت فراست اور دور اندیشی کا پوری انسانی تاریخ میں جواب نہیں ملتا۔ مثلاً مکہ میں کفار نے مسلمانوں پر زبردست مظالم ڈھائے۔ آپ کا مٹھی بھر مسلمانوں کو تصادم سے بچالے جانا اور انہیں عفو و درگزر کی پیہم تلقین کرنا آپ کی ذہانت و تدبر کا ثبوت ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش مکہ کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا اور پھر یہود سے نمٹ لینا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کا شاہکار ہے۔

۸ ...... تحمل

8.1- مفہوم

تحمل کے معنی ہیں برداشت کرنا ،حلم و بردباری کا مظاہرہ کرنا ،قدرت کے باوجود کسی سے انتقام نہ لینا۔ بالفاظ دیگر تحمل کا مطلب یہ ہے کہ ناگوار بات کو خاموشی سے برداشت کیا جائے ۔قصوروار کو بڑی فراخ دلی کے ساتھ معاف کر دیا جائے ۔ پریشانی کے وقت حواس باختہ نہ ہونا اور عالی ہمتی سے مصائب اور مخالفت کو جھیلنا۔ یہ سب تحمل کی قسمیں ہیں تحمل کو حلم بھی کہتے ہیں ۔

8.2- فضیلت واہمیت

حلم صفت الٰہی ہے ۔اللہ تعالی کو یہ صفت اتنی محبوب ہے کہ اس نے قرآن مجید میں جہاں اپنی دیگر صفات کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں بار بار اس صفت کا اظہار بھی فرمایا ہے تا کہ اس کے بندے بھی اس صفت کو اختیار کر کے خداتعالٰی کے رنگ میں رنگے جائیں چنانچہ فرماتا ہے ۔واللہ غفور حلیم ہے اللہ تعالی بخشنے والا بردبار ہے ۔واللہ شکور حلیم ہے اللہ تعالی قدردان اور تحمل والا ہے ۔اللہ تعالی کی صفات کو پنے اندر پیدا کرنا ایک مسلمان کا فرض ہے۔ جب وہ ہمارے ساتھ حلم کا برتاؤ کرتا ہے تو ہمیں بھی چاہئے کہ دوسروں کے معاملے میں حلم اختیار کریں ۔

حلم وتحمل کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے ۔کہ اللہ تعالی نے اس صفت کے وجہ سے انبیاء کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے ۔حالانکہ انبیاء کرام اوصاف محمودہ کا مجموعہ ہوتے ہیں ۔حضرت ابراہیم کے بارے میں قرآن گواہی دیتا ہے ۔بے شک ابراہیم نرم دل اور حلیم تھے ۔اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل سب سے ممتاز تھا۔

یہ صفت اہل ایمان کا بھی خاصہ ہے اللہ تعالیٰ جہاں مومنوں کی صفات بیان کرتا ہے وہاں یہ بھی فرماتا ہے۔ جنت ان لوگوں کے لئے ہے جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور غصہ آئے جب بھی وہ معاف کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل ایمان کو بار بار تحمل اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ''وہ شخص جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو۔ اور ان کی برائیوں کا تحمل کرتا ہو۔ ان لوگوں سے بہتر ہے جو میل جول نہ رکھتے ہوں۔''

قبیلہ عبدالقیس کے سردار کو مخاطب کر کے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں خدا اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔ ایک علم دوسرے بردباری۔ فرمایا نرمی سامان زینت ہے اور اس کا فقدان شخصیت کو عیب دار بناتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ نادانوں کی باتوں پر تحمل ہے''۔

اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عرب کی بادشاہی حاصل تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و تحمل کے حیرت انگیز نمونے دکھائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی حلم و تحمل کا بہترین نمونہ تھی جب کفار آپ کو گالیاں دیتے آپ ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے۔ جب وہ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تو آپ انہیں نصیحتوں کے پھول دیتے۔ الغرض آپ نے ہر زیادتی کا جواب تحمل و بردباری سے دیا۔ مکہ معظمہ فتح ہوتا ہے اور خدا کا رسول فاتحانہ انداز میں اس سرزمین میں داخل ہوتا ہے۔ دشمنان دین شرمسار کھڑے ہیں آنحضو صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھتے ہیں بتاؤ تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اور آخر میں فیصلہ فرماتے ہیں:

''جاؤ آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔''

کیا تاریخ انسانی میں ایسے تحمل کی کوئی مثال ملتی ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اسے مارنے کے لئے اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کیا کہتے ہو! چھوڑ دو اور ایک ڈول پانی کا بہادو تم آسانی کے لئے پیدا کئے گئے ہو تنگی کے لئے نہیں۔''

9...... خدمت خلق

9.1- مفہوم

خدمت خلق سے مراد ہے اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے ،اس کی مخلوق کی مدد اور خدمت کرنا اور اس کے ساتھ تعاون وہمدردی کا سلوک کرنا، گویا مخلوق خدا کے حقوق کی ادائیگی کا نام خدمت خلق ہے۔اللہ کی مخلوق میں حیوانات اور چرند وپرند تک شامل ہیں بس ان سب کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جو اللہ کی منشاء اور مرضی کے مطابق ہو اور جس میں ان کی ہمدردی کا پہلو پایا جاتا ہو خدمت خلق ہے۔یہ اخلاق کی وہ قسم ہے جو اللہ کی مخلوق سے فیض رسانی سے متعلق ہے۔گویا کہ یہ احسان ہی کی ایک صورت ہے۔اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ خدمت کے جذبہ سے ہو۔خدا کی خوشنودی مطلوب ہو۔کوئی ذاتی غرض پیش نظر نہ ہو۔خدمت خلق سے اگرچہ بے معاوضہ خدمت مراد ہے۔لیکن اگر کوئی آدمی اپنے فرائض ایسے طریقے سے انجام دے جس سے مخلوق خدا کا فائدہ پہنچے تو یہ بھی خدمت خلق ہے۔

9.2- فضیلت واہمیت

قرآن مجید میں بار بار خدمت خلق کی تعلیم دی گئی ہے۔مثلاً ارشاد الٰہی ہے تم بہترین امت ہو اور تمہیں لوگوں کی خدمت اور ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا ہے دین اسلام انسان میں یہ روح پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بعض کام ذاتی مفاد سے بلند ہو کر انجام دینا عین تقاضہ انسانیت واخوت ہے۔اسی کا نام خدمت خلق ہے۔

مسلمان کا نقطۂ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کا عطا کردہ ہے۔وقت ،صحت ،دولت اور دیگر نعمتیں سب خداداد ہیں۔اگر انسان ان تمام وسائل کو صرف ذاتی راحت وآرام تک محدود رکھتا ہے

تو وہ حد درجہ خودغرض اور بخیل ہے جس طرح مال کی زکوۃ ادا کرنا فرض ہے اسی طرح بدن کی زکوۃ دینا بھی لازم ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو تندرست وتوانا بنایا ہے تو اس کی عطا کردہ قوت و طاقت کا کچھ حصہ خدمت خلق کے لئے وقف ہونا چاہیے۔ارشاد نبوی ہے ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔خدمت خلق کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دے۔اس سے پھر ایثار اور محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔اور انہی پر کسی قوم کی بقاوترقی کا دارومدار ہے۔قرآن کریم میں اہل ایمان کی ایک خصوصی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔

ارشاد الہی ہے:

''وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود فاقے سے ہوں''۔

ارشاد نبوی ہے:

''ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے۔مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے''۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالی نے بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کو دراصل اپنی خدمت کرنا قرار دیا ہے کیونکہ اسے اپنی مخلوق بہت پیاری ہے پس جو شخص خدا تعالی کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور ان کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔وہ گویا پنے خدا کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور اس کی رضا مندی حاصل کر لیتا ہے۔ارشاد نبوی ہے:

''جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پورا کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا''

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''جو مسلمان کوئی درخت لگائے گا اس سے جو انسان اور پرندہ بھی کچھ کھائے گا اس کا ثواب

اس لگانے والے کو ملے گا۔"

خدمت خلق کے سلسلے میں آپؐ نے ہمارے سامنے ایسا پاک نمونہ پیش فرمایا ہے کہ جو ہمیں ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے بادشاہ تھے ۔لیکن اس کے باوجود احادیث میں آتا ہے کہ مدینہ کی لونڈیاں اپنا کام کاج کرانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے جاتی تھیں ۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی خوشی سے اِن کا کام کر دیتے تھے ۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا مزدور کہا کرتے تھے ۔ایک دن سرکاری اونٹوں کو تیل مل رہے تھے ایک صحابی نے کہا یہ کام کسی غلام سے لینا چاہیئے ۔فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بے شمار غلاموں کو خرید کر آزاد کیا اور مدینہ میں ایک یہودی سے بیس ہزار درہم میں ایک کنواں خرید کر وقف کر دیا۔

۱۰...... خود آزمائی

۱) مندرجہ ذیل لفظوں کے لفظی معنی لکھیں۔

تہذیب ، تقویٰ ، ذکر ، صیقل ، شکر ،
عدل وانصاف ، عفوودرگزر، تدبر ، تحمل ،

۲) خالی جگہوں کو پر کریں۔

(i) اسلامی تہذیب کی بنیاد نظریہ.....................استوار کی گئی ہے۔

(ii) اسلامی تہذیب کا مزاج مذھبی ہے اور.....................بھی۔

(iii) اسلامی تہذیب بعض اوقات اپنی پوری شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے مثلاً ....
تہذیب اسلامی نے ....کو ایمان کی علامت بتایا۔

(iv) اس تہذیب نے دین ودنیا کی ....کو ختم کر دیا۔

(v) اسلامی تہذیب میں اگر کوئی وجہ فضیلت ہے تو وہ صرف ....ہے۔

(vi) دین و مذہب میں کوئی ....نہیں ۔

(vii) نیکی کی تلقین اور برائی روکنے کیلیئے ....کو وجود میں لایا گیا۔

(viii) اسلامی اخلاقیات کی بنیاد.....................ہے۔

(ix) زندگی دریا ہے۔ آخرت اس کا ....اور تقویٰ اس کی ....

(x) تقوی زندگی کے ہر شعبے کو.....................بخشا ہے۔

(xi) ذکر اور .... لازم وملزوم ہیں۔

(xii) میری امت کیلئے سب سے بہتر عبادت .... ہے۔

(xiii) شکر کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ کا شکر اور ....

(xiv) عدل دراصل .... ہی کی ایک قسم ہے۔

(xv) قرآن پاک کتاب ونبوت کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ لوگوں میں .... قائم ہو۔

(xvi) سلطنت کفر کی حالت میں قائم رہ سکتی ہے لیکن .... تادیر قائم نہیں رہتی۔

(xvii) حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور امام عادل .... ہے۔

۳) مندرجہ ذیل لفظوں کے الٹ لکھئے۔

ذکر ، شکر ، **عدل وانصاف**

۴) مندرجہ ذیل جملوں کو مکمل کیجئے۔

(i) عفو صرف

(ii) اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو عفو ودرگزر کرتا ہے۔

(iii) مسلمانوں کا افضل ترین اخلاق

(iv) اسلام کی نگاہ میں عقل وخرد

(v) تدبیر سے بڑھ کر

(vi) غور وفکر ایمان

(vii) تفکر کی مانند

(viii) تدبر ذکر الٰہی بھی

(ix) نرمی سامان زینت ہے اور اس کا فقدان

(x) ہر چیز کی زکوۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ

(xi) جاؤ آج کے دن تم

(xii) تم آسانی کے لیے پیدا کئے گئے ہو

(xii) مخلوق خدا کے حقوق کی

(xiv) جب آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

۵) درست جملوں کے سامنے یہ نشان ✓ لگائیں اور غلط جملوں کے سامنے یہ نشان ☒ لگائیں۔

(i) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے اسباب زوال میں شمار کیا ہے۔

(ii) اسلامی تہذیب سکھاتی ہے کہ دنیوی واخروی زندگی دونوں کی اصلاح ضروری ہے۔

(iii) ایک مسلمان اپنے کل معاملات میں ہدایت الٰہی کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے۔

(iv) خدا تعالیٰ کی مقرر رده حدود کی کامل نگہداشت کا نام تقویٰ ہے۔

(v) انسان کا کام بھی دیگر حیوانات کی طرح کھانا پینا اور نسل کشی کرنا ہے۔

(vi) عقل کی زکوٰۃ نادانوں سے انتقام لینا ہے۔

٦) مندرجہ ذیل جوابات مکمل کیجئے۔

(i) اصطلاح شریعت میں عفو سے مراد ہے..............................

(ii) شریعت کی زبان میں ذکر سے مراد ہے..............................

(iii) اسلامی اصطلاح میں تقویٰ..............................

(iv) شکر کی حقیقت یہ ہے..............................

(v) اسلامی اخلاق کی رو سے عدل وانصاف کا معنی ہے..............................

(vi) تدبر سے مراد یہ ہے کہ چیز کی ابتداء اور انتہا..............................

یونٹ...... 11

اسلامی معاشرہ

تحریر: پروفیسر حافظ عبدالشکور

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱) اسلام کے معاشرتی نظام میں ایک مسلمان کی ذمہ داریوں کی اہمیت جان سکیں۔

۲) والدین اور اولاد کے حقوق کی وضاحت کر سکیں۔

۳) استحکام خاندان میں حقوق زوجین کی اہمیت واضح کر سکیں۔

۴) رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق بیان کر سکیں۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1-	یونٹ کا تعارف	422
2-	حقوق والدین	423
3-	اولاد کے حقوق	428
4-	حقوقِ زوجین	433
	4.1 مفہوم وحقیقت	433
	4.2 بیوی کے حقوق	434
	4.3 شوہر کے حقوق	436
5-	رشتہ داروں کے حقوق	440
	5.1 مفہوم	440
	5.2 حقوق	440
6-	ہمسایہ کے حقوق	443
	6.1 مفہوم	443
	6.2 فضیلت واہمیت	444
	6.3 حقوق	444
7-	خود آزمائی	448

ا...... تعارف

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج ہے۔ انسان کے اعمال اغراض و عادات کی جماعتی زندگی کے بغیر کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسلام اپنا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت رکھتا ہے۔ اسلام انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کی تعمیر وتشکیل کے لیے بھی واضح ہدایات اور سوچ سمجھا منصوبہ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرے کی اصلاح اتنی ضروری ہے جتنی خود فرد کی اصلاح۔ انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نام معاشرہ ہے۔

جس شخص یا جس چیز سے آپ کوئی فائدہ اٹھائیں اس کی حفاظت کرنا اور اس کی ترقی کی کوشش کرنا آپ پر لازم ہے یہی اس شخص یا اس چیز کا آپ پر حق ہے دوسروں پر جو ہمیں فائدہ پہنچانے کی ذمہ داریاں ہیں وہ ان کے حقوق ہیں اور ہمارے فرائض، انسان کا تعلق اس عالم کی ایک ایک چیز سے ہے کسی سے کم، کسی سے زیادہ۔ اس لیے ہر ایک چیز کا اس پر حق ہے۔ کسی کا کم کسی کا زیادہ۔ اسلام ان سب حقوق کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے لیکن ان حقوق میں وہ الگ الگ درجے قائم کرتا ہے اس ترتیب کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو جتنا قریب ہے اتنا ہی زیادہ حسن سلوک اور خدمت کا مستحق ہے۔

کسی معاشرے کی خوشحالی اور استواری کا دارومدار اس بات پر ہے کہ افراد معاشرہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے والے ہوں۔ اسلام نے اس حقیقت کے پیش نظر مخلوق خدا کے حقوق کی ادائیگی پر اس قدر زور دیا ہے کہ حقوق اللہ پر بندوں کے حقوق کو ترجیح دی ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کو وجود میں لانے کے طور پر اس مثالی معاشرے کو سامنے رکھیں۔ جو عرب کی سرزمین میں خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔

آئندہ صفحات میں ہم وہی بابرکت اصول پیش کریں گے تاکہ ان ہدایات پر ایمان لانے والے اخلاص کے ساتھ اپنی عملی زندگی میں ان کو اپنائیں۔

۲...... حقوق والدین

دنیا میں انسان کے سب سے بڑے محسن اس کے والدین ہیں وہ اولاد سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔ان کی پرورش میں تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ان کی خوشی ومسرت اور راحت وآرام کیلئے اپنی ساری راحتیں قربان کر دیتے ہیں اس لئے والدین کا حق اولاد پر سب سے زیادہ ہے والدین کے چیدہ چیدہ حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

1- مقام والدین

اولاد کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ والدین کے مقام اور درجے کو پہچانے۔گھریلو زندگی میں سب سے اونچا مقام اور سب سے بڑا حق والدین کا ہے اس لئے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کے تمام رشتوں میں والدین کا رشتہ سب سے بلند ہے اسی لئے قرآن پاک نے جگہ جگہ خدا کی حق کے ساتھ ساتھ والدین کے حق کو بیان کیا ہے اور خدا کی شکرگزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکرگذاری کی تاکید کی ہے ارشاد ربانی ہے:

''اور آپ کے رب نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ تم لوگ اس کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو''۔

ارشاد الٰہی ہے:''تو میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ نماز جو بروقت پڑھی جائے۔''

میں نے پھر پوچھا: ''اس کے بعد کون سا کام سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔''

2- ادب واحترام

اولاد کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ والدین کا احترام اور عزت کرے بات چیت کے دوران ادب کو ملحوظ رکھے۔ بے ادبی سے ہر وقت پرہیز کرے۔ والدین کا اولاد پر اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کے سامنے اف تک نہ کہا جائے حکم الٰہی ہے ''تم ان کے سامنے اف تک بھی نہ کرو، نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرو۔'' ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دو آمیوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک سے پوچھا:

''یہ تمہارے کون ہیں؟''

اس نے کہا:

''حضرت! یہ میرے والد محترم ہیں۔''

آپؓ نے فرمایا:

''دیکھو کبھی ان کا نام لے کر نہ پکارنا۔ نہ کبھی ان کے آگے چلنا اور نہ کسی مجلس میں ان سے پہلے بیٹھنے کی کوشش کرنا۔''

3- حسن سلوک

والدین کا ایک اہم حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاے ۔ چنانچہ اللہ تعالی نے والدین کے احسانات کا ذکر کر کے اولاد کو ان سے حسن سلوک کرنے کی تلقین کی ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے:

''اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ:

''جس آدمی نے والدین کے ساتھ بھلائی کی اس کیلئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالی اس کی عمر دراز فرمائے گا ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

''جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کی روزی میں کشادگی ہو اسے چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور صلہ رحمی کرے ۔''

4- اطاعت وفرمانبرداری

اولاد کا ایک فرض یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے ہر حکم کو بجالائیں اور ہر بات میں ان کی اطاعت کریں ۔ خلاف شرع کاموں کے سوا ہر بات میں والدین کی اطاعت فرض ہے ۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے ایک آدمی نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ''ماں باپ ہی تمہاری جنت اور دوزخ ہیں ۔'' مطلب یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری اور ان کو راضی رکھنے کی کوشش کر کے اولاد جنت میں اپنا گھر بنا سکتی ہے اور ان کے حقوق پامال کر کے ان کی ناراضگی کے باعث جہنم کا ایندھن بھی بن سکتی ہے ۔ چنانچہ شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی ہے ارشاد نبوی ہے: تین قسم کے آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالی قیامت کے دن رحمت کی

نظر سے نہیں دیکھے گا۔ ان میں سے ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

5- خدمت والدین

اولاد کی خدمت کے اولین مستحق والدین ہیں۔ بچوں کا فرض ہے کہ وہ جب جوانی کی عمر کو پہنچیں اور والدین کا شباب ڈھل جائے تو انہیں نیک بدلہ دینے کی کوشش کریں۔ اس کی یہی صورت ہے کہ والدین کی خدمت کی جائے قرآن کہتا ہے۔ ''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو ان کے آگے اف بھی نہ کرو..................اور محبت سے عاجزی کا پہلو اُن کے سامنے جھکادو جس کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جہاد اور ہجرت کی اجازت نہیں دیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد کی بجائے والدین کی خدمت کا حکم دیتے تھے ایک شخص نے جہاد کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے پوچھا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا زندہ ہیں۔ فرمایا انہی کی خدمت کا فریضہ جہاد ادا کرنا ہے۔'' ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں آپؐ نے فرمایا وہ ذلیل وخوار ہے وہ ذلیل وخوار ہے۔ حاضرین نے پوچھا کون یارسول اللہ؟ فرمایا جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت نہ حاصل کرسکا۔

6- مالی امداد

خدمت کی دوصورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک مالی اور دوسری جسمانی۔ قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں قسم کی خدمت کے حقدار سب سے پہلے والدین ہیں۔ حکم الٰہی ہے۔ ''جو مال بھی تم خرچ کرو۔ اس کے اول حقدار والدین ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ والدین بوڑھے ہوجائیں تو ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا اولاد پر فرض ہے۔ جس طرح اولاد پر ان کا حق ہے ٹھیک اسی طرح اولاد کے مال پر بھی ان کا حق ہے۔ اگر وہ ضرورت مند ہوں تب تو وہ زبردستی بھی اولاد سے لے سکتے ہیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اپنے باپ کی شکایت کرنے لگا کہ وہ جب چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

7- محبت

اولاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے والدین سے محبت وشفقت کا اظہار کریں جیسا کہ بچپن میں انہوں نے اس کیساتھ کیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

''اور محبت سے عاجزی کا پہلو اُن کے سامنے جھکا دو۔''

ان سے محبت کرنا افضل ترین عبادت ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

''جو نیک اولاد بھی ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے اس کے بدلے میں اس کو ایک حج مقبول کا ثواب بخشا جاتا ہے''

لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی ایک دن میں سو بار ایسا کرے تب بھی اسے اتنا ثواب ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا اور بالکل پاک ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت وبخشش کی وسعتوں کا انسان اندازہ نہیں کرسکتا۔

8- والدین کی وفات کے بعد حسن سلوک کی صورتیں

ماں باپ کا حق ان کے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ ان کیلئے دعائے مغفرت کرنی چاہیئے انہوں نے جو وعدے کئے تھے ان کو پورا کرنا چاہیے۔ ان کے رشتے داروں اور احباب کا پاس ولحاظ کرنا چاہیئے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی نیکی ہے جو ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرسکوں؟ فرمایا ''ان کے لئے دعا کرو۔ ان کی مغفرت چاہو ان کے بعد ان کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرو۔ ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ان کے دوستوں کا اعزاز واکرام کرو۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ اگر کوئی بندۂ خدا زندگی میں ماں باپ کا نافرمان رہا اور والدین میں سے کسی ایک کا یا دونوں کا اس حال میں انتقال ہو گیا تو اب اس کو چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے لئے برابر دعا کرتا رہے اور خدا سے ان کی بخشش کی درخواست کرتا رہے یہاں تک کہ خدا اس کو اپنی رحمت سے نیک لوگوں میں لکھ دے۔ اسی طرح آپؐ نے بتایا ''سب سے بڑی نیکی اولاد کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔''

۳...... اولاد کے حقوق

اسلام حقوق کے معاملے میں چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا بلکہ اسلام جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے حق تسلیم کرتا ہے۔اسی طرح بڑوں پر بھی چھوٹوں کے حقوق عائد کرتا ہے۔اسکا ایک جامع اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''اولاد کے حقوق ادا کرنے میں والدین کو اس لئے سنجیدہ اور سرگرم ہونا ضروری ہے کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے ان کے حقوق خدا نے مقرر فرمادیئے ہیں۔اوروہ ایک دن ان کے بارے میں والدین سے باز پرس بھی کرے گا۔ارشاد نبوی ہے۔تم سب اپنی اپنی حیثیت میں نگران ہواورتم سب سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ ہوگی جواس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔''

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اولاد کے تعلق سے والدین کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں اوران پر اولاد کے کیا کیا حقوق ہیں۔

1- اولاد کی قدر و قیمت

اولاد کا پہلا اوراہم حق یہ ہے کہ والدین اس کی قدر و قیمت کا احساس کریں۔اولاد سے صحیح سلوک کرنے کے لئے اولاد کی صحیح قدر و قیمت جاننا ناگزیر ہے اولاد خدا کا عظیم انعام ہے۔گھر کی رونق،خیر و برکت اور دین ودنیا کی بھلائی کا سامان ہے اسی لئے خدا کے ایک پیغمبر نے خدا سے دعا کی''میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔اہل ایمان اولاد کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ''پروردگاران کو

ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔

صالح اولاد دنیا میں بھی زبردست اعزاز واکرام کا ذریعہ ہے اور آخرت میں بھی بے بہا اجر وانعام کا وسیلہ اولاد کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ والدین اس کی جسمانی اور روحانی زندگی کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کا انتظام کریں۔ بچے کی پیدائش کی ساتویں دن خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی اسلام نے والدین کی خوشی منانے کی تاکید فرمائی ہے۔ سنت یہ ہے کہ ساتویں دن خوشی کے اظہار کیلئے بطور خیرات بچے کی طرف سے جانور ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے اور سر کے بال اتار کر ان کے برابر کی مقدار میں چاندی صدقہ کی جائے اور اس کا نام رکھا جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایت دی ہے۔ کہ اچھے اور پاکیزہ نام رکھو۔ ارشاد گرامی ہے" تم لوگ اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے۔ لہذا اچھے نام رکھا کرو۔"

2- پرورش

اولاد کا دوسرا اہم حق ان کی پرورش ہے اولاد اپنے وجود کے لئے جس طرح والدین کے محتاج ہیں اسی طرح اپنی نشوونما اور پرورش ونگرانی کے لئے بھی والدین کے محتاج ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اولاد کے وجود کی قدر و قیمت بتانے کے بعد ان کا دوسرا حق یہ بتایا ہے کہ اچھی طرح ان کی پرورش کی جائے اولاد کی محبت اور اس کی پرورش کا جذبہ ایک عام فطری جذبہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب اولاد کے دل میں پیدا فرمایا ہے۔ "پرورش اولاد" کا مطلب دو قسم کی ذمہ داریاں ہیں۔

(ا) بچوں کو پالنے پوسنے کی خدمت

(ب) بچوں کے خرچ کی کفالت

پہلی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کی نشوونما کا خیال رکھا جائے۔ ان کی حفاظت ونگرانی کی جائے ان کی صحت وآرام کا اہتمام کیا جائے دوسری ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ پیدا ہونے کے وقت سے لے کر بالغ ہونے تک اولاد کے سارے خرچ برداشت کئے جائیں۔ مائیں اپنے بچوں کو معروف دستور کے مطابق اپنا دودھ

پلائیں۔حکم الٰہی ہے ''اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔فرمان نبویؐ ہے۔جو خاتون اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر بیٹھی رہی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گی اولاد کی کفالت ایک دینی فریضہ ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا جب کوئی شخص خدا کو خوش کرنے اور آخرت میں اجر پانے کیلئے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ (خدا کی نظر میں) صدقہ قرار پاتا ہے۔'' ارشاد نبوی ہے'' اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اس کا اپنے کنبے پر کیا ہوا خرچ ہے۔''

3- تعلیم وتربیت

اولاد کے حقوق میں سب سے اہم یہی ہے کہ والدین ان کی تادیب کا اہتمام کریں۔اولاد کو نیک اور سعادت مند اٹھانا والدین کا دینی فریضہ بھی ہے اولاد سے مہر ومحبت کا تقاضا بھی اور اولاد کا حق بھی۔تعلیم وتربیت کے بغیر اولاد وہ اولاد نہیں بن سکتی جو ماں باپ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سرور، زندگی کا سہارا اور آخرت کی سرخروئی کا سامان بن سکے۔اللہ تعالی نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دیں اور ان کی تربیت کریں۔تاکہ وہ زندگی اس طرح گزاریں کہ کل قیامت کے دن انہیں اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن نہ بننا پڑے۔اللہ کا ارشاد ہے:

''اے مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنی آل واولاد کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت ہے''۔

اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت صدقہ جاریہ ہے نماز ایک ایسی اہم عبادت ہے۔جو دین سے آدمی کو وابستہ رکھتی ہے خدا کا ارشاد ہے:

اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان پر نماز کے لئے سختی کرو۔ اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد ان کو (بستروں میں) الگ الگ کر دو۔''

4- حسن سلوک

اولاد کا چوتھا حق یہ ہے والدین ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئیں۔ ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھیں۔ ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ کریں۔ ان کو خوش رکھنے کی کوشش کریں اور کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ یا ان کی عزت نفس مجروح ہو۔ قرآن تاکید کرتا ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی اور عفو درگزر کا برتاؤ کیا جائے اور شفقت و مہربانی سے پیش آیا جائے لہذا ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے جیسے سلوک کی والدین خود ان سے توقع کرتے ہیں۔ اسی وقت اولاد کے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکل سکے گی:

''پروردگار ہمارے ماں باپ پر رحم فرما۔ جس طرح بچپن میں انہوں نے مہربانی اور شفقت کے ساتھ ہماری پرورش کی تھی۔

5- پیار و محبت

اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ والدین ان سے پیار و محبت کریں۔ یہ اولاد کا ان پر حق ہے دین کا تقاضا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اسلام اس کو محبوب و مطلوب قرار دے کر اس کی ترغیب دیتا ہے البتہ یہ ضرور تاکید کرتا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں سے دین کی روشنی میں محبت کرے۔ اپنی اولاد کو چومنا اور پیار کرنا رحم اور مہربانی کی علامت ہے۔

6- مساوات

اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ سب کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے ۔نہ لڑکوں کولڑکیوں پر ترجیح دی جائے اور نہ کسی بیٹے کوکسی دوسرے بیٹے پرفوقیت دی جائے ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی کوایک غلام دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کواس پر گواو بنانا چاہا ہے۔آپ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنے سب بچوں کوایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں اس پر آپ نے فرمایا تو میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہ بنوں گا۔

7- اولاد کی شادی

اولاد کا نکاح کرنے کی ذمہ داری بھی والدین پر ہے۔اولاد کی شادی سماجی ذمہ داری بھی ہے اور ماں باپ کی دلی تمنا بھی۔اسلام بھی اس کی ترغیب اور ہدایت دیتا ہے لڑکا ہو یا لڑکی جب وہ جوان ہوجائے تو ماں باپ کی تمام ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے لئے مناسب رشتے کی فکر کریں اور جونہی رشتہ مل جائے فوراً اسے نکاح کے رشتے میں باندھ دیں۔اسلام کی ہدایت کی روشنی میں مناسب رشتہ مل جانے کے بعد پھر بے وجہ تاخیر یا ٹال مٹول ہرگز صحیح نہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تین چیزوں میں دیر نہ کرنا چاہیئے ۔فرض نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے۔نماز جنازہ میں جب میت سامنے ہو۔اور اولاد کی شادی میں جب اس کا مناسب رشتہ مل جائے شادی میں تاخیر کا وبال صرف یہی نہیں ہے کہ خدانخواستہ کوئی بری صورت سامنے آئی تو رسوائی ہوگی۔بلکہ اسلام کی نگاہ میں والدین گنہگار ہوں گے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔جس شخص کو خدا اولاد سے نوازے تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے۔اچھی تربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کرادے۔اگر بالغ ہونے پر اس نے نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں پڑ گئی تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہوگا اور ایک موقع پر فرمایا تورات میں لکھا ہے جس شخص کی بچی بارہ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس نے بچی کا نکاح نہیں کرایا اور وہ کسی غلطی میں مبتلا ہوگئی تو اس کی غلطی کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔

۴......حقوق زوجین

ماں باپ اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات کی فہرست میں تیسرا درجہ میاں بیوی کا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ان تعلقات کی استواری پر گھر کی خوشحالی کا انحصار ہے میاں بیوی کا تعلق اسلام کی نظر میں بہت اہم و مقدس ہے۔اسلام کا معاشرتی نظام خاندان کی بنیاد پر قائم ہے اور خاندان بیوی کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے اسلام ہر خاندان کو میل محبت اور ہمدردی سے مالا مال اور آپس کے تعلقات کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ خوشحال دیکھنا چاہتا ہے اسلام نے انسانی زندگی کی مشغولیتوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے خانگی اور بیرونی۔عورت کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ گھریلو امور سرانجام دے اور بچوں کی تربیت میں اپنا وقت صرف کرے۔جب کہ مرد پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے۔کہ وہ گھر کی ضرورت پوری کرنے کے لئے روزی کمائے اور عورت کی ضروریات کا کفیل ہو۔

4.1 - مفہوم وحقیقت

زوجین کے معنی ہیں شوہر اور بیوی۔حقوق زوجین سے مراد وہ حقوق ہیں جو میاں بیوی دونوں پر ایک دوسرے کے لئے عائد ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہیئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے۔اس کی فرمانبردار اور وفادار رہے۔اس کی خیر خواہی اور رضاجوئی میں کمی نہ کرے۔اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔

شوہر کو چاہیئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے،اس کی قدر کرے اور اس سے محبت کرے۔اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے،صبر و تحمل اور دانشمندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے۔اس کی راحت رسانی اور دلجوئی کی کوشش کرے۔آیئے ان کے باہمی حقوق کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

4.2- بیوی کے حقوق یا شوہر کے فرائض

۱) اخلاص و محبت

بیوی یا عورت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور سکون قلبی کا ذریعہ ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

''اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس سکون پاؤ اور تمہارے آپس میں پیار اور اخلاص پیدا کیا۔جو لوگ سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ان کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔''

چنانچہ شوہر اور بیوی کے باہمی اخلاص و محبت کو خدا نے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد عورت دونوں پر ایسے حقوق عائد کئے ہیں جن کو ادا کرنے سے باہمی اخلاص، پیار، سکون اور چین حاصل ہو سکے۔

۲) مہر کی ادائیگی

مرد کا ایک اہم فرض مہر کی ادائیگی ہے۔مہر اس رقم کو کہتے ہیں جو حق زوجیت کے عوض بیوی کو دی جاتی ہے۔یہ رقم عورت کی عزت و تکریم کے لئے شریعت نے لازم قرار دی ہے۔اس میں اور بھی مصلحتیں ہیں۔حکم الٰہی ہے اور عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔فرمان نبوی ہے:

''جس نے زرمہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت رکھی کہ ادا نہ کرے گا تو وہ زانی ہے۔''

۳) نان ونفقہ:

اسلامی قانون معاشرت میں مرد کی حیثیت نگران کی ہے مال خرچ کرنا۔بیوی کو اس کی ضروریات زندگی مہیا کرنا اور بیوی کی تمام جائز حاجات کو پورا کرنا اس کا فرض ہے۔مختصر الفاظ میں ان پر نان ونفقہ کا لفظ بولا جاتا ہے اس کے لئے قرآن نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ:

''عورت کا نان ونفقہ دولت مند پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور مفلس پر اس کی طاقت کے مطابق''۔

اگر کوئی مرد اپنی بیوی اور اولاد کی جائز ضرورتوں کیلئے اپنی حیثیت سے کم دے عورت کو حق ہے کہ وہ شوہر کی لاعلمی میں اس کی دولت سے اس کی حیثیت کے مطابق بقدر ضرورت لے لیا کرے۔ایک صحابیہ کو آپؐ نے فرمایا ''تم قاعدہ کے مطابق اتنا لے سکتی ہو جو تم کو اور تمہارے بچوں کو کافی ہو'' آپ نے یہ بھی بتایا کہ انسان کے اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اس کا اپنے کنبے پر کیا ہوا خرچ ہے۔

۴) حسن سلوک

مرد کا چوتھا فرض حسن سلوک ہے مرد کو عورت کے ساتھ حسن سلوک اور صلح جوئی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کامیاب ازدواجی زندگی کا یہ بنیادی اصول ہے حکم الٰہی ہے ''اے مسلمانو! اپنی بیویوں سے حسن سلوک سے رہو'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی۔ ''عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو'' آپ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کو انسان کے بہتر اور خوب ہونے کی نشانی قرار دیا۔فرمایا ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہے۔''

۵) بیوی کی تربیت

شوہر کا ایک اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو دین کے احکام پر چلنے کی تلقین کرے۔فرمان نبوی ہے:

''تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے فرائض کی باز پرس کی جائے گی۔خاوند اپنی بیوی اور بچوں کا نگران ہے۔''

مراد یہ ہے کہ خاوند کو اپنے بیوی بچوں کے اخلاق وکردار کی اصلاح وتربیت کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے اسی لئے حکم الٰہی ہے:

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔''

٦) عدل ومساوات

مرد کا ایک فریضہ عورت کے ساتھ عدل وانصاف کرنا ہے ایک بیوی کے سلسلے میں پورے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے اور یہی عدل ہے اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان سب کے درمیان پورا پورا انصاف قائم رکھنا فرض ہے قرآنی حکم ہے کسی بیوی کی جانب اتنا نہ جھکو کہ دوسری نظر انداز ہو جائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شوہر کسی بیوی کی طرف زیادہ التفات کرے گا۔وہ قیامت کے دن مفلوج اٹھایا جائے گا۔یعنی اس کے جسم کا آدھا حصہ بیکار ہو گا۔آپ خود تمام ازواج مطہرات سے ایک سا سلوک فرماتے پھر بھی دعا فرماتے۔"اے اللہ! جہاں تک ہو سکا میں نے ان کے درمیان انصاف کو ملحوظ رکھا۔لیکن اگر مجھ سے کہیں ناانصافی کا مظاہرہ ہوا ہو تو مجھے معاف فرما۔"

۷) ظلم وزیادتی سے پرہیز

مرد کے لئے لازم ہے کہ نگران ہونے کی حیثیت سے اسے جو اختیارات (مثلاً طلاق وتادیب وغیرہ) حاصل ہیں ان کا ناجائز استعمال نہ کرے۔عورتوں کو جسمانی یا روحانی تکلیف پہنچانا، مارنا پیٹنا، گالیاں بکنا یا ذہنی اذیت پہنچانے کے کوئی دوسرے طریقے اختیار کرنا ناجائز ہے۔اس سے گھریلو زندگی جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی اصلاح کی کوشش کرے گا۔تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔اس لئے مردوں کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں اس طریقے سے ان کی اصلاح ہو سکے گی۔گویا اصلاح کیلئے بھی حکمت سے کام لینے کا حکم ہے نہ کہ ظلم وزیادتی اجازت۔

4.3 - شوہر کے حقوق یا بیوی کے فرائض

ا) ادب واحترام

شوہر کا پہلا حق اس کا ادب واحترام ہے۔بیوی کو اپنے شوہر کی عزت واحترام میں کوئی کسر اٹھا نہیں

رکھنی چاہیے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے''۔

عورت کو شوہر کی جس درجہ تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہو سکتا ہے کہ:

''اگر میں کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کوئی عورت اللہ کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔''

۲) اطاعت وفرمانبرداری

بیوی کو لازم ہے کہ ہر جائز بات میں شوہر کے حکم کی اطاعت کرے۔شریعت محمدی میں گھر کا سربراہ مرد کو قرار دیا گیا ہے اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے سربراہ زمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں۔چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

''نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔''

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں میں اس عورت کو افضل قرار دیا ہے۔کہ جسے خاوند دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے اور جب وہ اس کو حکم دے تو اس کی اطاعت کرے لیکن اگر شوہر اپنی بیوی سے خدا کی نافرمانی کا تقاضا کرے تو اس کی اطاعت بالکل نہیں کرنی چاہیئے۔مثلاً فرض نماز اور روزے منع کرے یا پردہ ترک کرائے تو عورت اس کا حکم نہ مانے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:''خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔''

۳) عظمت وآبرو کی حفاظت

عورت کا ایک اہم فرض تحفظ عصمت ہے عفت و پاک دامنی عورت کا سب سے بڑا جوہر ہے اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے نیک بیویاں فرمانبردار رہتی ہیں اور شوہر کے پیچھے بھی اس کی آبرو اور ہر امانت کی حفاظت کرتی ہیں ''فرمان نبوی ہے'' جب کسی عورت کا خاوند باہر چلا جائے تو وہ اس کے پیچھے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔'' آپ نے یہ خوشخبری بھی سنائی۔''عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم وآبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار ہے تو پھر اسے حق ہے کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔

۴) خاوند کی خوشنودی

بیوی کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کی مزاج شناس ہو۔اس کو خوش رکھے اسے ناراض نہ کرے۔ارشاد نبوی ہے:

> ''جو عورت اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا:

> ''تین آدمیوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ نیکی۔ان میں سے ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناخوش ہو۔''

۵) اولاد کی تربیت

بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ اولاد کی تربیت صحیح طریقہ پر کرے تا کہ یہ بچے سچے مسلمان اور اچھے شہری بن سکیں۔بچے کی تربیت میں ماں کے کردار کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔بڑے آدمیوں کی مائیں بھی بڑی ہوتی ہیں

ارشادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جو خاتون اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر بیٹھی رہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی۔''

۶) شکرگزاری

عورت کے ذمہ یہ فریضہ بھی عائد کیا گیا ہے کہ وہ مرد کے احسان کی شکرگزاری کرے۔اسے خاوند کے ساتھ سپاس گزاری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اس کا خاوند اس کی عزت کا محافظ اور معاشی ضروریات کا کفیل ہے۔ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بتایا کہ:

''میں نے معراج کی رات عورتوں کو مردوں کی نسبت زیادہ تعداد میں جہنم میں جلتے دیکھا ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ تم اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو اور حق ناشناس ہو۔''

۷) تحفظ مال ومکان

عورت کا فرض ہے کہ شوہر کے گھر اور اس کے مال ومتاع کی حفاظت کرے۔وہ گھر کی مالکہ ہے اس کے گھر کی حفاظت اس کے ذمہ ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

''نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار اور شوہر کے پیچھے اس کی آبرو اور سرامانت کی حفاظت کرتی ہیں۔''

ارشادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''عورت مرد کے گھر کی نگران ہے اس سے اس کی باز پرس ہوگی۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا عورت اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ بھی نہ کرے۔اگر ایسا کرے گی تو اجر شوہر کو ملے گا اور گناہ عورت پر ہوگا۔

۵......رشتہ داروں کے حقوق

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا ہے اور صلۂ رحمی اس کا خاص عنوان ہے ۔دین اسلام نے والدین کے بعد رشتے داروں کی خدمت کرنا لازم ٹھہرایا ہے ۔درحقیقت رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کی جتنی تاکید واہمیت اسلام میں ہے اتنی کسی اور مذہب میں نہیں۔

5.1- مفہوم

اقارب قریب کی جمع ہے جس کے لفظی معنی ہیں نزدیکی رشتہ دار۔اسلامی اصطلاح میں اس سے نزدیکی رشتہ دار مراد ہیں ۔جو والدین ،اولاد اور زوجین کے بعد آتے ہیں ۔عربی زبان میں رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کوصلہ رحمی کہتے ہیں اور حقوق ادانہ کرنا اور تعلقات توڑنے کوقطع رحمی کہتے ہیں۔

5.2- حقوق

ا) صلۂ رحمی

رشتہ داروں کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ ان سے تعلق جوڑا جائے اور ان کے حقوق ادا کئے جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلے میں اللہ تعالی کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ برا سلوک کرنے والا جنت میں نہ جا سکے گا۔ بدلہ کا صلۂ رحم معتبر نہیں کہ ایک شخص نے کسی کے ساتھ صلہ رحم کیا تو اس نے بھی اس کا بدلہ دیا بلکہ صلہ رحم یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحم نہ کرے۔ اس کے ساتھ بھی صلہ رحم کیا جائے۔

۲) حسن سلوک

رشتہ داروں کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان کا حق ادا کرو۔ اسلام میں قرابت داروں کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی زبردست اہمیت ہے کہ اس نے خدا تعالیٰ کی عبادت اور ماں باپ کیساتھ حسن سلوک کے بعد اسے تیسری بڑی نیکی قرار دیا ہے فرمان الٰہی ہے اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین اور قرابت داروں سے حسن سلوک کرو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون کی تلقین کرتا ہوا اور برائی سے روکتا ہو۔

۳) روحانی و دینی خدمت

ایک مسلمان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائے گناہ سے ہٹا کر نیکی پر لگا دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تبلیغ اسلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے رشتہ داروں سے ہی کیا تھا۔ پس اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی شخص پر اس کے عزیزوں کا یہ اولین حق ہے کہ وہ ان تک دین کا صحیح علم پہنچائے اور ان کی اخلاقی تربیت کرے۔

۴) الفت ومحبت

رشتہ داروں کا ایک حق یہ ہے کہ ان سے الفت ومحبت سے پیش آیا جائے۔ اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان عظیم الشان احسانوں کا بدلہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح عظیم اور ہدایت کے ذریعے ہم پر فرمائے اپنی امت سے یہ طلب فرمایا کہ میرے رشتہ داروں سے لطف ومحبت سے پیش آؤ۔ ارشاد الٰہی ہے کہہ دیجئے اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہ میں ان احسانوں کا بدلہ جو میں نے تم پر کئے۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں مانگتا کہ میرے قرابت داروں سے محبت وشفقت سے پیش آؤ۔

۵) مالی امداد

صلۂ رحمی اور عام حسن سلوک علاوہ رشتہ داروں کا ایک حق ان کی مالی خدمت کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے والدین کے بعد ایک مسلمان کے دولت کا اولین مستحق اس کے رشتہ داروں کوقرار دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

”کہہ دیجئے اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم): کہ جو اچھی چیز تم خرچ کرو اس پر سب سے پہلے والدین کا حق ہے۔اس کے بعد قرابت داروں کا،اس کے بعد یتیموں مسکینوں کا“۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا:

”جو شخص عام غریبوں کو صدقہ دے گا اسے ایک درجہ کا ثواب ملے گا۔لیکن جو قرابت داروں کی مالی امداد کرے گا اسے دو درجے ثواب ملے گا۔“

٦) وراثت کا حصہ

اسلام نے رشتہ داروں کو وراثت کا حق دار بنایا ہے۔قریبی رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں وراثت دور کے رشتہ داروں کو ملتی ہے۔لہٰذا رشتہ داروں کا ایک اہم حق یہ ہے کہ انہیں ترکے میں حصہ دیا جائے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں اور مومنوں کو حکم دیا ہے کہ کسی شخص کی وفات کے بعد اسی تناسب سے مرنے والے کی جائیداد تقسیم کی جائے۔اگر کوئی شخص ساری جائیداد پر خود قبضہ کر لیتا ہے اور دوسرے رشتہ داروں کو اس میں سے حصہ نہیں دیتا تو وہ قطع رحمی کا باعث بنتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

”ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے۔“

٦ ...... ہمسایہ کے حقوق

انسان کا اپنے ماں باپ اپنی اولاد قریبی رشتے داروں ۔ کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین وسکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر زیادہ اثر پڑتا ہے اسلام نے درجہ بدرجہ ہر قسم کے تعلق رکھنے والوں پر ایک دوسرے کے حقوق رکھے ہیں اور ان کے متعلق ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ رشتے داروں کے بعد سب سے زیادہ سابقہ پڑوسیوں سے رہتا ہے وہی خوشی وغمی میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید ہے۔

6.1 - مفہوم

اسلام کی رو سے پڑوسی اور ہمسایہ صرف وہی نہیں ہے جو کسی کے مکان کے برابر میں رہتا ہے بلکہ اگر کسی کے ساتھ محبت اور رابطہ کی کوئی دوسرا تعلق بھی ہو تو اسے بھی ہمسائیگی کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے مثلاً ایک سفر کے دو رفیق، ایک مدرسے کے دو طالب علم، ایک کارخانے کے دو ملازم، ایک استاد کے دو شاگرد، ایک دکان کے دو شریک۔ اس طرح اسلام نے ہمسائے کے مفہوم کو وسیع سے وسیع تر بنا دیا ہے جس کے دائرے میں ہم سفر، ہم جماعت اور رفقائے کار سب آجاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

”اور والدین اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں .... کے ساتھ احسان وسلوک سے پیش آؤ“۔

اس ارشاد میں پڑوسی میں تین قسم کے آدمیوں کو شامل کیا گیا ہے ایک وہ جو عزیز بھی ہو اور پڑوسی بھی،

دوسرے جو صرف پڑوسی ہو تیسرے پاس بیٹھنے والے۔ اس میں ہر قسم کے ساتھی اور رفقائے کار آ گئے۔

6.2- فضیلت و اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و ہدایت میں پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام و رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو جزو ایمان، داخلہ جنت کی شرط اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لگائیے۔ اللہ کے خاص قاصد'' جبرائیل علیہ السلام پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔اس وقت تک بندہ مومن نہیں ہوسکتا. جب تک اپنے بھائی اور پڑوسی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

''اللہ کے نزدیک پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے''۔

کسی عمل کی اچھائی اور برائی کا یہ معیار ہے کہ پڑوسی اس کو اچھا کام کہیں یا برا کام'' فرمایا جب تم اپنے پڑوسیوں سے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا تو سمجھو کہ اچھا ہے اور جب پڑوسیوں سے سنو کہ برا کام کیا تو سمجھو کہ برا کیا''۔

6.3- حقوق

(پڑوسیوں کے حقوق کی تفصیل یہ ہے)

۱) عزت واحترام

پڑوسی کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے ''فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے'' جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے یعنی اس کی تعظیم کرے۔ پڑوسی اپنے پڑوسی کے مال ومتاع اور عزت و ناموس کا امین اور محافظ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ان میں خیانت کی تو اس کا گناہ دس گنا بڑھ جاتا ہے''۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے زنا کے بارے میں پوچھا انہوں نے عرض کیا وہ حرام ہے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کہا ہے فرمایا لیکن پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا دس عورتوں کے ساتھ بدکاری کرنے سے زیادہ سنگین ہے پھر چوری کے بارے میں سوال کیا۔ صحابہ نے عرض کیا حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام کہا ہے۔ فرمایا پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا دس گھروں میں چوری کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔

۲) حسن سلوک اور خیر خواہی کا جذبہ

اسلام نے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خاص طور پر تاکید کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی خوشی اور چاہت ہو کہ اسے اللہ ورسول کی محبت نصیب ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پانچ اہم نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ نیکی کر تو کامل مومن ہو جائے گا۔

۳) امداد واعانت

پڑوسی کا ایک اہم حق اس کی امداد اور مالی اعانت ہے۔ پڑوسی کی امداد و اعانت کی اہمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ظاہر فرمائی۔ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو

بے فکری سے سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہے اور اس آدمی کو اس کے بھوکا رہنے کی خبر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا کہ قیامت میں بہت سے ایسے پڑوسی ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں کا دامن تھامے ہوئے کہیں گے یارب اس نے اپنا دروازے مجھ پر بند رکھا تھا اور روزمرہ کی معمولی چیزوں سے روکتا تھا۔ انہی تعلیمات کے زیر اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود بھوکے رہتے تھے اور اپنے ہمسایوں کو کھلاتے تھے۔

۴) تعلیم و تربیت

اگر کسی کے پڑوس میں ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے سدھار و اصلاح کی کوشش کریں اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

> ''خدا کی قسم! دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ و نصیحت کے ذریعے ان کی اصلاح کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید اور برے کاموں سے منع کریں''۔

۵) تحائف کا تبادلہ

پڑوسیوں میں باہم الفت و محبت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ آپس میں تحفے تحائف دیئے جائیں۔ پڑوسیوں میں خیر سگالی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفے تحائف بھیجنے پر زور دیا ہے یہ ضروری نہیں کہ جب کوئی عمدہ چیز پکے جبھی ہمسائے کے گھر بھیجی جائے بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں بھیجنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب تم شوربا بناؤ تو پانی بڑھا دو۔ اور اس سے اپنے ہمسایوں کی خبر گیری کرتے رہو۔ ارشاد ہے:

''اے مسلمانوں کی بیویو! تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔''

٦) ایذا رسانی سے پرہیز

پڑوسی کو ایذا نہ دینا بھی اس کے حقوق میں شامل ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا:

''وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تاکید فرمائی اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کو چھپا کر لاؤ کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر گھر سے باہر نکلے کہ پڑوسی کے بچے دل میں اسے دیکھ کر جلن اور دکھ پیدا ہو۔

۷...... خودآزمائی

۱) خالی جگہوں کو پر کیجئے۔

۱: انسان ایک..............................حیوان ہے۔

۲: انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نام..............................

۳: اسلام ان سب..............................کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے

۴: اس ترتیب کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جتنا..............................مستحق ہے۔

۵: دنیا میں انسان کے سب سے بڑے محسن..............................

۶: گھریلو زندگی میں سب سے اونچا مقام اور سب سے بڑا حق..............................کا ہے۔

۷: وہ ذلیل و خوار ہے جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور..............................نہ حاصل کر سکا۔

۷: اولاد کے حقوق کو والدین کے اور..............................کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

۹: میں ایسے ظالمانہ..............................پر گواہ نہ بنوں گا۔

۱۰: ماں باپ اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات کی فہرست میں تیسرا درجہ..............................کا ہے۔

۱۱: مرد کا ایک اہم فرض..............................کی ادائیگی ہے۔

۱۲: یہ رقم عورت کی .... کے لیے شریعت نے لازم قرار دی ہے۔

۱۳: جو شوہر کسی بیوی کی طرف زیادہ التفات کرے گا وہ قیامت کے دن .... اٹھایا جائے گا۔

۱۴: دین اسلام نے والدین کے بعد .... کی خدمت کرنا لازم ٹھہرایا ہے۔

۱۵: عربی زبان میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کو .... کہتے ہیں۔

۱۶: رشتہ داروں کے بعد سب سے زیادہ سابقہ .... سے رہتا ہے۔

۲) مندرجہ ذیل بیانات کو مکمل کیجئے۔

۱: تو میرا اور اپنے ....

۲: والدین کا اولاد پر اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کے مستحق ہیں کہ ....

۳: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کی روزی میں کشادگی ہوا سے ....

۴: جس آدمی نے والدین کے ساتھ بھلائی کی اس کے لیے خوشخبری ہے کہ ....

۵: اللہ کی رضا والد کی رضا ....

۶: ماں باپ میں تمہاری جنت ....

۷: شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ ....

۸: اسلام نے حقوق کے معاملے میں چھوٹے اور بڑے ....

۹: جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت ....

۱۰: پروردگار ہمارے ماں باپ پر رحم فرما جس طرح یقین میں......................

۱۱: تین چیزوں میں دیر نہ کرنی چاہیے......................

۱۲: حقوق زوجین سے مراد وہ حقوق ہیں......................

۱۳: کسی بیوی کی جانب اتنا نہ جھکو کہ......................

۱۴: مہر اس رقم کو کہتے ہیں......................

۱۵: عفت و پاک دامنی عورت کا......................

۱۶: عورت مرد کے گھر کی......................

۳) مندرجہ ذیل جملوں میں سے درست پر یہ نشان ✓ اور غلط پر یہ نشان ✗ لگائیں۔

۱: جس ے ماں باپ زندہ ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جہاد اور ہجرت کی اجازت دے دیتے تھے۔

۲: جن لوگوں کے ضعیف والدین زندہ ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد کی بجائے ان کی خدمت کا حکم دیتے ہیں۔

۳: اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی اصلاح کوشش کرے گا تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔

۴: بیوی پر لازم ہے کہ وہ جائز بات میں شوہر کے حکم کی اطاعت کرے۔

۵: اللہ تعالیٰ نے والدین کے بعد ایک مسلمان کی دولت کا اولین مستحق اس کے رشتہ داروں کو قرار دیا ہے۔

۶: جو شخص عام غریبوں کو صدقہ دے گا اسے ایک درجہ کا ثواب ملے گا لیکن جو اپنے قرابت

داروں کی مالی امداد کرے گا اسے دو درجے ثواب ملے گا۔

۷: قریبی رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں وراثت دوستوں کو ملتی ہے۔

۸: انسان کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق دوستوں سے ہوتا ہے۔

۹: اسلام کی رو سے ہمسایہ صرف وہی نہیں ہے جو کسی کے امکان کے برابر میں رہتا ہے۔

۱۰: جب تم اپنے پڑوسیوں سے سنو کہ اچھا ہے اور جب پڑوسیوں سے سنو کہ برا کام کیا تو سمجھو کہ برا کام کیا۔

۴) خالی جگہوں میں ٹھیک لفظ لکھیں۔

۱: جبرائیل پڑوسی کے حق میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو......................قرار دے دیں گے۔

(رشتہ دار، وارث)

۲: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ پڑوسی کے ساتھ ....کا معاملہ کرے۔ (اکرام ، التفات)

۳: اپنے پڑوسی کے ساتھ نیکی کر تو کامل......................بن جائے گا (بزرگ، مومن)

۴: یارب !اس نے اپنا دروازہ مجھے پر بندہ رکھا تھا اور روزمرہ کی معمولی......................سے روکتا تھا۔ (مشوروں ، چیزوں)

۵: جب تم شوربہ پکاؤ تو پانی بڑھا دو اس سے اپنے......................کی خبر گیری کرتے رہو

(رشتہ دار ، ہمسایہ)

۶: وہ آدمی جنت میں نہ جا سکے گا جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا.......................محفوظ نہ ہو۔

(دوست ، پڑوسی)

۷: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کوئی عورت اللہ کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے.......................حق ادا نہ کرے۔

(والدین،شوہر)

۸: خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی.......................نہیں۔ (اطاعت،عزت)

۹: عورت اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو..........شوہر کو ملے گا اور گناہ عورت پر ہوگا۔ (اجر،احترام)

۱۰: رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کو.................کہتے ہیں۔ (صلہ رحمی ، مروت)

۱۱: میں ان احسانوں کو بدلہ میں نے تم پر کئے سوائے اس کے کچھ نہیں مانگتا کہ.....................سے محبت وشفقت سے پیش آؤ۔ (قرابت داروں، دوستوں)

۱۲: جو اچھی چیز تم خرچ کرو۔ اس پر سب سے پہلے والدین کا حق ہے اس کے بعد .... کا

(دوستوں اور احباب کا ، قرابت داروں کا)

۱۳: ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور.......................کا بھی حصہ ہے۔

(لڑکیوں ، عورتوں)

معاشرتی ادارے

(الف)

(مکتب و مسجد)

تحریر: پروفیسر حافظ عبدالشکور

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- اسلام میں علم کی اہمیّت سے آگاہ ہوں گے اور آپ میں حصول علم کا مزید شوق پیدا ہوگا۔

2- آپ اس بات سے واقف ہوں گے کہ تعلیم کا کوئی متعین مقصد ہونا چاہیے۔

3- تدریس کے اسلامی طریقے سے روشناس ہوں گے۔

4- استاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض اور ان کے باہمی تعلق کے بارے میں آگاہی حاصل کریں گے۔

5- مکاتب و مدارس کی تاریخ سے مختصر طور پر واقف ہو جائیں گے

6- اسلامی معاشرے میں مسجد کی اہمیت جان جائیں گے اور یہ معلوم کرلیں گے کہ مسجد کے اصل وظائف کیا ہیں اور ہم نے اپنے معاشرے میں مسجد کا دائرہ کس طرح محدود کر دیا ہے۔

7- مسجد کے آداب سے واقف ہو کر ان کا خیال رکھیں۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-1	یونٹ کا تعارف	456
-2	مکتب	457
	2.1 اسلام میں علم کی اہمیت	457
	2.2 تعلیم کا مقصد	459
	2.3 اصول تعلیم	462
	2.4 طریقہ تدریس	463
	2.5 نصاب تعلیم	463
	2.6 استاد کے فرائض	464
	2.7 شاگرد کے فرائض	469
	2.8 مکتب	473
-3	مسجد	477
	3.1 مسجد کی اہمیت	477
	3.2 مسجد کے آداب	480
	3.3 مسجد کا کردار	481
-4	خود آزمائی	483

ا...... یونٹ کا تعارف

''تعلیم'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ع ل م (علم) ہے اور معنی (جاننا، پہچاننا، واقفیت حاصل کرنا اور معرفت پانا ہے۔جہل یا جہالت یعنی عدم واقفیت اس کی ضد ہے۔تعلیم کا لغوی مفہوم ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانا، علم سے مستفید کرنا اور ذہن کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے۔

تعلیم کے ذریعے معاشرہ نئی نسلوں کو وہ معلومات فراہم کرتا ہے جو اس کے پاس اسلاف کا جمع کیا ہوا فکری سرمایہ ہوتا ہے۔تا کہ نئی پود کو اعتقادی، ثقافتی اور معاشرتی اصول فراہم کیے جائیں۔تعلیم کے ذریعے سے اُبھرتے ہوئے ذہنوں کو بہترین اور مفید ترین طرز حیات سے روشناس کرایا جاتا ہے۔تعلیم ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے بچوں کو دینی عقائد، قومی نظریات، تہذیبی روایات، نئی ایجادات، علمی، فنی معلومات و افکار نیز اقدار حیات سے واقف کرایا جا سکتا ہے تا کہ وہ جوان ہو کر اس سرمایہ میں اضافہ کریں گے اور اسے اگلی نسلوں کو منتقل کریں۔اسی فکری اور تہذیبی ورثے کے مسلسل انتقال کا نام ''تعلیم'' ہے۔

اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے جو ادارے قائم ہوئے۔ان میں مسجد کو نہایت بلند اور اہم مقام حاصل ہے۔مسلمان جس خطہ میں بھی آباد ہو۔اس کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ مسجد تعمیر کی جائے۔آپ مسلمانوں کی کسی بھی آبادی میں چلے جائیں وہاں آپ کو بلند و بالا مسجد دُور سے ہی نظر آئے گی۔جو بناوٹ اور سجاوٹ میں آبادی کے دیگر مکانوں سے عمدہ ہو گی۔ایسا کیوں نہ ہو؟ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے مسلمانوں کی دینی، اجتماعی، ثقافتی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔جس کی طرف دور و نزدیک سے اہل اسلام خود بخود کھینچے چلے آتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کے انہی دو اداروں، مکتب اور مسجد کے متعلق آپ اس یونٹ میں پڑھیں گے تو بسم اللہ کر کے شروع کیجئے۔

۲...... مکتب

2.1-اسلام میں علم کی اہمیت

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا آغاز نسل انسانی کی ابتداء سے ہی ہو گیا تھا اور انسانوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی ہدایت بھی بڑھتی گئیں اور نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھی انسان کی نئی نسلوں کو مقدس ہدایات اور احکام الٰہی کی اشد ضرورت رہتی ہے کیونکہ ان احکام کا آئندہ نسلوں کو منتقل کرنا ایک ناگزیر عمل ہے۔ اس لئے اسلام نے تعلیم کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کی ترویج و اشاعت کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے چنانچہ دین اسلام کی آخری کتاب کے نزول کا آغاز لفظ ''اقرا'' (تو پڑھ) سے ہوتا ہے۔ اس سورت میں تعلیم کی اہمیت اور افادیت کو عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ○

(سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵)

''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا اپنے بزرگ پروردگار کے نام سے پڑھ۔ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو اسے معلوم نہیں تھا''۔

ان آیات میں دوبارہ واضح طور پر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی لکھنے تلقین

بھی ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ علم و دانش کا اصل اور حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان کو جو کچھ بھی علم حاصل ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو زیادہ موثر انداز میں بیان کیا ہے اور اپنا تعارف اس حیثیت سے کرایا ہے کہ اس نے انسان کو علم کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

رحمان وہ ہے جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کر کے اسے بولنا سکھایا۔

(سورۃ الرحمٰن آیات ۱ تا ۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی دولت ہی عطا نہیں کی بلکہ اسے قوت گویائی بھی بخشی ہے جس کو استعمال کر کے انسان اپنا علم و ہنر نئی نسلوں تک منتقل کر سکتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ علم پھیلانے کے دو بڑے ذرائع زبان اور تعلیم یعنی تقریر اور تحریر اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو عطا فرمائے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ اس کی دی ہوئی تعلیم کو آئندہ نسلوں تک پہنچا سکے۔

محسن انسانیت، انسان کامل اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معلم کے بلند ترین منصب پر فائز ہوئے۔ وہ اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت کو پہنچاتے رہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اپنی آمد کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب العلم ص ۳۶)

تعلیم دینا ایک مقدس فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے جو انسان اس فریضہ کو اپناتا ہے وہ یقینی طور پر نبوت کے پیغام کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتا ہے۔ انسانیت کی خدمت کرتا ہے اور علم و دانش کی شمع کو روشن رکھتا ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام پاتا ہے اور اس کے درجے

اللہ کے ہاں بلند ہوتے ہیں قرآن حکیم نے واضح کیا ہے کہ جاہل اور عالم ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْاَلْبَاب

"آپ بتا دیجئے کہ علم والے اور بغیر علم لوگ کہیں ایک سے ہو سکتے ہیں، بے شک اہل عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں"۔ (سورۃ الزمر آیت: 9)

اسلام میں تعلیم کی اہمیت، افادیت اور مقام کے پیش نظر مسلمانوں نے اس میدان میں بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ پہلا باقاعدہ تعلیمی ادارہ عہد رسالت میں ہی قائم ہو گیا تھا۔ یہ مدرسہ چونکہ مسجد نبوی میں قائم ہوا تھا۔ اس لئے اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں درس گاہیں مسجد کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔ مسلمان ماہرین تعلیم نے نہ صرف تعلیم و تدریس کا باقاعدہ کام جاری رکھا بلکہ انہوں نے مقصد تعلیم، اصول تعلیم، طریقہ تدریس اور نصاب تعلیم پر بھی بھرپور توجہ دی اور ان تمام امور میں مسلمان ماہرین تعلیم نے قرآن وسنت سے اصول اخذ کیے، ان اصولوں کی روشنی میں اسلامی نظام تعلیم و تربیت کی تفاصیل مرتب ہوئیں۔

2.2- تعلیم کا مقصد

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام کسی نہ کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے سرانجام دیا جاتا ہے کیونکہ جب تک مقصد متعین نہ ہو اس کے حصول میں دقت ہوتی ہے مقصد متعین کئے بغیر کام کرنے والے کی حالت اس مسافر کی سی ہوتی ہے جسے اپنے منزل معلوم نہ لیکن وہ رات دن سفر میں مشغول رہے۔ اس لئے تعلیم جیسے اہم کام کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہونا چاہیے تاکہ اس نظام میں کام کرنے والوں کو اپنی منزل معلوم ہو۔

تعلیم کا مقصد متعین کرنے کی لاتعداد کوششیں ہوئیں اور ہر ایک مفکر نے اپنے گردو پیش اور اپنی ضرورت اور سمجھ کے مطابق تعلیم کا مقصد یا نصب العین پیش کیا تعلیم کا مقصد متعین کرتے وقت ایسے اصحاب کو

زیادہ مشکلات پیش آئیں جن کی زندگیاں مذہبی نصب العین سے خالی تھیں۔ بہرحال تعلیم کے بہت سے مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ا : تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر کرنا ہے۔

ب : انسان کو ایک مکمل زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرنا۔

ج : تندرست جسم میں تندرست روح پیدا کرنا۔

د : انسان کی فطری صلاحیتوں کو ظہور میں لایا جائے۔

ہ : انسان کی انفرادیت کی آزادانہ نشو ونما کرنا۔

و : تعلیم کا مقصد اقتدار حاصل کرنا اور حکومت کرنا ہے۔

ز : انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ روزی کما سکے۔

ک : ماحول کو سمجھنا اور اس میں انسان کا فٹ ہونا۔

ل : انسانی اور جسمانی قدروں سے آگہی حاصل کرنا اور ان کا احترام کرنا۔

م : کائنات کی حقیقتوں کو جاننا اور انہیں اپنا تابع بنانا۔

ہم نے یہاں چند ایک مقاصد تعلیم کی نشاندہی کی ہے کیونکہ اس وقت تک تعلیم کے بیان کردہ تمام مقاصد کو بیان کرنا مشکل کام ہے بعض اوقات تو ہر طالب علم کے لیے ایک الگ مقصد تعلیم بیان ہوا ہے۔

مذکورہ بالا مقاصد بظاہر بہت پرکشش اور وسیع معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں کوئی ایسا پہلو نظر نہیں آتا جس سے اندازہ ہو سکے کہ تعلیم کا مقصد انسان کو اس دنیا اور آخرت کے لیے تیار کرنا ہے تا کہ وہ یہاں مفید اور پُرسکون زندگی گزارے اور آخرت میں اپنے پروردگار کے ہاں بھی کامیاب گردانا جائے۔ حقیقت میں تعلیم بذات خود ایک بڑے نظام کا حصہ ہے جس کے بغیر تعلیم کا قیام ممکن ہی نہیں۔ تعلیم ہمیشہ کسی ریاست میں دی جاتی ہے۔

اس لئے ریاست کے نظام کا جزو اور ریاستی نظام کے تابع ہوتی ہے اس لئے تعلیم کا مقصد اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ریاست کا نصب العین واضح ہو۔ یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ تعلیم زندگی کا ایک لازمی جزو ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے زندگی کا نصب العین متعین کئے بغیر تعلیم کا مقصد واضح نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام میں زندگی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انسان نے جو اچھے برے کام اس دنیا میں انجام دیئے ہیں وہ مرنے کے بعد ان کے بارے میں جواب دہ ہے اسی طرح انسان صرف جسم کا نام نہیں ہے کہ اس کی مادی ضرورتوں کے علاوہ اس کی کوئی اور ضرورتیں نہ ہوں بلکہ انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لئے زندگی کا نصب العین اور تعلیم کا مقصد ایسا ہونا چاہیے جو انسان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرے۔

ان افکار کی روشنی میں اسلامی نظام تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان اللہ اور اس کے بندے کے مضبوط تعلقات کا استوار ہونا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ اسی مقصد سے انسان کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی بہترین صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ اس کی انفرادیت پروان چڑھتی ہے۔ اس لئے تعلیم یافتہ انسان وہ ہے جس کے دل میں اللہ کی یاد ہو۔ اللہ سے اس کا گہرا رشتہ قائم ہو اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق گزرے۔ یہی انسان کی فطرت اور یہی مقصد حیات ہے اور اسی میں انسان کو امن وسکون حاصل ہوتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِاللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب

یاد رکھو کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب استاد اور طالب علم کے دل و دماغ پر کسی اعلیٰ ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور غالب نہ ہو اس وقت تک وہ تعلیم کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی تصور کو مستحکم اور مضبوط کرنے سے اخوت، مساوات، عالی ظرفی، وسعت فکر و نظر اور رواداری جیسی بلند صفات انسان میں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ خدا اور معاشرے کا مفید

رکن بن جاتا ہے۔

2.3- اصول تعلیم

اسلامی نظام میں مقصد تعلیم متعین کرنے کے ساتھ ساتھ اصول تعلیم بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اصول موجودہ ماہرین تعلیم کے لئے راہنمائی کا کام دیتے ہیں اگر چہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم یہاں ان میں سے چند اہم اصولوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۱: سب سے اہم اصول یہ ہے کہ یہ بات ہر وقت پیش نظر رہے کہ علم اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ یہ انسان نے اپنی ذاتی کوششوں سے حاصل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس شرف سے نوازا ہے۔

۲: نظام تعلیم کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تعلیم دیتے وقت طالب علم کی نفسیات کو پیش نظر رکھا جائے اس کے ذہنی ارتقاء اس کی عمر اور مضمون کی مناسبت کے مطابق تعلیم دی جائے اور علم منتقل کرنے کے لیے ہر طرح کی ایجاد سے استفادہ کیا جائے تا کہ طالب علم میں مطلوبہ صلاحیت پیدا ہو۔

۳: تیسرا اصول یہ ہے کہ تعلیم اس میں زبان دی جائے جسے طالب علم سمجھ سکتا ہو اور ذہن نشین کر سکتا ہو۔ کیونکہ اگر ایسی زبان میں تعلیم دی جائے جو طالب علم سمجھ ہی نہ سکے تو تعلیم کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

۴: اگلا سنہری اصول یہ ہے کہ تعلیم دیتے وقت نرمی اور شفقت کا طریقہ اپنایا جائے۔ نرمی کا مفہوم اپنے وسیع معنوں میں ہے۔ طلباء کو تعلیم دیتے وقت گفتگو نرم کی جائے۔ ان کے سوالات جانچتے وقت بے جا سختی سے کام نہ لیا جائے۔ نیز نصاب تعلیم مقرر کرتے وقت اور پرچہ سوالات مرتب کرتے وقت بھی نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

۵: یہ بھی اصول تعلیم میں شامل ہے کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ اساتذہ کو بے شمار مواقع ملتے ہیں جب انہیں منصف کا کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں انصاف ضروری ہے۔

اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

انصاف سے کام لو یہی تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

۶: اسلامی نظام تعلیم کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اس میں صرف علم ہی منتقل نہیں کیا جاتا بلکہ معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی کردار سازی کا کام بھی کیا جاتا ہے کیونکہ کردار سازی سے ہی جسمانی اور روحانی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔

۷: اسلام میں تعلیم کی کوئی انتہا نہیں ہوتی بلکہ مسلمان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہر وقت علم میں اضافے کی دعا کرتا رہے جس کا مقصد یہ ہے کہ استاد بھی اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے تا کہ اس کی معلومات تازہ رہیں اور اس میں غرور پیدا نہ ہو۔

2.4- طریقہ تدریس

مسلمان ماہرین تعلیم کے طریقہ تدریس میں بھی اقوام عالم کو بعض جدید اصول دیئے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو پہلے معلم تھے ان کا طریق کار یہ تھا کہ وہ مختصر واضح تعلیم دیا کرتے تھے۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر کرتے تا کہ بخوبی سمجھ میں آ جائے بعد کے دور میں مسلمانوں کا طریق کار یہ رہا کہ وہ شاگرد کو تعلیم دینے سے پہلے خود انہوں نے جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی ہوتی ان کی روایت بیان کرتے تھے تا کہ اس امر کا یقین ہو سکے کہ استاد نے بلند پایہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور اس کی بیان کردہ تعلیم حق اور صداقت پر مبنی ہے اس طرح سے علم کا تسلسل قائم رہتا ہے۔

2.5- نصاب تعلیم

ماہرین تعلیم نے مسلمانوں کے لیے نصاب تعلیم مقرر کرنے کی خدمات بھی سرانجام دیں۔ شروع میں نصاف تعلیم مختصر ہوتا تھا لیکن جوں جوں علوم وفنون میں مسلمانوں نے اضافہ کیا وہ سب شامل نصاب ہوتے گئے

علم مسلمان کی گم شدہ دولت ہے جو جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرنا چاہیے۔ اس لئے مسلمانوں نے کسی بھی علم کو بے سود قرار نہیں دیا بلکہ مسلمانوں میں یہ مقولہ عام طور پر بار بار دھرایا جاتا رہا ہے کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ اس لئے مسلمانوں نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی کی تعلیم کو ہر دور کے لیے لازمی قرار دیا ہے اور باقی علوم سارے کے سارے جائز ہیں اور ان سب کا حصول پسندیدہ ہے لیکن ہر دور کے مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے نظام تعلیم کی ترجیحات متعین کر لیں تاہم اس امر کو لازمی قرار دے دیا گیا کہ دین کی تعلیم کو کسی دور میں نہ تو ترک کیا جائے اور نہ ہی اس کی حیثیت کو کم کیا جائے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ علم قرآن حکیم صحیح سنت اور دینی فرائض کا نام ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اچھا اضافہ ہے۔

2.6- استاد کے فرائض

کسی بھی نظام تعلیم میں استاد کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ استاد ہی ایک رابطہ ہے جو کتاب اور طالب علم کو ایک لڑی میں پروتا ہے۔ استاد نہ ہو تو علم اور طالب علم آپس میں ایک دوسرے سے بے گانہ ہیں۔ استاد ہی کتاب کو پہلے خود سمجھتا ہے اور اس میں موجود عالمی موتیوں کو طالب علم تک پہنچاتا ہے۔ استاد کے بغیر نہ درس گاہ قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی شخص طالب علم بن سکتا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (استاد) ہونے کا بلند مقام حاصل ہے اس لئے اسلامی معاشرے میں استاد کو نہایت ہی اونچا مقام حاصل رہتا ہے استاد کو باپ کے برابر درجہ دیا جاتا ہے اور اس کا بے حد ادب و احترام کیا جاتا ہے مسلمان معاشرے میں استاد کا ادب نہ کرنے والا شخص اپنی عزت کھو دیتا ہے اور لوگ اس کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ استاد کو یہ اعلیٰ درجہ اس لیے ملا کہ وہ نئی نسلوں کو علم کی روشنی پہنچاتا ہے۔ طالب علموں تک علم پہنچانا ایک فن ہے جس کے اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ اس لئے استاد کے بھی کچھ فرائض ہیں۔

اسلامی نظام تعلیم و تربیت میں استاد صرف معلومات ہی نئی نسلوں تک منتقل نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے طلبہ کی

سیرت سازی کا اہم کام بھی سرانجام دیتا ہے اس لئے اس کے فرائض میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

ہم ذیل میں ان فرائض کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱) علم کو نفع بخش بنائے

استاد کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اس کے پاس جو علم ہے اسے وہ انسانوں کے لیے نفع بخش اور فائدہ مند بنائے کیونکہ اس فریضہ کی نشاندہی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

"مثل علم لا ینفع به کمثل کنز لاینفق منه فی سبیل اللّٰه"

(مشکوۃ المصابیح باب العلم)

اس علم کی مثال جس سے فائدہ نہ ہو۔ اس خزانہ کی سی ہے جس میں اللہ کی راہ میں کچھ نہ خرچ کیا جائے۔

۲) حق کو نہ چھپائے

یہ بات استاد کے بنیادی فرائض میں سے ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں حق اور سچ بات کو نہ چھپائے بلکہ اسے ظاہر کر دے چاہے اسے کتنا ہی نقصان برداشت کرنا پڑے۔ انسان کامل اور معلم اول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فریضہ کی خود نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

من سئل عن علم علمه ثم کتمه الجم یوم القیامة بلجام من النار

(ابوداؤد باب العلم)

جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات دریافت کی گئی جسے وہ جانتا ہے لیکن وہ چھپائے اور نہ بتائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

۳) علم میں کمی بیشی نہ کرے

استاد کو جو علم حاصل ہے اسے من وعن نئی نسلوں کو منتقل کردے۔ دینی امور میں جو کچھ قرآن وسنت میں موجود ہے وہ سارے کا سارا صحیح صحیح بتلا دے۔ اس میں کچھ چھپائے اور نہ ہی اس میں اپنی طرف سے اضافہ کرے کیونکہ دین کے بارے میں اپنی طرف سے اضافہ ممنوع ہے۔

۴) تیاری کے بغیر نہ پڑھائے

استاد کے فرائض میں سے ہے کہ جب وہ کوئی مضمون یا کتاب پڑھانا چاہتا ہے تو پہلے اسے خود بغور پڑھے۔ اس کے معانی ومطالب کو اچھی طرح سے سمجھ لے پھر خیالات مرتب کرے اور ان خیالات کو بیان کرنے کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جو عام فہم سلیس اور شائستہ ہوں کیونکہ ایسا کر کے وہ طالب علموں کو بہتر طور پر پڑھا سکتا ہے بصورت دیگر وہ مرتب مواد نہیں دے سکے گا اور اگر وہ طلباء کو مطمئن نہ کرسکا تو استاد کے منصب کو نقصان پہنچے گا۔

۵) کم علمی کا اعتراف کرلے

استاد سے بجا طور پر توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوع کی تدریس کرے جس پر اسے مکمل دسترس حاصل ہے تاکہ صحیح معلومات فراہم کرسکے لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کوئی بات استاد کو معلوم نہیں یا دہ بھول جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کرلے اور کہہ دے مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے۔ آئندہ معلوم کر کے بتاسکوں گا کیونکہ اگر علم کے بغیر کوئی بات کہی جائے تو اس میں غلطی کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور اگر طالب علم کو معلوم ہو جائے کہ استاد نے تحقیق کئے بغیر غلط بتا دیا ہے تو اس کے دل سے استاد کی عزت جاتی رہے گی۔ اور معلّمی کے فرائض کی ادائیگی میں دشواری ہوگی اور اگر طالب علم کو استاد کی غلطی معلوم نہ ہوسکی تو وہ ساری عمر غلط بات ہی یاد رکھے گا اس لئے لاعلمی کے اعتراف میں عظمت ہے اور ایسا کر کے استاد پر طالب علم کا اعتماد قائم رکھا جاسکتا ہے۔

۶) متانت کا انداز اپنائے

استاد کا فرض ہے کہ تعلیم دیتے وقت ایسا اندازہ اپنائے جو سنجیدہ ہو۔ اگر زیر بحث موضوع مشکل ہو تو اسے بار بار دھرائے چارٹوں اور نقشوں کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کرے اگر کوئی طالب علم سوال پوچھے تو اسے تسلی بخش جواب دے۔ درس کے دوران ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے معلّمی کے بلند پایہ پیشہ کی تحقیر یا استاد اور طلبہ کا رشتہ نہ رہ سکے۔

۷) تدریس رضائے الٰہی کے لیے ہو

استاد کو تعلیم دیتے وقت یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گامزن ہے۔ اس لئے اسے تدریس کا کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کے لیے کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں دنیوی لالچ یا شکریہ وغیرہ کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اگرچہ شاگردوں پر اس کا بڑا احسان ہے کہ وہ انہیں زیور علم سے آراستہ کرتا ہے لیکن پھر بھی طلبہ پر اپنا احسان نہ جتائے۔

۸) طلباء سے نرمی برتے

استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں سے نرمی اور شفقت کا طریق اختیار کرے۔ انہیں اپنے بیٹیوں کی طرح سمجھے اگر طالب علموں سے کوئی کوتاہی یا غلطی سرزد ہو جائے تو استاد نرمی اور درگزر سے کام لے۔ بے جا سختی کے بغیر چارہ نہ ہو تو تب بھی ایسے طریقے اختیار کرے کہ استاد اور شاگرد کا رشتہ نہ ٹوٹے۔

۹) طلبہ کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھے

گفتگو کا یہ عام طریقہ ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کی جائے۔ اس لیے استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ شاگردوں کی ذہنی استعداد کو پہچانے اور اس کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت کرے۔ اگر نفسیاتی عمل نہ اپنایا گیا تو تعلیم کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ اور استاد کی بات شاگردوں کے سروں کے اوپر سے گزر جائے گی۔

اگر ایسا ہوا تو طالب علم کو علم سے نفرت ہو جائے گی اور وہ فرار کی راہ اختیار کرے گا۔

۱۰) کند ذہن طالب علم کی رعایت

اگر کوئی طالب علم کند ذہن یا کم عقل ہو تو استاد کو چاہیئے کہ اس کی تعلیم و تربیت اس کی ذہنی سطح کے مطابق کرے۔اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ایسے طالب علم کو یہ احساس نہ دلایا جائے کہ اگر وہ ذہین ہوتا اسے مزید باتیں بتائی جاتیں کیونکہ ایسا کرنے سے اس کے شوق اور طلب میں کمی آجائے گی۔نیز وہ استاد کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جائے گا کہ وہ اسے بتانے سے گریز کرتا ہے۔

۱۱) دوسرے علوم کی برائی نہ کرے

اسلامی نظام تعلیم میں ہر علم کا حصول جائز ہے اس لئے استاد کا فرض ہے کہ وہ طالب علم کے دل میں زیادہ سے زیادہ علوم کے حصول کا شوق پیدا کرے۔اسی طرح استاد کو چاہیے کہ وہ جس علم کی تدریس کرتا ہے اس کے علاوہ دیگر علوم کی برائی بیان نہ کرے کیونکہ اس طرح سے طالب علم کے دل سے علم کی قدر و منزلت نکل جاتی ہے۔

۱۲) بداخلاقی پر طلبہ کی سرزنش کرے

استاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ طالب علم کے کردار اور سیرت کو بھی سنوارے اور شاگرد کو بداخلاقی ترک کرنے کی بھرپور نصیحت کرے اور اس بارے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔اور ماہر معالج کی طرح شاگرد کو برے اخلاق سے محبت پیار اور اشارہ کنایہ سے منع کریں یہی حکیمانہ طریق ہے جس سے طالب علم کی اصلاح ہو سکتی ہے

مذکورہ بالا سطور میں استاد کے پیشہ وارانہ فرائض بیان کئے گئے ہیں۔اس کے ساتھ ہی استاد کے کچھ فرائض ایسے بھی ہیں جن کا تعلق استاد کی اپنی سیرت اور کردار سے ہوتا ہے چونکہ استاد طلبہ کیلئے نمونہ ہوتا ہے اس لئے اس کا اپنا کردار طلبہ کی سیرت سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اس لئے اساتذہ کی سیرت سازی کے فرائض

بھی اسی قدر اہم ہیں جس قدر پیشہ ورانہ فرائض کی بجا آوری ضروری ہے۔ چنانچہ استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ :

۱) اپنے علم پر فخر نہ کرے۔

۲) اسے جو علم عطا ہوا ہے اسے دکھاوے کے لئے استعمال نہ کرے۔

۳) کسی ایسے مسئلہ میں نہ الجھے جس سے فتنہ پیدا ہو۔

۴) سادگی اپنائے۔

۵) بھلائی کی نصیحت کرے۔

۶) اپنے علم پر عمل کرے۔

استاد خود اگر نمونہ بن کر دکھائے گا تو شاگردوں پر از خود اس کی سیرت و کردار کا اثر پڑے گا۔

2.7- شاگرد کے فرائض

۱) استاد کا احترام کرے

شاگرد پر فرض ہے کہ وہ استاد کا ادب و احترام ہر حالت میں ملحوظ رکھے۔ جس سے علم سیکھے اس کے ساتھ عاجزی سے پیش آئے۔ ماہرین تعلیم نے استاد کے احترام کی یہ تفصیل بتائی ہے:

- شاگرد استاد کی خدمت میں حاضر ہوا کرے۔
- استاد کے پاس شاگرد سے مال و دولت کم بھی ہو تب بھی شاگرد اپنے استاد کی فرمانبرداری کرے۔
- استاد جس بات کے پوچھنے سے منع کرے شاگرد وہ بات دریافت نہ کرے۔
- راستہ چلتے وقت شاگرد استاد سے آگے نہ چلے۔

- استاد کی نشست گاہ (کرسی) پر نہ بیٹھے۔
- استاد کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے اور ادھر اُدھر کی باتیں استاد سے نہ کرے۔
- استاد کے پاس وقت مقررہ پر درس کے لئے حاضر ہوا اور اس کی پریشانی کا سبب نہ بنے۔
- استاد ہر وہ شخص ہے جس نے دوسرے انسان کو کسی چیز کا علم عطا کیا ہو۔ اسے نئی بات بتائی ہو۔ ایک بات بتانے والا بھی استاد ہے اس کا احترام بھی ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''جس نے مجھے ایک حرف کی بھی تعلیم دی میں اس کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے بیچ دے یا غلام بنا کر رکھ لے۔''

اس لئے ہر استاد کا ادب کرنا چاہیئے۔

۲) حسن اعتماد اور سپردگی

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ:

> ''شاگرد کا فرض ہے کہ وہ استاد پر حکم نہ چلائے بلکہ اپنی تعلیم کے تمام معاملات میں استاد پر مکمل اعتماد کرے۔''

اس لئے طالب علم کو چاہیئے کہ وہ ہر قسم کے علم و فن کو اپنی رائے سے منتخب نہ کرے۔ بلکہ استاد کی رائے پر چھوڑ دے۔ اور استاد کے چناؤ کو دل و جان سے قبول کرے۔ اور اس کے حصول میں کوشاں ہو جائے۔ استاد اپنے شاگرد کی ذہنی سطح سے بخوبی واقف ہے نیز وہ اچھے اور برے مصنفین اور ان کی کتب سے بھی آگاہ ہے اس لئے طالب علم کو علمی امور میں استاد کی مکمل پیروی کرنی چاہیئے۔

۳) ہمہ تن توجہ

یہ بات بھی شاگرد کے فرائض میں سے ہے کہ جب استاد درس دے رہا ہو یا کوئی بات کر رہا ہو۔ تو طالب

علم کو چاہیئے کہ وہ پوری توجہ سے استاد کی بات سنے تا کہ استاد کا درس اسے ذہن نشین ہو اور علم حاصل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”علم نیت سے شروع ہوتا ہے پھر توجہ کے ساتھ سننا ہے۔ پھر فہم ہے، پھر حفظ ہے۔ پھر عمل ہے، پھر اس کی اشاعت ہے۔“

۴) استاد سے سوالات کرے

شاگرد کیلئے ضروری ہے کہ اسے جو بات سمجھ میں نہ آئے یا معلوم نہ ہو وہ بات استاد سے دریافت کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الانبیاء آیت:۷)

اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرو۔

اس لئے طالب علم کو مکمل حق حاصل ہے کہ وہ استاد سے سوالات پوچھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اتنا زیادہ علم کس طرح حاصل کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”پوچھنے والی زبان اور عقل والے دل سے۔“ البتہ طالب علم کو چاہیئے کہ وہ ایسے سوالات نہ پوچھے جن کا مقصود علم نہیں بلکہ استاد کو نیچا دکھانا ہو اور اس طرح ایسے سوالات بھی نہ پوچھے جائیں۔ جو زیر بحث موضوع سے ہٹ کر ہوں۔

۵) عذر خواہی

استاد اور شاگرد کا تعلق بہت ہی اہم ہوتا ہے۔ اس لئے باہمی اعتماد کی فضا میں استوار ہونا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے استاد اور شاگرد کر مابین ناراضگی یا غلط فہمی پیدا ہو جائے تو شاگرد کو چاہیئے کہ وہ کسی نہ کسی تدبیر سے استاد کو راضی کرے۔ اس سے معذرت چاہے کیونکہ ایسا کرنے سے باہمی اعتماد بحال ہو جائے گا۔ جو علمی عمل کو جاری رکھنے کی ضمانت مہیا کرے گا۔

۶) شاگردوں کا باہمی سلوک

ایک ہی استاد کے مختلف شاگردوں کا فرض ہے کہ وہ آپس میں مل جل کر رہیں۔اور اپنے آپ کو ایک ہی کنبے کے افراد تصور کریں۔اور اپنے استاد سے حاصل کردہ معلومات کا باہمی تبادلہ کرتے رہیں۔اس طرح سے ان کا علمی مرتبہ بلند ہوگا۔

۷) معلم کی خدمت گزاری

امام فخرالدین رازی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ میرے استاد قاضی ابوزید کی خدمت گذاری کی وجہ سے ہے میں تو ان کے لئے کھانا تک پکا دیا کرتا تھا۔لیکن خود ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا تھا۔اس واقعہ سے جو اصول ملتا ہے وہ یہ ہے کہ استاد کی خدمت کرنی چاہیئے اور اگر استاد کا کوئی کام ہو تو اسے سرانجام دینے میں عار نہیں سمجھنی چاہئے۔اسی طرح استاد کے لئے دُعائے خیر کرنی چاہئے اور اگر استاد اس دنیا سے سدھار چکا ہے تو اس کیلئے بخشش کی دعا کرتے رہنا چاہئے اور جب اس کا ذکر ہو تو ادب و احترام سے استاد کا ذکر کرنا چاہیے۔

اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے خدوخال ہم نے واضح کر دیئے ہیں مسلمان ماہرین تعلیم نے جو مقاصد تعلیم ،اصول تعلیم طریقہ تدریس اور نصاب تعلیم بیان کیا ہے۔اس کی ہم پوری وضاحت کردی ہے۔استاد کا مقام اور اس کے فرائض بھی عیاں ہو چکے نیز طالب علم کو جن امور کا پابند ہونا چاہیے ان پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔اس لئے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارے کا ذکر کیا جائے جس میں یہ سب امور ایک ہی وقت میں بروئے کار لائے جاتے ہیں۔اس ادارے کا نام ''مکتب'' آئندہ سطور میں ہم اسی ادارے کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

2.8- مکتب

مکتب بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔جس کا مادہ ک،ت،ب (کتب) ہے۔اس کا معنی لکھنا ہوتا ہے مکتب اس مصدر کا ظرف مکان ہے اس لحاظ سے مکتب کا معنی لکھنے کی جگہ ہوا۔مسلمانوں کے ہاں جس علم کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا وہ علم کتابت ہی تھا۔اس لیے اس جگہ کا نام ''مکتب رکھا گیا۔جہاں کتابت سکھائی جاتی تھی۔ظاہر ہے کوئی بھی قوم اپنے نظام تعلیم وتربیت کو کتابت تک محدود نہیں رکھتی یہی صورت حال مسلمانوں کو بھی پیش آئی۔

مسلمانوں نے لاتعداد علوم وفنون خود ایجاد کئے اور بہت سے علوم دوسری اقوام سے سیکھے اور سب علوم مسلمانوں کے نظام تعلیم کا حصہ بن گئے۔اور ان کے پڑھنے پڑھانے کا عام رواج ہوا لیکن درس گاہ کے لیے جو نام ابتداء میں استعمال ہوا اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ اس ادارے کو ''مکتب کے نام سے پکارا جاتا رہا۔جب لکھنا سکھانے کے علاوہ اس ادارے میں دیگر علوم کی تدریس کا کام شروع ہوا تو اس کے مفہوم میں بھی وسعت پیدا ہوگئی اور اب یہ لفظ مدرسہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔چنانچہ آئندہ سطور میں جب ''مکتب استعمال ہوگا تو اپنے وسیع تر مفہوم کے ساتھ مدرسہ کا ہم معنی ہوگا۔اور اس سے مراد ایسی درس گاہ ہے جس میں ہر طرح کے علوم وفنون کی تدریس وتعلیم ہوتی ہے۔

اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں تعلیم وتربیت کا کوئی نظام موجود نہیں تھا۔اس لیے ان کے ہاں کسی مکتب کی ابھی تک نشاندہی نہیں ہوسکی۔اس لیے تعلیم وتدریس کے لیے باقاعدہ ادارے کی حیثیت سے ''مکتب'' قائم کرنے کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

مکہ میں نزول قرآن حکیم کے ساتھ ہی مسلمانوں میں درس وتدریس کا آغاز ہوگیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی تعلیم شروع کردی تھی لیکن باقاعدہ ''مکتب'' اس وقت قائم ہوا جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے اور یہاں انہوں نے مسجد نبوی تعمیر کی اس مسجد کے ساتھ ایک چبوترہ بھی بنایا گیا جسے ''صفہ'' کہا جاتا تھا اس چبوترے پر صفے کے مکتب سے بہت سے افراد نے قرآن حکیم پڑھا اور دین کا علم سیکھا۔

چنانچہ دس ہجری میں بنی عامر کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا اس نے اسلام قبول کیا۔ قرآن حکیم پڑھا اور دین کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ وفد اپنے قبیلہ میں واپس لوٹ گیا اسی طرح بنی تمیم کے ایک وفد نے اسلام قبول کیا۔ یہ وفد ستر، اسی افراد پر مشتمل تھا۔ یہ وفد طویل عرصہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا اور اس نے وہاں کے مکتب سے قرآن حکیم اور دین کی تعلیم حاصل کی۔

عہد رسالت میں مکتب کے قیام کا جو سلسلہ جاری ہوا تھا وہ عہد صحابہ میں بھی بدستور چلتا رہا۔ خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو ہر ملک میں مکتب قائم کئے گئے۔ یہ عام قاعدہ تھا کہ اگر کسی صوبہ میں کوئی حاکم مقرر ہوتا تو اس کے ساتھ ایک معلم بھی بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر بنائے گئے تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ شریعت اسلامیہ کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو حمص میں، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فلسطین میں اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق میں تعلیم کا ذمہ دار مقرر کیا گیا۔ یہ ان علاقوں میں قائم مکتبوں میں تعلیم دیتے تھے اور چھوٹے مکاتیب ان کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں حضرت خدیفہ بن اسحاق رضی اللہ عنہ کوفہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ عنہ شام میں حصرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اور حصرت عمران بن حصین بصرہ میں، حضرت عبداللہ بن مسعود مدائن میں اور حضرت ابان بن حبلہ رضی اللہ عنہ مصر کے مکاتب میں تدریسی خدمات پر مامور تھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت جابر بن عبداللہ کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حلقہ بھی قائم تھا جو حدیث نبوی کے علاوہ دیگر فنون کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔

عہد رسالت اور خلفائے راشدین میں مکاتب کے قیام اور علم کی ترویج کو جو سلسلہ شروع ہوا وہ آئندہ ادوار میں بھی جاری رہا اور جو علاقے مسلمانوں کے دائرہ حکومت میں داخل ہوتے رہے وہاں مدارس و مکاتب قائم ہوتے رہے۔ حصرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عامل کو لکھا۔

فا مر اهل العلم ان ينشروا العلم فى مساجد هم

اہل علم کو حکم دو کہ وہ اپنی مساجد میں علم پھیلائیں۔

اور عہد بنی عباس میں تو مکاتب اور علوم وفنون کی اس قدر ترقی اور ترویج و اشاعت ہوئی کہ ''بیت الحکمہ'' جیسا بین الاقوامی معیار کا ادارہ قام ہوا۔

اگر اس نصاب تعلیم پر غور کیا جائے جو ان مکاتب میں پڑھایا جاتا تھا تو پتہ چلتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن حکیم اور سنت نبوی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یعنی یہ بتایا جاتا تھا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو احکام عطا فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد کیسے کیا جاتا ہے۔ البتہ خلفائے راشدین کے دور میں قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ علم حدیث نبوی کا بھی باقاعدہ درس دیا کرتے تھے اور اس دور میں دیگر فنون کی تدریس کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔

بنی امیہ کے دور میں قرآن وحدیث کی تدریس بدستور داخل نصاب رہی البتہ اسلام کا دائرہ غیر عربوں تک پھیل چکا تھا اور قرآن وحدیث چونکہ عربی زبان میں ہیں اس لیے زبان دانی کی ضرورت پیش آئی اور زبان دانی کے علوم صرف، نحو، لغت، معانی اور اسماء الرجال جیسے علوم نصاب تعلیم کے لازمی اجزاء قرار پائے بنی عباس کے دور میں فلسفہ عربی میں منتقل ہوا تو اس کی پیروی میں علم کلام وجود میں آیا جس میں الٰہیات کا علم عام ہوا۔ اور مذہب کے بارے میں جو بھی علم پیدا ہوئے وہ سب کے سب مسجدوں کے صحنوں اور عام مجلسوں میں پڑھے اور پڑھائے جاتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ مسلمانوں کے ہاں پہلے مکتب کا آغاز مسجد نبوی میں ہوا تمام تعلیمی کوششیں مسجد کے ساتھ وابستہ تھیں مساجد میں حلقہ درس ہوتا اسی کے ساتھ کتب خانوں کا اہتمام ہوتا۔ مسجد کے ساتھ ہی ملحقہ کمروں میں طلبہ کے قیام کا اہتمام ہوتا اور علماء کی زندگیوں کا بیشتر حصہ مسجدوں میں ہی گزرتا مسجد نبوی میں پہلا مکتب قائم ہوا لیکن اس کے علاوہ بھی کئی مساجد علمی مراکز کے طور پر مشہور ہوئیں جن میں جامع منصور، جامع دمشق اور جامع عمرو بن العاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک مدت تک یہ نظام چلتا رہا کہ مسجدیں ہی مکتب کا کام دیتیں اور پورا نظام تعلیم مسجد ہی کے گرد گھومتا تھا۔ اس کے بعد یہ اضافہ ہوا کہ علماء کی قیام گاہیں اور رہائش گاہیں بھی تعلیم و تدریس کا مرکز بن گئیں اور چوتھی صدی ہجری کے نصف اول تک یہی صورت حال رہی اور مسجدیں بھی اور مسجدیں بھی اپنا تعلیمی کردار ادا کرتی رہیں

البتہ اس دور میں مستقل مدارس بھی قائم ہونا شروع ہو گئے جس کی وجہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں یہ بیان کی گئی ہے ''علم کی ترقی و توسیع کے باعث ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کے لیے مجرو علمی فضیلت کی خاطر معقول زندگی بسر کرنا دشوار ہو گیا تھا چنانچہ علم میں مزید توسیع کی غرض سے ایسے حضرات کے لیے ملازمت کا انتظام کرنے کی خاطر مستقل مدرسے قائم کیے گئے تا کہ علمی کاموں کے ساتھ ساتھ معاشی ضروریات پوری ہوں۔

اس دور میں دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم بھی شامل نصاب ہو چکے تھے۔ اس لیے مستقل مدارس وجود میں آئے ۔ اوران مدارس میں اس وقت مروجہ تمام علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس طرح سے الگ مدارس کا نظام قائم ہو گیا۔ اوران مدارس نے ہماری تہذیبی اور تمدنی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ایسے مدارس میں سرکاری اور نجی دونوں قسم کے مدارس شامل تھے۔

۳...... مسجد

مسجد کا لفظ س ج د (سجد) کے مادہ سے نکالا گیا ہے جس کا معنی سجدہ کرنے کی جگہ یا سجدہ گاہ ہوتا ہے اس لفظ کے لغوی معنی سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید مسجد صرف عبادت کے لیے ہی بنائی جاتی ہے اور اس میں اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے مسجد مسلمانوں کا سب سے زیادہ فعال ادارہ ہے۔

قرآن حکیم اور سنت نبوی میں جس کثرت سے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کے ہاں یہ لفظ پہلے بھی بولا اور سمجھا جاتا تھا مشہور لغوی زجاج نے اس لفظ کا یہ معنی بیان کیا ہے۔

كل موضع يعبد فيه فهو مسجد جس جگہ عبادت ہوتی ہے وہ مسجد ہے۔

تاہم مسلمانوں کے ہاں مسجد میں عبادت تو ہوتی ہی ہے لیکن بعض دیگر اقوام کی طرح مسجد صرف عبادت کے لیے ہی مخصوص نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی اور کام نہ ہو سکے عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد میں مسلمانوں کے جھگڑوں کے فیصلے ہوتے تھے بیرونی وفود اور سفراء کا استقبال اور ان سے مذاکرات مسجد ہی میں ہوتے تھے نیز فوجی دستے مسجد ہی میں تشکیل دیئے جاتے اور یہیں سے روانہ ہوتے تھے چنانچہ مسجد ایک ایسا ادارہ ہے جہاں پر وہ کام ہوتا ہے جو انسانیت کی بھلائی، امتہ مسلمہ کی فلاح و بہبود اور دین کی ترویج و اشاعت کے لیے ضروری اور مفید ہو۔

3.1- مسجد کی اہمیت

مسلمانوں پر نماز فرض ہے اور انہیں حکم ہے کہ نماز با جماعت ادا کیا کریں اس لیے کسی ایسی جگہ کا ہونا ضروری ہے جہاں مسلمان جمع ہو کر نماز با جماعت ادا کریں۔ مکی زندگی میں غیر زندگی میں غیر مسلموں کے غلبہ اور

نمازیوں کی جانیں ضائع ہو جانے کے ڈر سے مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے یہ کام نہیں کیا جاتا تھا۔ البتہ مسلمان دوسری جگہوں پر جمع ہو کر نماز با جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ایک مسجد تعمیر کی تا کہ مسلمان وہاں جمع ہوں اور اپنے مالک حقیقی کی عبادت کریں اور اس کے دین کو پھیلانے کی تدبیریں کریں اس لیے مسجد کو مسلمانوں کے ہاں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

﴿ اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾

(سورۃ التوبہ:۱۸)

''اللہ کی مسجدیں وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتے ہوں''۔

﴿وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾

(سورۃ الجن:۱۸)

''بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں اس لیے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو''۔

﴿فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُه﴾

(سورہ النور:۳۶)

''اللہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اس کے گھروں (مسجدوں) میں اسی کا نام پکارا جائے اور بلند کیا جائے''۔

﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِهَا ﴾

(سورۃ البقرۃ:۱۱۴)

''اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے اور مسجد کی بربادی کے درپے رہے''۔

مذکورہ بالا چاروں آیات سے مسجد کی اہمیت عیاں ہوتی ہے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مسجدیں تعمیر کریں ان کی آبادکاری میں کوشاں رہیں مسجدیں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں۔ ان میں اللہ کی عبادت سے کسی کو روکا نہ جائے۔ اس کے ساتھ ہی مسجد کا تقدس چاہتا ہے کہ مسجد میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے اس شخص کی برائی اور ظلم کا کوئی ٹھکانہ نہیں جو انسانوں کو ان کی عبادت گاہ سے روکتا ہے اور مسجد کی بربادی کا سبب بنتا ہے۔

مسجد کی اس اہمیت اور بلند مقام کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں مسجد کو عزت وشرف کا بلند مقام دیا ہے۔ آپ نے مسجد کی تعمیر اس میں آنے جانے، مسجد میں بیٹھنے اور اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کی بے حد فضیلت بیان کی ہے ہم ذیل میں چند احادیث بیان کرتے ہیں جن سے مسجد کی اہمیت، ضرورت اور مقام واضح ہوتا ہے۔

﴿أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُ هَا وَ ابْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ اَسْوَاقُهَا﴾

(مسلم)

''آبادیوں میں خدا کے پسندیدہ مقامات مسجدیں ہیں اور خدا کے نزدیک بدترین مقامات بازار ہیں''۔

﴿مَن بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِداً بَنَى اللهُ لَه' بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ﴾

(بخاری اور مسلم)

جس شخص نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

مذکورہ آیات اور احادیث نبویہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں مسجد کو کس قدر اہمیت حاصل ہے مسجد تعمیر کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے مسجد میں آکر نماز پڑھنے والے کا درجہ اس شخص سے زیادہ ہے جو گھر میں نماز پڑھتا ہے۔ تین مساجد کی طرف سفر کرنے کو پسند فرمایا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی

تعمیر میں خود شرکت فرمائی پھر ساری عمر مسجد کی آباد کاری میں مصروف عمل رہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ مسجد کی تعمیر و ترقی میں کوشاں رہے۔

3.2- مسجد کے آداب

اسلام کی ابتداء ہی سے مسلمان مسجد کا احترام کرتے تھے۔ اس کی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے احکام موجود ہیں مسلمان ہر جگہ نماز ادا کر سکتا ہے۔ البتہ جس جگہ عبادت کی جائے وہ گندی نہیں ہونی چاہیے۔ مسجد میں داخل ہونے اور اس سے باہر نکلنے تک کے آداب مقرر ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھیں اور مسجد سے باہر نکلنے کی دعائیں بھی مقرر فرمائیں۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے مسجد کے آداب کا پتہ چلتا ہے آداب مسجد کے بارے میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

﴿من اکل من هذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مساجد نافان الملائکةتتاذی ممایتاء ذی منه الناس﴾

(مشکوہ المصابیح باب مواضع الصلوۃ)

”جو شخص اس بدبو دار درخت (لہسن یا پیاز) میں سے کھائے وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے اس لیے کہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف پاتے ہیں جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے“۔

اس حدیث نبوی کا مقصد یہ ہے کہ بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں نہیں جانا چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے ان کے ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ نمازی مسجد میں خوشبو لگا کر جائے اور آپ نے خوشبو لگانے کو رواج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کیا جائے“۔

آداب مسجد کو اس حد تک ملحوظ رکھا گیا کہ اس میں تھوکنے تک کو گناہ قرار دیا گیا ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے سامنے امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ برے اعمال میں وہ تھوک بھی شامل ہوتا ہے جو مسجد میں تھوکا جائے لیکن اسے دفن نہ کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور خرید وفروخت سے منع فرمایا۔

اس حدیث میں بھی مسجد کے تقدس اور وقار کے پیش نظر اشعار پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی ہے کیونکہ اشعار میں عام طور پر تقدس اور وقار موجود نہیں ہوتا بلہ ان میں، اخلاق سے گری ہوئی باتیں درج ہوتی ہیں۔ اسی طرح خرید وفروخت میں بھی جھگڑے، گندگی اور برائی کا احتمال ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مسجد میں نہ قصاص لیا جائے نہ اشعار پڑھے جائیں اور نہ ہی حد پر عمل درآمد کیا جائے۔

''جو شخص یہ سنے کہ کوئی آدمی اپنی گم شدہ چیز مسجد میں ڈھونڈ رہا ہے تو وہ یہ کہے کہ خدا اس کی چیز واپس نہ دے۔ کیونکہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی''۔ (مسلم)

مسجد کا جو احترام شروع میں قائم ہوا وہ ہمیشہ قائم رہا۔ اور اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ مسجد میں چھوٹے اور ناسمجھ بچوں کو نہیں لایا جاتا۔ بعض حالتوں میں عورتیں مسجد میں داخل نہیں ہوسکتیں مسجد میں سونا مناسب نہیں۔ اسی طرح مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

مسجد کی اہمیت اور آداب کے بارے میں اوپر دی ہوئی احادیث سے آپ کو اندازہ ہوگا۔ کہ مسلم معاشرے میں مسجد کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔

3.3- مسجد کا کردار

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمدنی اور معاشرتی زندگی میں مسجد کا کردار بہت اہم رہا ہے مسلمانوں کی پوری زندگی پر مسجد کی گہری چھاپ ہے اسلامی معاشرے میں مسجد کو مختلف اعتبار سے مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیروی کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں مسجد کو مرکزی مقام دے رکھا تھا۔ اور آپ کے ہر کام میں مسجد کا عمل دخل بہت ہی نمایاں ہے مسجد سے آپ کی اس گہری وابستگی کی وجہ سے مسلمانون کا پورا ماحول مسجد سے وابستہ ہو گیا۔ اس کے ابتدائی دور میں سیاست کے مراکز انصاف کی عدالتیں، تعلیمی درسگاہیں فوجی تربیت گاہیں، سفراء اور وفود کے استقبال اور مشورے کی جگہیں اور مسلمانوں کے مابین بھائی چارہ قائم کرنے کے مراکز مسجدیں ہی تھیں۔

اب اگرچہ مسجد کی سیاسی، عدالتی، انتظامی اور تربیتی حیثیت برقرار نہیں رہی، لیکن اس کی مذہبی اور تعلیمی حیثیت آج بھی قائم ہے آج بھی مسلمان بچوں کی تعلیم کا آغاز مسجد ہی سے ہوتا ہے اگرچہ مغرب کے لادینی نظام تعلیم سے مسجد کی تعلیمی حیثیت کو نقصان پہنچا تھا لیکن مسلمان ماہرین تعلیم نے مسجد کو تعلیمی مرکز کے طور پر ہمیشہ متعارف کرایا اور اس کوشش کو جاری رکھا۔ اور موجودہ دور میں اس حقیقت کو پھر سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مسلمان بچوں کی تعلیم کا آغاز مسجد سے ہونا چاہیے۔

مشغلہ:

آپ اپنے قریب کے کسی مسجد مکتب میں جائیں اور وہاں ہونے والی تعلیم کا جائزہ لیں اور اسے بہتر بنانے کے لئے تجاویز لکھ کر مکتب کے استاد سے ادب اور سلیقے سے بات چیت کریں اور استاد صاحب سے بھی تجاویز لیں اور انہیں ترتیب سے لکھیں۔

۴...... خودآزمائی

ا: قرآن کی پہلی وحی کے پہلے لفظ ''اقرا'' کا کیا معنی ہے؟

۲: ''علم بالقلم'' کا ترجمہ کیجئے۔

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں کے عربی الفاظ کیا ہیں؟

۴: تعلیم کے جو مقاصد بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے چار مقاصد نیچے تحریر کریں۔

ا: ______________________

۲: ______________________

۳: ______________________

۴: ______________________

۵: اسلام نے تعلیم کا سب سے اہم مقصد کیا بتایا ہے۔

٦: آپ نے سات اصول تعلیم پڑھے ہیں۔ان میں سے کوئی سے چار مختصراً لکھیں۔

ا: ______________________

۲: ______________________

۳: ______________________

۴: ______________________

۷: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تدریس کیا تھا؟

۸: مسلمانوں کے نصاب تعلیم کے لازمی مضامین کون کون سے ہیں؟

۹: کیا کوئی ایسے مضامین بھی ہیں جن کی تعلیم کی مسلمانوں کے لئے ممانعت ہے۔؟
۱۰: استاد کے کوئی سے پانچ فرائض مختصراً لکھئے۔

ا: ______

۲: ______

۳: ______

۴: ______

۵: ______

۱۱: شاگرد کے فرائض کیا کیا ہیں؟
۱۲: اسلامی عہد میں سب سے پہلی درس گاہ کون سی تھی؟
۱۳: پہلی اسلامی درس گاہ کی بنیاد کس نے رکھی؟
۱۴: یہ درس گاہ کہاں قائم کی گئی؟
۱۵: اس درس گاہ کے پہلے استاد کون تھے۔؟
۱۶: بیت الحکمتہ کی بنیاد کس نے رکھی؟
۱۷: یہ ادارہ کہاں قائم کیا گیا؟
۱۸: مسجد کا لغوی معنی کیا ہے؟
۱۹: مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو انہوں نے سب سے پہلے کون سی عمارت تعمیر کی؟
۲۰: مسجد کے کوئی سے چار آداب لکھئے۔

ا: ______

۲: ______

۳: ______

۴: ______

۲۱: مسجد کا اصلی کردار کیا ہے؟ آپ مسجد کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے کیا تجاویز پیش کرتے ہیں۔

معاشرتی ادارے

(ب)

تحریر: ڈاکٹر حافظ محمد طفیل

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

یہ یونٹ پڑھنے کے بعد آپ:

۱) قوم اور اُمت کے فرق سے آگاہ ہو جائیں گے۔

۲) قومیت کے عناصر ترکیبی سے واقف ہوں گے اور ان کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔

۳) اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں سے روشناس ہوں گے۔

۴) تبلیغ کے اسلامی طریق کار سے آگاہ ہوں گے۔

۵) یہ جان لیں گے کہ آج کے دَور میں تبلیغ کے لیے کیا کیا ذرائع استعمال کرنے چاہیں۔

۶) جہاد کی ضرورت اور اہمیت سے واقف ہوں گے۔

۶) جہاد کے اسلامی طریقے کو جان لیں گے اور آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی اعلیٰ روایات کے اثر سے پھیلا ہے۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-1	یونٹ کا تعارف	489
-2	اُمت	491
	2.1 قوم اور قومیت کا مفہوم	491
	2.2 امتِ مسلمہ کی بنیاد	492
	2.3 قومیت کے عناصر	496
	2.4 قومیت کی بنیادوں کا جائزہ	497
	2.5 اسلام کا تصورامت	499
	2.6 خلاصہ	502
	2.7 خودآزمائی نمبر 1	503
-3	اسلامی ریاست	505
	3.1 اسلامی ریاست کے بنیادی اصول	505

	3.2 خود آزمائی نمبر 2	512
-4	تبلیغ	514
	4.1 تبلیغ کے بنیادی اصول	515
	4.2 تبلیغ کے ذرائع	518
	4.3 تبلیغ کی عمومیت	519
	4.4 خود آزمائی نمبر 3	519
-5	جہاد	521
	5.1 فرضیت جہاد	522
	5.2 جہاد کی فضیلت	523
	5.3 اسلامی طریق جہاد	523
	5.4 خلاصہ	524
	5.5 اشاعت اسلام اور تلوار	524
	5.6 خود آزمائی نمبر 4	525

۱...... یونٹ کا تعارف

یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی انسان تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا بلکہ اسے قدم قدم پر دوسرے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔تصور کریں کہ اگر کسی خطہ میں ایک انسان کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو اس کے ساتھ دوسرا کوئی انسان موجود نہ ہو تو وہ انسان تنہائی میں بے شمار خطروں میں گھر جائے گا اور اس کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا ۔اسی طرح ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ کوئی انسان اپنی ساری ضروریات اکیلا مہیا نہیں کر سکتا ۔شہروں میں بسنے والے کھانے پینے کی اشیاء کے لئے کسان کے ضرورت مند ہیں جبکہ کسان کھیتی باڑی کا کام چلانے کیلئے بہت سی اشیاء کارخانوں اور ملوں سے حاصل کرتا ہے ۔یہی حال دوسرے اور کاروباروں کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا مل جل کر رہنا ایک فطری عادت اور ایک طبعی ضرورت ہے ۔

جب انسان مل کر رہتا ہے تو ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے ۔اس معاشرے میں ہر طرح کے انسان موجود ہوتے ہیں ۔اچھے برے ،نیک وبد ،انسان کو فائدہ پہنچانے والے اور اس کا نقصان کرنے والے اور اپنی دھن میں مگن خود غرض لوگ اور دوسروں کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دینے والے خوش نصیب انسان ۔معاشرے میں خوشی بھی ہوتی ہے اور پریشان کر دینے والے واقعات بھی قائم ہوتے ہیں ۔اسی طرح جب ایک سے زیادہ معاشرے قائم ہوں تو پھر اندرونی تعلقات کے ساتھ ساتھ بیرونی تعلقات بھی قائم ہوتے ہیں۔ بیرونی تعلقات میں صلح اور جنگ ہر طرح کے حالات پیش آتے ہیں ۔ان تمام ضروریات کو پورا کرنے ،انسان کو اچھائی کا خوگر بنانے اور برائی سے بچانے کے لئے اللہ تعالی نے اپنے انبیاء کے ذریعے انسان کی رہنمائی اور ہدایت کا سامان مہیا کیا ۔اس ہدایت اور رہنمائی کا نام ''دین'' ہے جو انسانی زندگی کے تمام دائروں

میں انسان کو اچھائی کرنے کی دعوت دیتا ہے اور برائی کرنے سے روکتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے جو انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والے معاشرے کو تسلیم کرتا ہے اس میل ملاپ کو فروغ دینے میں مدد دیتا ہے اور ایسے فطری اصول دیتا ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے اجتماعیت اور معاشرہ پروان چڑھے معاشرے میں برائیاں اور خرابیاں پیدا کرنے والے عناصر کی بیخ کنی کی جاتی ہے۔ اسلام میں فرد بنیادی اکائی ہے اور اس کی اصلاح اور فلاح معاشرے کی اچھائیوں کا ضامن ہوتی ہے۔

اس طرح اسلام وحدت نسل انسانی کا حامی ہے اور کسی ایسے نظریئے کو پروان چڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جس سے وحدت نسل انسانی کو نقصان پہنچے اور وہ ٹکڑوں یا گروہوں میں بٹ جائے، بلکہ اسلام ایسے اصول فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان رنگ ونسل اور وطن و زبان کے امتیازات سے بالاتر ہو کر عقیدے اور عمل کے وحدت کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے، کیونکہ رنگ ونسل اور زبان و وطنیت کی بنیادوں پر قائم ہونے والے معاشرے وقتی اور مکانی ہوتے ہیں اور اسلام مستقل اور دائمی اصول دیتا ہے۔ نیز ایسی قدروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو زمان و مکاں کی پابندیوں سے بالاتر ہو کر ہر دور ہر طرح کے حالات میں قابل عمل اور یکساں مفید ہوں۔

انسان کی شیرازہ بندی کے لئے اسلام نے جو زریں اصول دیئے ہیں ان کو اپنا کر ایک گروہ پروان چڑھتا ہے، ایک جماعت، قائم ہوتی ہے، ایک طبقہ پیدا ہوتا ہے اور ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جس کا مقصد انسانیت کی خدمت ہوتا ہے جو بچھڑے ہوئے انسانوں کو ایک مرکز پر لا کر جمع کرتا ہے جو ہر قسم کے تعصبات اور دشمنیوں کو بھلا کر آپس میں محبت اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرتا ہے جو انسان کے شرف کا محافظ اور اس کی عظمت کا امین ہوتا ہے۔

انسانی تمدن کے یہی معاشرتی ادارے مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس یونٹ میں آپ چند معاشرتی اداروں۔ امت، ریاست، تبلیغ اور جہاد کے بارے میں پڑھیں گے۔

۲...... اُمت

اسلامی اصولوں کی روشنی میں جو معاشرہ، گردو، طبقہ یا جماعت وجود میں آتی ہے اس کے لئے قرآن و سنت میں جو اصطلاحات استعمال ہوتی وہ ہیں:

■ امت ■ ملت ■ حزب ■ جماعت ■ معشر اور طائفہ۔

ان الفاظ میں لفظ قوم شامل نہیں ہے اگر موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی جماعت کے لئے بھی ''قوم'' کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور ہماری اجتماعی حیثیت کو بیان کرنے کے لئے یہی لفظ بولا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت نے مسلمان امت کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ آیئے معلوم کریں کہ اس لفظ میں کیا برائی ہے۔

2.1- قوم اور قومیت کا مفہوم

لفظ قوم اور اس کا ہم معنی لفظ (Nation) ایسے معانی پر مشتمل ہوتا ہے جس کی رو سے کسی طرح بھی وحدت نسل انسانی قائم نہیں ہوسکتی اور قوم کا تصور نسلی اور وطنی حدود کا پابند ہوتا ہے۔ جبکہ امت اسلامیہ ان حدود و قیود سے بالاتر ہوتی ہے۔ قوم کا تصور دور جاہلیت کی پیداوار ہے کیونکہ اس دور میں قومیت کی بنیاد عقیدے اور اصول پر قائم نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ قومیت کا خمیر قبیلے، نسل اور علاقے وغیرہ کے مواد سے اٹھتا ہے۔ اسی طرح آج بھی لفظ قوم (Nation) کے مفہوم میں مشترک جنسیت (Nationality) کا تصور لازمی طور پر شامل ہوتا ہے۔

2.2- امت مسلمہ کی بنیاد

اسلام نے اجتماعیت کا جو تصور دیا ہے یہ چیز اس کے خلاف ہے ۔اسی لئے قرآن وسنت میں یہ لفظ مسلمان جماعت کے لئے استعمال نہیں ہوا۔اسی طرح قوم کا ہم معنی لفظ''شعب'' بھی مسلمانوں کیلئے استعمال نہیں ہوا کیونکہ اسلام کا تعلق عقیدے اور عمل سے ہے جبکہ قوم کی ترکیب خاک وخون سے بنتی ہے۔ممکن ہے یہاں ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں کو''قوم'' کے لفظ سے پکارا ہے۔جیسا کہ قرآن حکیم میں بار بار ذکر ہوا ہے انبیاءؑ اپنی قوموں کو''اے میری قوم'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو کیا وہ غیر اسلامی لفظ استعمال کرتے ہیں؟ حالانکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد مصطفیٰ ؐ تک جاری رہا۔تو ان حالات میں قوم کا لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟

اس سوال کا واضح جواب یہ ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں یا مخاطبین کے لئے یہ قوم کا لفظ استعمال کیا ہے وہ ایک زبان بولنے والے ،ایک نسل سے تعلق رکھنے والے یا ایک علاقہ میں رہنے والے لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے ۔اس وقت تک انسان نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ پوری انسانیت کیلئے ایک ہدایت دینے والا ہو۔گویا اس وقت تک انسان نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ پوری انسانیت کے لئے ایک ہی نبی بھیجا جائے ۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بیک وقت کئی کئی نبی موجود ہوتے تھے جو اپنی قوم کو ہدایت اور رہنمائی کا درس دیتے تھے۔خود اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی نشاندہی فرمائی ہے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورۃ الرعد: آیت ۷) ہر قوم کیلئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔گویا اس وقت تک انسان نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ پوری انسانیت کے لئے ایک ہی ہادی اور اور رہنما بھیجا جاتا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبی مبعوث فرمائے اور ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں ہدایت کا پیغام دے کر بھیجا۔ہدایات اس قوم کی ضرورت کے مطابق ہوا کرتی تھیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کی بنیاد وحدت نسل انسانی پر ہے اور قوم کے تصور سے وحدت کا

مفہوم پورا نہیں ہوتا قوم نسل انسانی کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔اس لئے مسلمان ایک قوم نہیں بلکہ ایک امت ہیں۔

قرآن حکیم نے مسلمانوں کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں ایک لفظ ''حزب'' ہے جس کے معنی جماعت اور پارٹی کے ہوتے ہیں۔قومیں رنگ ونسل اور نسب کی بنیاد پر اٹھتی ہیں جبکہ جماعتیں اور پارٹیاں عقیدہ وعمل اور اصول ومسلک کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں ۔اس لحاظ سے مسلمان ایک قوم نہیں بلکہ ایک جماعت اور پارٹی ہیں کیونکہ مسلمان کو تمام دنیا سے الگ اور باہم ایک دوسرے سے وابستہ اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایک اصل اور مسلک کے ماننے والے ہیں ۔جن لوگوں کا عقیدہ اور عمل مسلمانوں کا سا نہیں ہے وہ جغرافیائی اور نسلی طور پر مسلمانوں کے قریبی ہونے کے باوجود ان سے دور ان کی جماعت سے باہر ہیں ۔کیونکہ قرآن حکیم نے دو ہی پارٹیوں کو تسلیم کیا ہے۔اللہ کی پارٹی اور شیطان کی پارٹی۔

مسلمانوں کی جماعت کیلئے دوسرا اصطلاحی لفظ ''جماعۃ'' ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بکثرت استعمال فرمایا ہے اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ قوم کا لفظ عام طور پر جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے ان کے لحاظ سے ایک شخص خواہ کسی عقیدہ یا عمل کا پیرو ہو وہ ایک قوم میں شامل رہ سکتا ہے جو اصول و مسلک اور عقیدہ وعمل میں پارٹی کے دستور سے متفق ہو عقیدہ وعمل ہی جماعت میں شمولیت اور جماعت سے نکل جانے کا معیار ہیں۔

مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ مسلمان جماعت کے لئے قرآن حکیم نے دو اور اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔وہ دونوں ہم معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب تر ہیں اس کے علاوہ دونوں کا فی استعمال بھی ہوتی ہیں ۔یہ دو اصطلاحیں ''امۃ'' اور ''ملۃ'' کے مفہوم ومعنی کے وضاحت کریں گے جس میں ''ملۃ'' کا مفہوم بھی شامل ہے۔

قرآن حکیم میں مسلمانوں کے لئے لفظ ''امۃ'' کئی بار استعمال ہوا ہے۔اور حدیث میں بھی یہ لفظ کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔امہ کا لغوی معنی افراد،انسانی نسل،پیرکار اور گروہ کے ہوتے ہیں ۔اصطلاح میں ''امۃ'' ایسی

جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک امر پر متفق ہو۔جس کے افراد کے درمیان کوئی مشترک بنیاد قائم ہو۔اس امر اور بنیاد کی وجہ سے یہ سب لوگ ''امت'' کہلائیں گے۔

جب ہم مسلمانوں کے لئے امت کا لفظ استعمال کرتے ہیں یا ''امت مسلمہ'' بولتے ہیں تو اس سے ہماری مراد انسانیت کے وہ افراد ہوتے ہیں جو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار اور دل سچا ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔پھر اس کلمہ طیبہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ،اسے روزی پہنچانے والا اور موت دینے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اللہ ہی نے نظام کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کو چلانے والا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں جو پوری انسانیت کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ان پر قرآن حکیم نازل ہوا جو قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کو ہدایت اور رہنمائی مہیا کرنے والی آخری کتاب ہے۔

یہی وہ بنیاد اور اصل ہے جس کی بنا پر ''امت مسلمہ'' کے افراد دوسری اقوام اور مذاہب کے افراد سے الگ ہوجاتے ہیں۔یہ احساس انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کیونکہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہی اصل عقل وحکمت کے مطابق ہے۔کیونکہ عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا کوئی ایک ہو ورنہ اس میں اختلاف ہو جائے اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

اس تعریف کی رو سے مسلمان ایک ''امۃ'' ہیں۔اسلام کو ماننے والا ہر فرد اس جماعت اور پارٹی کا رکن ہے۔چنانچہ اس پارٹی میں داخلے کا دروازہ کسی بھی انسان پر بند نہیں۔جب کوئی انسان اپنی مرضی اور خوشی سے اسلام قبول کرلیتا ہے تو وہ ''امت مسلمہ'' کا رکن قرار پا جاتا ہے۔چاہے کسی بھی نسل ،قوم ،وطن یا رنگ سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی بھی زبان بولتا ہو۔البتہ ''امت مسلمہ'' کا رکن بن جانے کے بعد اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی اسلامی طریقے کے مطابق گزارے اور ''امت مسلمہ'' کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ''مسلم'' یا ''مسلمان'' کا لفظ اسلام کے پیروکار کے لئے بولا جاتا ہے جب

تک کوئی شخص اسلام کے احکام پر عمل کرتا رہے گا وہ ''مسلم امہ'' کا رکن رہے گا لیکن جب وہ اصول اسلام سے ہٹا اس سے مسلمان ہونے کی حیثیت خود بخود ختم ہوگئی اور وہ مسلم امت کا رکن نہیں رہا بلکہ اب اس کا ہر فعل اس کا ذاتی کام ہے جس سے مسلمانوں کے جماعت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے سے ''امہ'' کا مفہوم مزید واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے۔

﴿انَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (سورہ البقرہ آیہ ۲۲۳) انسان ایک ہی امت تھے۔

اس آیت میں پوری انسانیت کوایک امت قرار دیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ پوری انسانیت پیدائشی طور پر فطرت اسلامی پر ہوتی ہے اور اس لحاظ سے ساری انسانیت کوایک امت قرار دیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ پوری انسانیت پیدائشی طور پر فطرت اسلامی پر ہوتی ہے اور اس لحاظ سے ساری انسانیت ایک امہ ہے۔ پھر مختلف ایسے اسباب پیش آتے رہے جن کی وجہ سے لوگ گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ (سورہ آل عمران آیت: ۱۱۰)

''تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کیلئے پیدا کیا گیا۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان یہ انسانوں میں سے بہترین امت ہیں۔کیونکہ یہ اللہ تعالی کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے بعد جو کام سرانجام دیتے ہیں اس میں انسانیت کی بھلائی ہوتی ہے۔انسانیت کو سیدھی راہ یہی امت دکھارہی ہے اور برائی سے یہی امت باز رکھتی ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا (سورہ البقرہ آیت ۱۴۳)

''اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تا کہ تم نوع انسانی پر نگران ہو اور رسول تم پر نگران۔''

مذکورہ آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک ایسی بین الاقوامی جماعت ہیں جو ایک خاص پروگرام پر عمل کرنے ،ایک خاص مشن چلانے اور ایک خاص اصول کو ماننے کے لئے وجود میں آئی ہے اور وہ عالمگیر مشن نسل انسانی کی اصلاح ہے۔اس میں اچھائی کو فروغ دینا اور برائی کا خاتمہ کرنا ہے۔

اسلام نے اپنی بین الاقوامی امت کے ارکان میں یک جہتی اور ان کی معاشرت میں یکسانی پیدا کرنے کیلئے ضروری قرار دیا ہے کہ بیاہ شادی آپس میں کریں تا کہ اولاد کی تعلیم وتربیت صحیح ہو اور اسلام کے عقیدہ وعمل کا پیرو کار معاشرہ پروان چڑھے۔معاملہ یہیں ختم نہیں ہو گیا بلکہ ارشاد نبوی ہے کہ دو ملتوں کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

اس مقام پر آ کر یہ واضح ہوا کہ اسلام ایک ملت ہے تو اس کے مقابلے میں کافر دوسری مدمقابل امت یا ملت ہے چنانچہ کہا جاتا ہے''الکفر ملة واحدة'' (کفر ایک ملت ہے)۔یہی وجہ کہ کفر اور اسلام ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہتے ہیں۔اس لئے کافروں کو ایک قوم اور مسلمانوں کو ایک امہ سمجھنا چاہیئے۔

2.3- قومیت کے عناصر

قوم اور امت کے عناصر ترکیبی میں بہت نمایاں فرق ہے۔اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے مختلف عناصر ترکیبی کا جائزہ لیا جائے اور ان کا امت کے وسیع تر مفہوم سے موازنہ کیا جا سکے تا کہ امت کی خصوصیات عیاں ہو سکیں۔

انسانی ذہن میں بے پناہ وسعت ،لاتعداد خیالات اور بے شمار افکار ہوتے ہیں ۔اس لئے بہت سے انسانوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا بہت ہی مشکل کام ہے اس کے باوجود دنیا میں ایسے عناصر موجود ہیں جو انسان کو ایک خیال ایک مقصد اور ایک عمل پر جمع کر دیتے ہیں ۔یوں تو ایسی کئی چیزیں ہوسکتی ہیں جن کی بنیاد پر لوگ اکٹھے ہوکر ایک قوم بن جاتے ہیں لیکن اب تک جن چیزوں کو قومیت کی بنیاد بنایا جارہا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱: نسل کا اشتراک	۲: وطن کا اشتراک
۳: ہم زبان ہونا	۴: رنگ کا اشتراک
۵: ایک پیشے سے تعلق رکھنا	۶: ایک سیاسی نظام کے تحت رہنا

2.4- قومیت کی بنیادوں کا جائزہ

آیئے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ کیا اوپر دی ہوئی چیزیں قومیت کی حقیقی بنیاد بن سکتی ہیں یا ان کی حیثیت محض خیالی ہے۔

پہلے نسل کے اشتراک کو لیجئے ۔نسلیں کیسے بنتی ہیں؟ اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہم کسی مشہور آدمی کو مرکز یا مورث اعلیٰ فرض کر کے اس کی اولاد اور اولاد در اولاد کو ایک نسل قرار دے دیتے ہیں اور اگر ہم اس آدمی سے اوپر کی طرف چلیں تو نسل کا دائرہ پھیلتا جائے گا۔اس لئے اگر خونی تعلق کو یہ قومیت کی بنیاد قرار دینا ہے تو تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بنیاد کیوں نہ قرار دیا جائے۔

وطن کی حیثیت یہ ہے کہ آدمی جس مختصر سی جگہ پر پیدا ہوتا ہے اسے پھیلا کر دور تک لے جاتا ہے اور پھر اس کی حد بندی کر دیتا ہے اور اس علاقے کو اپنا وطن قرار دے دیتا ہے ۔حالانکہ یہ انسان کی تنگ نظری ہے کہ اس نے فرضی حدود قائم کر کے اپنا وطن محدود کر دیا ہے جبکہ وہ اسے پورے روئے زمین تک پھیلا سکتا تھا۔

زبان کے اشتراک کا صرف یہ فائدہ ہے کہ ایک زبان بولنے والے ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھ لیتے ہیں ورنہ زبان فکری اتحاد کا ذریعہ نہیں۔ایک ہی زبان میں مختلف اور متضاد افکار کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور مختلف زبانوں میں ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے۔اس لئے زبان کسی اشتراک کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔

رنگ کی بنیاد پر قومیں بنانا احمقانہ بات ہے۔انسان کسی خاص رنگ کا نام نہیں۔رنگ موسمی اور جغرافیائی حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ٹھنڈے علاقوں کے رہنے والے لوگ گرم علاقوں میں جا کر آباد ہو جائیں یا گرم علاقوں کے افراد ٹھنڈے ملک میں منتقل ہو جائیں تو آہستہ آہستہ ان کی رنگتیں بدلنے لگ جاتی ہیں۔ہم دودھ استعمال کرتے ہیں لیکن ہم نے کبھی نہیں پوچھا کہ یہ دودھ سفید گائے کا ہے یا کالی کا۔اس لئے رنگ کسی صورت میں انسانوں میں تفریق کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

معاشی اغراض کے اشتراک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک پیشے سے منسلک لوگ اپنی اس طرح کی تنظیم قائم کریں کہ دوسرے لوگوں کو اس پیشہ میں داخل ہونے سے روکیں یہ ایک ایسی خودغرضی ہے جس کا مقصد وسائل معیشت پر کنٹرول کر لینا اور دوسرے لوگوں کو حصول رزق سے محروم کرنا ہے۔انسانیت کی تاریخ میں یہ ایک بدترین عمل ہے جو قدرت کے نظام کے خلاف بغاوت ہے۔

جہاں تک سیاسی نظام کا تعلق ہے تو کوئی بھی سیاسی نظام اس وقت تک اپنے ملک کے لوگوں کو متحد رکھ سکتا ہے جب تک وہ مضبوط اور مستحکم ہے۔جونہی نظام حکومت کمزور ہوتا ہے اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

مشغلہ

ایسے تین ممالک کے نام لکھئے جو کسی وقت ایک متحد ریاست تھے اور بعد میں کئی چھوٹے بڑے ملکوں میں تقسیم ہو گئے۔

۱: .... ۲: ....

۳: ....

مذکورہ بالا جائزے سے واضح ہو گیا کہ انسانی اجتماع اور اتحاد کیلئے جس قدر مشترک عناصر اس وقت موجود ہیں ان کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے یہ محض حسی اور مادی دائرے ہیں جن کا قیام اور بقا عقل کی تنگی اور تنگ نظری کی نشان دہی کرتا ہے۔ جوں ہی عقل میں وسعت اور قلب ونظر میں بیداری پیدا ہوتی ہے تو سارے دائرے ختم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ نسلیت کو انسانیت کے لئے اور وطنیت کو آفاقیت کے لئے جگہ خالی کرنا پڑتی ہے۔

اب ہم مطالعے کی اس سطح پر پہنچ گئے ہیں کہ دنیا میں پائی جانے والی قومیت اور اس کے اجزاء ترکیبی سے ہمیں آگہی حاصل ہو گئی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اسلام کے اصول "امت" پر غور کریں تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ "امت اسلامیہ" کے لئے اللہ تعالی اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون کون سے اصول ہمیں عطا کئے ہیں۔

2.5- اسلام کا تصور امت

اسلام کسی بھی مادی یا حسی دائرے کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح اسلام میں رنگ ونسل کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان کی اصل ایک ہے اور ہر انسان اسی اصل سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً۔

(سورہ النساء آیت ۱) اللہ تعالی نے تمہیں ایک ہی جاں سے پیدا کیا پھر اس سے کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اورعورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سارے کے سارے انسانوں کی ابتداء ایک ہی جان سے ہوئی ہے۔جب انسان کی اصل ایک ہے تو اس میں نسل کا اتحاد پایا جاتا ہے اور رنگ کا اختلاف محض موسمی تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿كُلُّكُمۡ مِنۡ آدَمَ وَ آدَمُ مِنۡ تُرَابٍ﴾

"تم سب کو آدم سے پیدا کیا گیا اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔"

گویا انسان کی ابتداء مٹی سے ہوئی ہے اور یہی اس کی اصل ہے جس کی رو سے سب انسان برابر ہیں۔اس برابری کو مستحکم کرنے اور رنگ کا امتیاز مٹانے کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں ارشادفرمایا:

﴿لَا فَضۡلَ لِعَرَبِيٍ عَلٰى عَجَمِيٍ وَلَا لَا بَيۡضَ عَلٰى اَسۡوَدَ﴾

"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔"

اسلام میں رنگ ونسل اور وطنیت کی وجہ سے کسی شخص کو دوسرے پر فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ فضیلت کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

ارشاد ربانی ہے:۔

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ (سورہ الحجرات آیت ۱۳)

''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہیں گروہ اور قبیلے اس لئے بنایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں معزز وہی ہے جو پرہیزگار ہے۔''

یہ آیت انسان کے قبیلوں، برادریوں، نسلوں اور خاندان کی حقیقت بتاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو کہ زید قبیلہ قریش سے ہے تو بکر مغل ہے۔ اس کے علاوہ اس تقسیم کی کوئی حیثیت نہیں۔ کسی بھی خاندان کا رکن بن جانا باعث عزت و شرف نہیں ہوتا بلکہ مقام اور مرتبہ صرف تقوی اور پرہیزگاری سے حاصل ہوتا ہے۔

پھر انسان کو اس بات کا سبق پڑھایا کہ ساری زمین اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسکے تابع فرمان کردی ہے۔ اس لئے انسان اس پر چلے پھرے، اپنے لئے رزق کے بہتر مواقع تلاش کرے اور اپنے عقیدہ واصول پر عمل کرتے ہوئے جس جگہ بھی وہ رہے ملت اسلامیہ کا رکن ہوگا۔

﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ﴾ (سورہ النساء آیت ۹۷)

''کیا اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ نہیں کہ تم ہجرت کر کے دوسری جگہ جا سکو۔''

جہاں تک پیشہ اور معاشی اغراض کے اشتراک کا تعلق ہے تو اللہ تعالی نے انسانوں کو حکم دیا ہے کہ زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا عطا کردہ رزق تلاش کرو۔

﴿فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (سورہ الجمعہ آیت ۱۰)

''اللہ کی زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالی کا فضل (رزق) تلاش کرو۔''

لیکن صرف روزی کمانا کوئی وجہ امتیاز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو حلال و حرام کی تمیز ناپ تول میں کمی نہ کرنے اور کھرا معاملہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اس معاملہ بندی میں سب انسان برابر ہیں۔ ہر انسان کو معلوم ذرائع اختیار کرنے کے برابر کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ کسی معاشی طریقہ سے ایک انسان کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہوتی ہے۔

نظام حکومت کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قانون کے مطابق جو شخص بھی نظام حکومت چلائے اس سے تعاون کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿اسمعوا واطیعوا ولو استعمل علیکم عبد حبشی ۔یقودکم بکتاب اللہ﴾

(بخاری کتاب الاحکام)

''سنو اور پیروی کرو چاہے تمہارے اوپر کوئی حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے ۔بشرطیکہ وہ تمہیں اللہ کی کتاب پر چلائے۔''

2.6- خلاصہ

مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ امت مسلمہ کی اساس قوم ونسل ،رنگ ووطن ،معاشی یا سیاسی اشتراک پر نہیں ہوتی ۔ملت اسلامیہ ایک ایسی جامع قوت ہے جس کی اساس صرف اور صرف کلمہ طیبہ یعنی دین اسلام کے دائرے میں شامل ہونا ہے جو شخص اللہ کی وحدانیت اور اللہ کے رسول کی رسالت اور ختم نبوت کا اقرار کر لیتا ہے اور پھر زندگی بھر نہ صرف اس اقرار پر قائم رہتا ہے بلکہ زندگی کے پورے نظام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے وہ امت مسلمہ اور دینی جماعت کا رکن ہے۔

اس امت مسلمہ کا حاکم اعلیٰ خود اللہ تعالی ہے۔اس کے قائد و ہادی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔صحابہ کرامؓ امت مسلمہ کے لئے روشنی کا مینار ہیں ۔قرآن حکیم ان کا دستور حیات ہے ۔اس امت کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں اپنے دستور حیات کو تمام ذہنی ،اخلاقی ،مادی اور شعوری وغیر شعوری طاقتوں کے ذریعے نافذ کریں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

2.7- خودآزمائی ......ا

ا: خالی جگہیں پر کریں۔

(i) اسلام حضرت .... سے شروع ہوا ہے۔

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، ابراہیم علیہ السلام، آدم علیہ السلام)

(ii) قرآن نے مسلمانوں کیلئے جو الفاظ استعمال کئے ان میں ایک لفظ .... ہے۔

(قوم ،حزب،شعب)

(iii) اُمت کا مترادف .... ہے۔ (طائفہ،قوم،ملت)

۲: قومیت کی بنیادیں کون کون سی ہیں ۔ترتیب دار لکھیئے ۔

(i) ....

(ii) ....

(iii) ....

(iv) ....

(v) ....

(vi) ....

۳) اسلام کا تصور ہجرت قومیت کی کون سی بنیاد کی نفی کرتا ہے۔

(i) نسلی بنیاد

(ii) لسانی بنیاد

(iii) وطنی بنیاد

۴) نظامِ حکومت کے بارے میں اسلام کا نقطہ کیا ہے؟

۵) قومیت کی بنیادوں کا تنقیدی جائزہ لیں اور اپنی تحریر کو سبق میں دیئے گئے نکات سے ملائیں۔

۳...... اسلامی ریاست

انسانی معاشرے میں جتنے بھی ادارے پائے جاتے ہیں ان میں ریاست کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔کسی بھی معاشرے کو سماجی قدروں ،اپنی سالمیت اور بقا کی حفاظت امن وسلامتی اور نظم ونسق کے قیام کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر معاشرے میں ہر فرد کے ہاتھ میں یہ امور دے دیئے جائیں تو ایک طرح کا بحران پیدا ہو جائے گا۔معاشرہ افراتفری کا شکار ہوگا۔کسی بھی فرد کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں ہوگی۔اس لئے کسی ایسے ادارے کی ضرورت ہوتی ہے جو معاشرے میں مذکورہ بالا امور کو بروے کار لائے۔انہیں پروان چڑھائے اور انہیں نافذ کرے۔یہی وجہ ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی کی ابتدا سے ہی قیادت ،اختیار ،اقتدار اور سرداری کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔اس لئے ریاست ہمیشہ سے ایک انتظامی ادارہ رہی ہے۔ریاست کسی خطہ زمین پر بسنے والے افراد اور ان کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کو مضبوط بناتی ہے۔اپنے افراد اور مختلف گروہوں کے مفادات اور مقاصد کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرتی ہے۔کوئی معاشرہ ریاست کے ادارہ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔

3.1- اسلامی ریاست کے بنیادی اصول

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس نے زندگی کے ہر شعبے کے لئے رہنما اصول دیئے ہیں۔چنانچہ ریاست کے متعلق بھی اس نے ہمیں ہدایات دی ہیں۔

آئندہ سطور میں ہم اسلامی ریاست کے اصول وقواعد بیان کریں گے تاکہ اسلامی ریاست ،اس کی حقیقت ،شہریوں کے حقوق اور فرائض اور دیگر امور کی پوری وضاحت ہو سکے۔

اسلام میں کسی بھی مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ انسان دو باتوں کو ذہن نشین کر لے۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو نظام اسلام کو دوسرے تمام نظامہائے زندگی سے الگ کر دیتی ہیں اور انہی سے اسلام کا امتیاز بھی واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ دو باتیں یہ ہیں۔

(الف) اسلام نے جو احکام دیئے ہیں وہ ایک انسان یا انسانوں کے کسی گروہ کے خودساختہ نہیں ہیں کہ ان میں کوئی خرابی اور کجی باقی رہ گئی ہو۔ بلکہ یہ احکام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور اس کے رسول اکرم صلی علیہ وسلم کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی فطرت، اس کی نفسیات اور اس کی قوت کا رکردگی سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے اس نے جو بھی احکام دیئے ہیں وہ انسانی ضرورت کے عین مطابق اور قابل عمل ہیں۔

(ب) اسلام ایک مکمل دین ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

﴿اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ﴾ (المائدہ آیت ۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔''

اس لئے اس میں زندگی کے ہر پہلو پر احکام موجود ہیں۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اس کے حل کے لئے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی امور میں بھی رہنمائی قرآن وسنت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم آئندہ سطور میں انہیں کی طرف توجہ دیں گے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم اسلامی ریاست کے اصول ومقاصد بیان کرتے ہیں۔

۱) حاکمیتِ اعلیٰ

اسلام کا تصور حاکمیت بہت صاف اور واضح ہے جبکہ دوسرے سیاسی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت اعلیٰ کا تصور بہت ہی الجھا ہوا ہے۔ دوسرے نظاموں میں شہریوں کو اقتدار اعلیٰ سونپا جاتا ہے، کبھی ایک گروہ اس پر قابض ہو جاتا ہے، کبھی دوسرا، کبھی یہ موروثی ہوتا ہے، کبھی قوت کے بل بوتے پر حاصل کر لیا جاتا ہے اور کبھی

حکمران اس پر مسلط رہتے ہیں ۔جبکہ اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلیٰ و اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے ۔ہر طرح کا اقتدار اسی کو حاصل ہے ۔سیاسی اقتدار جس کے حصول میں انسان ہر طرح کے طریقے اور حربے اختیار کرتا ہے ۔اسلامی ریاست میں وہ انسان کے پاس نہیں ہوتا ۔جس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں ظلم ،ناانصافی،حقوق سے محرومی یا حقوق میں عدم مساوات نہیں ہوتی ۔بلکہ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے تابع ہو کر حکمران (خلیفہ) اور رعایا (مسلمان شہری) کام کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ قرآن حکیم میں بار بار بیان ہوئی ہے۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (سورہ یوسف:۴۰)

''حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔''

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین صرف چند عبادات اور روحانی قسم کے احکام کا نام ہے ۔اس آیت سے ان لوگوں کے اس خیال کی نفی ہوتی ہے ۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ ہی کے اقتدار کو تسلیم کریں ،اس کے سامنے جھکیں کیونکہ اصل دین یہی ہے ۔اس آیت سے اسلامی ریاست کی روح معلوم ہوتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام ہی واجب اطاعت ہیں اور اولی الامر کی اطاعت اس کے تابع ہے۔

﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ﴾ (سورہ المومن آیت: ۱۲)

''آگاہ ہو جاؤ حکم اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے۔''

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہوتی ہے ۔اس لئے اسلامی ریاست کا دستور تقاضا کرتا ہے کہ اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کا اعتراف کیا جائے اور دستور میں جو بھی کلی یا جزوی حکم شامل کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل

کرد احکام کے بالکل مطابق ہو۔گویا اس حقیقت کا واضح اعلان کی جائے کہ یہ ریاست اللہ تعالیٰ کی مطیع ہے اسی کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرتی ہے اور اس کے احکام کو واجب العمل مانتی ہے۔

۲) رسول کا مقام

اسلامی ریاست میں انبیاء اور رسل کو خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مضبوط رابطہ ہوتے ہیں۔انسان کو جو خلافت حاصل ہوتی ہے اس کا عملی نمونہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کے مظہر ہوتے ہیں اور اللہ کی حاکمیت کا نفاذ انہیں کے ذریعے سے ہوتا ہے۔اس لئے ان کے حکم کی پابندی،ان کے طور طریقوں کی پیروی اور ان کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کرنا اسلامی ریاست کے ہر شہری پر فرض ہے۔اسلامی ریاست کا جو شہری اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے۔اس کا عملی تقاضا یہ ہے کہ وہ رسول اللہ کو اپنا ہادی تسلیم کرے اور اس کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنا کر اسکی پیروی کرے۔رسول کی پیروی کو قرآن حکیم نے بار بار بیان کیا ہے۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (سورہ النساء:۸)

''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ س (سورہ النساء:۶۴)

ہم نے رسول اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے۔

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

(سورہ الحشر آیت ۷)

''رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔''

مذکورہ بالا آیات قرآنی کی روشنی میں اسلامی ریاست میں رسول کا مقام بخوبی معلوم ہوا جاتا ہے کہ رسول کی اطاعت لازمی ہے کیونکہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔اس لئے رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کے شہریوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول جو کچھ تمہیں دے وہ بے چوں وچرا قبول کرلو اور جس چیز سے منع کردے اس کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھو۔رسول کے فیصلوں کو تسلیم کرنا شرط ایمان ہے کیونکہ نبی کو وہ کچھ معلوم ہوتا ہے جس تک عام انسان کی رسائی نہیں ہوتی۔اس لئے رسول کی اطاعت کئے بغیر کوئی شخص اسلامی امت کا رکن نہیں بن سکتا۔

۳) اولی الامر

اسلامی ریاست میں اولی الامر یعنی حکام کا ایک ادارہ کام کرتا ہے۔یہ ادارہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وجود میں آیا جس کا سربراہ اسلام کے ابتدائی دور میں خلیفہ ہوا کرتا تھا۔اس ادارے کو یہ ذمہ داری ملی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اسلامی ریاست کے شہریوں سے بھی ان احکام پر عمل درآمد کرائے چونکہ اولی الامر اللہ تعالی اور اس کے رسول کے احکام کو اسلامی ریاست میں نافذ کرتے ہیں اس لئے ان کی پیروی بھی ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ اسلامی ریاست کا نظم ونسق چل سکے۔چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (سورہ النساء:۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو۔“

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ارباب حل وعقد کے احکام کی بھی پابندی کی جائے لیکن اولی الامر اگر کسی

ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو تو اولی الامر یعنی حکمرانوں کی طاعت جائز نہیں۔ چنانچہ نبی اکرم ا کا ارشاد ہے:

﴿ لَا طَاعَۃَ فِیْ مَعْصِیَۃٍ اِنَّمَا الطَّاعَۃُ فِی الْمَعْرُوْفِ لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ ﴾ (بخاری و مسلم)

''گناہ کے کاموں میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔اطاعت اچھے کاموں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کی نافرمانی کے لئے کسی بندے کی اطاعت نہیں کی جاتی۔''

۴) شورائی نظام

اسلامی ریاست میں روزمرہ کے امور چلانے اور اللہ تعالی کے احکام کی عملی تعبیر تلاش کرنے کے کام میں مسلمانوں کو شریک کیا جاتا ہے۔اس کام کے لئے مسلمانوں نے شورائی نظام کا ایک ادارہ قائم کیا ہے۔جب کسی بھی معاملہ میں مشورہ کیا جاتا ہے اور بہت سی آراء سامنے آتی ہیں، نیز ماہرین اور تجربہ کار اصحاب اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو زیرنظر مسائل کا ایسا حل سامنے آجاتا ہے جو آسان، قابل عمل ،انسانی ضرورتوں کے مطابق اور ملّی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے خود رسول اللہؐ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

(آل عمران:۱۵۹)

''باہمی امور میں ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔پھر جب رائے پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔''

مشورے کا فائدہ یہ ہوگا کہ حکمران یک طرفہ فیصلے نہیں کر پائیں گے بلکہ کسی بھی مسئلہ کے سب پہلو

سامنے آئیں گے اوران کی روشنی میں فیصلہ ہوگا۔جس سے آمریت کے مواقع کم ہو جائیں گے۔

﴿وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (سورہ الشوریٰ: ۳۸)

''وہ اپنے معاملات مشورے سے طے کرتے ہیں۔''

اب تک ہم نے اسلامی ریاست کے بنیادی اداروں حاکم اعلیٰ، رسول کا مقام، اولی الامر، شہریوں کی حیثیت اور شورائی نظام کا ذکر کیا ہے۔ اسلامی ریاست ان اداروں کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے تا کہ وہ اپنے فرائض ادا کر سکے، اپنے مطلوبہ مقاصد پورے کر سکے، شہریوں کوان کے حقوق حاصل ہوں اور اللہ کے دین کے مطابق آزادانہ زندگیاں بسر کرسکیں۔

۵) شہریوں کے فرائض

ہر ریاست کے شہریوں کے لئے ایسے کام کرنا لازمی قرار دیا جاتا ہے جس سے ریاست کا تحفظ ہو، حکومت کا نظام چلتا رہے، اس کے ادارے اپنے فرائض امن وسکون سے ادا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں بھی مسلمان شہریوں پر کچھ فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ یہ فرائض ایسے نہیں جو مسلمان شہری ادا نہ کریں یا ان کی ادائیگی میں انہیں غیر ضروری محنت، مشقت اور دقتوں کا سامنا ہو۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے قوانین کا احترام کریں، ریاست کے وفادار اور خیر خواہ ہوں، بھلائی پھیلانے اور برائی کو روکنے میں حکومت سے تعاون کریں اور جہاں مالی یا جانی قربانی کی ضرورت پیش آئے، قربانی سے دریغ نہ کریں۔

۶) شہریوں کے حقوق

اسلامی ریاست میں شہریوں کو وسیع حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ریاست ان حقوق کی حفاظت کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ضمانت مہیا کرتی ہے۔ اس لئے ریاست اگر کسی شرعی عذر کے بغیر ان حقوق کی نگہداشت میں ناکام رہتی ہے تو وہ خدا کے سامنے بھی جواب دہ ہے۔ اس لئے ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ کسی فرق اور رعایت کے بغیر ہر شہری کے حقوق کا تحفظ کرے اسلام نے حقوق کے تحفظ کا وسیع نظام دیا ہے۔ حقوق کی

اخلاقی ،قانونی ،سیاسی ،معاشی یا معاشرتی جتنی بھی شکلیں بیان کی جائیں سب کے لئے اسلام نے احکام دیئے ہیں ۔فرد کے اپنے ذاتی احساس سے لے کر ایسے حقوق جن کا تحفظ ریاست کرتی ہے وہ سب کے سب اسلام کی تعلیمات میں موجود ہیں اور اسلامی ریاست ان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے ۔اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ تمام شہریوں کے جان ،مال ،عزت وآبرو اور شخصی آزادی کا تحفظ کرے ،انہیں اظہار ائے کی آزادی دے ،قانونی معاشرتی اور معاشی مساوات فراہم کرے اور کسی طبقہ سے امتیازی سلوک روا نہ رکھے۔

3.2- خود آزمائی...... ۲

ا: اولی الامر کسے کہتے ہیں ۔ان کی اطاعت کی حدود کیا ہیں؟

۲: مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ کریں اور اپنے کئے ہوئے ترجمہ کو کتاب میں دیئے ہوئے ترجمہ سے ملائیں ۔

(i) اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہ

(ii) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ

(iii) وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُم

۳: اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے ۔اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کسے حاصل ہوتا ہے۔

۴: شہریوں کے تین فرائض لکھیں ۔

(i) ....

(ii) ....

(iii) ....

۵: شہریوں کے پانچ حقوق قلمبند کریں۔

(i) ....

(ii) ....

(iii) ....

(iv) ....

(v) ....

۶: اسلامی ریاست کے تبـ تائیں۔

(i) .... (ii) ....

(iii) ....

۴...... تبلیغ

اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک ایسا دین ہے جو ایک طرف تو طاقت اور اقتدار چاہتا ہے جس کے نتیجے میں اسلام کا سیاسی نظام عمل میں آتا ہے اور دلوں کے ساتھ ساتھ جسموں پر اسلام کی حکمرانی قائم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی اسلام فطری دین ہونے کی وجہ سے اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ وہ اس کا زریں پیغام انسانیت کے ہر فرد تک پہنچائیں۔اس لئے اسلامی ریاست کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ جب بھی وجود میں آئے تو اس امر کی طرف خاص طور پر توجہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری دین کا پیغام پوری انسانیت تک پہنچا دے۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (سورہ الحج:۴۱)

"ایسے لوگوں کو جب اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں ،زکوۃ ادا کرتے ہیں،اچھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ہر چیز کا نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"

اس آیت کے حوالے سے اسلام کا پیغام انسانیت تک پہنچانا اسی طرح لازمی اور ضروری ہے جس طرح نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ وصول کرنا اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض میں ہے۔جو ریاست نماز کا اہتمام نہیں کرتی اور زکوۃ کا نظام رائج نہیں کرتی تو وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہے۔اسی طرح جو اسلامی ریاست اللہ کا آخری پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا نہیں کرتی تو وہ اپنے فرض سے کوتاہی برتتی ہے۔کیونکہ یہ فرض صرف اسلامی ریاست پر ہی عائد نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچائے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ط مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

(سورہ آل عمران: آیت ۱۱۰)

''تم ایک بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو۔انہیں برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان لاتے ہو۔''

یہ آیت وضاحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ کی فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالی پر ایمان لاتی ہے اور ایمان کے تقاضے اس طرح پوری کرتی ہے کہ انسانیت کو اللہ کے آخری پیغام سے آگاہ کرتی ہے۔اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی کے مذکورہ احکام کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو حکم دیا کہ وہ اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچائے کیونکہ جب تک کسی کام کا آغاز فرد کی سطح سے نہیں ہوتا ہے اس وقت تک اس کام کی تکمیل کی امید نہیں کی جا سکتی۔چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً

''اگر تمہارے پاس میرا حکم موجود ہو تو وہ دوسروں کو پہنچا دو۔''

اس مقام تک ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کا پیغام پوری انسانیت تک پہنچانا امت مسلمہ، اسلامی ریاست اور اس کے ہر فرد کا فرض ہے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی یہی کام سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا نام ''تبلیغ'' ہے۔

4.1- تبلیغ کے بنیادی اصول

مبلغ چونکہ بہت ہی اہم کام میں مشغول ہوتا ہے اور وہ انسانیت کو مخاطب کرتا ہے اور اللہ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچاتا ہے اس لئے اسے ایسے اصول اپنانے چاہئیں جو اس کے مقصد کے لئے مفید اور مد

گار ہوں۔انسانی نفسیات انسان کی ذہنی وشعوری سطح اور حالات وزمانہ کے رسم ورواج اور مخاطبین کے طورطریقوں کو پیش نظر رکھے۔ یہ سب چیزیں حکمت عملی میں آتی ہیں۔مبلغ کے لئے مندرجہ ذیل اصولوں کو اپنانا ضروری ہے۔

۱) حکمت کا اصول اپنائیے

کسی بھی کام کوسرانجام دینے کا عمدہ طریقہ ہی اس کام کی حکمت عملی کہلاتا ہے۔اس لئے تبلیغ کرتے وقت ایسا کوئی اوچھا یا بھونڈا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے تبلیغی مقصد کو نقصان پہنچے۔

أُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (سورہ النحل: ۱۲۵)

''اللہ تعالی کے راستے کی طرف دانائی اوراچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔''

۲) نرمی اپنائی جائے

مبلّغ کو اس اصول پر خاص توجہ دینی چاہیئے۔کیونکہ نرم گفتاری سے سخت سے سخت دل جیتا جا سکتا ہے۔اور اگر سختی کا طریق کار اپنایا گیا تو لوگ قریب نہیں آئیں گے۔اور تبلیغ کا کام مشکل ہو جائے گا۔مبلّغ کو اپنے مقام پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے فرائض میں یہ شامل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے سروں پر تلوار لٹکائے۔بلکہ اس کے فرائض میں اللہ کے پیغام کی تبلیغ ہے اس لئے وہ نرمی کا طریقہ اپنائے۔کیونکہ قرآن حکیم نے خود مبلّغ اول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اگر آپ نے سختی کی تو یہ سب لوگ بھاگ جائیں گے۔اس طرح نرمی اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔

۳) سہولت کا طریقہ

مبلّغ کے فرائض میں اس بات کو بہت اہمیت حاصل ہے کہ وہ دین کے ایسے پہلوؤں کو اجاگر کرے جن سے ''الدین یسر'' دین آسان ہے کا اصول اجاگر ہو۔اس لئے وہ تبلیغ کا آغاز عقیدے سے کرے اور آہستہ

آہستہ عمل کی طرف لے جائے۔

۴) گفتگو واضح اور مدلل ہو

پیغام دیتے وقت اسی زبان میں بات کی جائے جو مخاطب جانتے ہیں اور اس زبان کے بھی عمدہ الفاظ اور بہترین جملے بولے جائیں جو مخاطب کی سمجھ میں آجائیں اور دل میں گھر کرتے جائیں۔اسی طرح مبلغ جو بات بھی کہے وہ دلائل پر مبنی ہونی چاہیے۔بغیر دلیل والی بات کوئی مقام اور اثر نہیں رکھتی بلکہ اس سے تبلیغ کے۔مقصد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۵) دوسرے مذاہب کے عقائد برا نہ کہا جائے

تبلیغ کا طریق کار منفی نہیں بلکہ مثبت ہونا چاہیے اور مبلغ ایسا انداز اپنائے کہ جس سے اس کے پیغام کی سچائی اور افادیت معلوم ہو اور تبلیغ اس طرح سے کرے کہ کسی مذہب یا عقیدے والے کے جذبات مجروح نہ ہوں، کسی کے مذہبی تقدس کی برائی بیان نہ کرے۔کیونکہ اگر مبلغ نے منفی انداز تبلیغ اختیار کیا تو اس سے دوسرے لوگ بے سمجھی میں اس کے سچے پیغام کی برائی کرنے لگیں گے۔

۶) قول وعمل میں مطابقت

یہ بنیادی اصول ہے کہ مبلغ کے قول وعمل میں فرق نہیں ہونا چاہیے اس کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ زبان سے کہے وہی کچھ اس کے عمل سے بھی معلوم ہو۔اس طرح ایسا کوئی پیغام پیش نہ کرے جو عمل کی کسوٹی پر پورا نہ اتر سکے۔کیونکہ قول وعمل کا تضاد خدا کو ناپسند ہے۔

۷) تبلیغ کا آغاز اپنے خاندان سے کرے

مبلّغ کی تبلیغ اس وقت زیادہ مؤثر ہوگی اگر وہ اپنے کام کا آغاز اپنے گھر سے کرے گا۔کیونکہ اپنے گھر والوں کا زیادہ حق ہے۔دوسرے انہیں آگ سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔تیسرے انہیں عمل کی قوت

سے براہ راست متاثر کیا جا سکتا ہے۔ گھر والوں کے بعد قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کی جائے کیونکہ نیکی میں اپنے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورہ الشعر:۲۱۴)

"اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔"

4.2- تبلیغ کے ذرائع

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ تبلیغ امت مسلمہ اسلامی ریاست بلکہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے۔ اس لئے اس فرض کو پورا کرنے کے لئے پورے انسانی ذرائع بروئے کار لائے جائیں۔ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ اس کام کے لئے مادی، اخلاقی، بشری اور معاشرتی وسائل مہیا کرے جبکہ حکمران کے ذمے ہے کہ وہ ایسا نظام قائم کرے جس سے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچتا رہے اور اگر کوئی قوت اسلام کا پیغام پہنچانے میں رکاوٹ پیدا کرے تو اسلامی ریاست اس قوت کی مزاحمت کو ختم کر کے تبلیغ کا کام جاری کرے گی۔ اسی طرح اسلامی ریاست اپنے دائرہ کار میں یہ اصول اپنائے گی کہ زندگی کے ہر پہلو پر شہریوں کو اسلام کے احکام پہنچائے۔ اس کام کیلئے اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ثقافتی اور سماجی اداروں، مساجد، مدارس، کالج، جامعات اور تحقیق کے اداروں سے بجا طور پر مدد لی جائے گی۔ ابلاغ عامہ کی جدید ترین تکنیک اور اسلوب اپنا کر تبلیغ کی جائے گی۔

اس طرح ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتیں تعلیمی مقاصد کے لئے صرف کرے۔ اس سلسلے میں تقریری، تحریری، عملی، فنی اور معاشرتی تمام ذرائع اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے بروئے کار لائے جائیں۔ کسی بھی فرد کو اپنی صلاحیت کے مطابق اس کام سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

4.3- تبلیغ کی عمومیت

دنیا میں پائے جانے والے دیگر مذاہب وعقائد کے برعکس اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے اصول عالمگیر ہیں جو ہر زمانہ اور حالات میں قابل عمل ہیں۔اس لئے تبلیغ دین کا سلسلہ جاری ہے۔اس کی دعوت عالمگیر ہے۔اس کا مبلّغ دنیا کے ہر فرد کو تبلیغ کرے گا اور انسانیت کے لئے ہر رکن کو دعوت دے گا کہ وہ اسلام کی دعوت پر توجہ دے،اسے پرکھے اور سچا پائے تو اپنائے۔اس طرح اسلام کے احکام زندگی کے ہر شعبہ اور طبقے کے لئے موجود ہیں۔اس لئے تبلیغ کا کام ہر شعبہ اور طبقہ میں سرانجام دینا ہوگا۔البتہ جن طبقوں میں برائیوں کا تناسب زیادہ ہو ان میں تبلیغ کے کام پر خاص توجہ دی جائے تاکہ معاشرے میں عقیدہ وعمل کی ہم آہنگی اور مساوات پیدا کی جاسکے۔

4.4- خود آزمائی ۳

ا: کیا تبلیغ انفرادی ذمہ داری ہے یا حکومت کا بھی فرض ہے؟

۲: تبلیغ کے پانچ بنیادی اصول لکھئے۔

ا) ....

۲) ....

۳) ....

۴) ....

۵) ....

۳: آپ اپنے شہر گاؤں یا محلّہ میں تبلیغ کے لئے کیا کیا ذرائع استعمال کرسکتے ہیں۔

ا: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۴) ذرا سوچ کر بتائیں کہ اسلام اگر تبلیغی دین نہ ہوتا بلکہ ایک قوم کا دین ہوتا جیسے کہ یہودیت نسلی دین ہے تو اسلام کا دائرہ کہاں تک محدود ہوتا؟

۵) تبلیغ کی زیادہ ضرورت کہاں ہوتی ہے؟

۵...... جہاد

جب اسلامی ریاست قائم ہو جائے اور وہ اپنا فریضہ تبلیغ دین پوری تن دہی اور ذمہ داری سے ادا کرے تو دنیا امن و سکون، نظم و نسق اور عدل و انصاف کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ انسان کے جملہ حقوق محفوظ ہوتے ہیں۔ شرف انسانیت اور عزت نفس کو نقصان نہیں پہنچتا ہے اسی طرح دینی اور ریاستی اداروں کو ایسا ماحول اور حالات میسر آتے ہیں کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اگر یہ حالات بدستور قائم رہیں تو پوری انسانیت سکھ کی زندگی گزارتی اور چین کی نیند سوتی ہے۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ خیر و شر کی قوتیں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ جب انسان کو امن و سکون میسر ہو تو اسی میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ظلم، ناانصافی، لوٹ مار، غارت گری اور ڈاکہ و چوری کا بازار گرم کر دیتا ہے۔ دوسرا گروہ انسانی شرف کو مجروح کرتا اور سماجی اور اخلاقی برائیوں کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ایکا ورطبقہ قتل و غارت گری، لڑائی دنگا اور فتنہ و فساد برپا کر دیتا ہے اس سے مخلوق خدا کو سخت تکلیف پہنچتی اور دنیا میں امن و سکون کی بجائے کشمکش اور لڑائی جھگڑے کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔

بسا اوقات ایک ایسی قوت کی ضرورت درپیش ہوتی ہے جو اس فتنہ کو فرو کر دے جنگ کی آگ بجھا دے اور برائی کے امڈتے ہوئے طوفان کو ختم کر دے۔ اس وقت ہمیں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

یہ مقابلہ عام طور پر جنگ کی شکل میں ہی ہوتا ہے تاکہ برائی کی قوت کو ختم کیا جائے اور نیکی کی قوت غالب آ کر دنیا میں پھر سے امن و سکون اور صلح و آشتی کا دور دورہ کر دے۔ جنگ ایک ایسی قدرتی ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے ذریعے سے نیکی کو فروغ دیتا ہے اور

برائی کو ختم کرتا ہے۔اسلام میں جہاد کا یہی فلسفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے ذریعے سے دنیا سے برائی ختم کر کے دنیا میں امن وسکون برپا کرتا ہے اس وجہ سے اسلام میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔

''جہاد'' عربی لفظ ہے۔ جوج ہ د(جہد) سے لیا گیا ہے جس کا لفظی معنی کوشش کرنا اور محنت کرنا ہوتا ہیں۔ پھر جہاد کسی معین مقصد کے حصول کے لئے کوشش کو کہتے ہیں جبکہ اصطلاح میں جہاد کا مفہوم کافی وسیع ہے جو یہ ہے۔

> ''وہ بھر پور محنت اور وہ مکمل کوشش جو اللہ کے لئے، اللہ کی راہ میں ہو، تاکہ اس کے ذریعے سے ملت اسلامیہ نظام اسلام اور اسلامی ریاست کو استحکام حاصل ہو۔ یہ کوشش جان سے مال سے یا کسی بھی اور ذریعے سے کی جاتی ہے۔''

مذکورہ تعریف کی روشنی میں انسان اپنی مقدور بھر کوشش کرے کہ نظام اسلام کو استحکام حاصل ہو کیونکہ اس قوت کی وجہ سے دنیا میں امن وسلامتی قائم ہوتی ہے اور فتنہ وفساد ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور جہاد نیز مجاہد اور شہید کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔

5.1- فرضیت جہاد

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض فرمایا ہے۔عام حالت میں یہ فرض کفایہ ہوتا ہے اور کسی ایک کے ادا کرنے سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن جنگ کے زمانہ میں ''جہاد'' فرض عین ہوتا ہے اور جس طرح ہر مسلمان پر نماز فرض ہے اس طرح جہاد فرض ہو جاتا ہے۔قرآن حکیم میں جہاد کی فرضیت کے بہت سے احکام موجود ہیں۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (سورہ انفال: ۶۵)

''اے نبی! مسلمانوں کو جنگ پر ابھاریئے۔''

5.2- جہاد کی فضیلت

اسلامی ریاست میں جہاد کا مقصد اللہ کے قوانین کی بالا دستی ہوتا ہے۔ یہ اتنا بڑا مقصد ہے کہ دنیا میں اس سے بڑا کوئی اور مقصد نہیں کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ اسے مال ودولت یا ملک و مرتبہ کی کوئی خواہش نہ ہو اور اس عمل میں وہ جان، مال سب کچھ قربان کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمان کا عمل جہاد بہت پسند ہے اور اس کام کی قرآن وسنت میں بے پناہ فضیلت ہوئی ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰہِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾

(سورہ التوبہ آیت ۲۰)

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے ان کا درجہ اللہ کے ہاں بہت اونچا ہے اور حقیقت میں وہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اس کے علاوہ بے شمار آیات و احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کی بہت زیادہ فضیلت ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں جہاد کو فرض قرار دیا گیا ہے اور اللہ پر ایمان لانے کے بعد جہاد کو افضل کام قرار دیا گیا ہے۔

5.3- اسلامی طریق جہاد

اسلام ایک ایسا نظام جہاد رائج کرتا ہے جس کی روح یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے باشندے عام حالت میں حملہ نہ کریں بلکہ مدمقابل کو بات چیت کے ذریعے سے قائل کیا جائے۔ چنانچہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ جب اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو وہاں کے غیر مسلم باشندوں اور گردو پیش کے ممالک کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔ اگر وہ دعوت قبول کر کے اسلام قبول کر لیں تو وہ امت مسلمہ کے رکن بن گئے اور ان کے ساتھ کوئی جھگڑا

باقی نہیں رہا۔اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں تو پھران سے کہا جائے گا کہ وہ اسلامی حکومت کی برتری اور نظام حکومت تسلیم کرلیں اور اس کا عملی مظاہرہ جزیہ ادا کرکے کریں ۔اگر وہ یہ شرط تسلیم کرلیتے ہیں تو وہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ہیں ۔اسلامی ریاست انہیں ہرطرح کا تحفظ مہیا کرے گی لیکن اگر وہ اسلامی ریاست کی برتری تسلیم نہیں کرتے بلکہ جنگ پر تل جاتے ہیں یا ایسے ذرائع اور طریقے اختیار کرتے ہیں کہ امن وامان بحال نہیں رہ سکتا ہے تو ایسی حالت میں اسلامی ریاست جہاد کے لئے غور کرے گی اور بات چیت کی ناکامی کے بعد عملی اقدام کرے گی اور دشمن کے حملہ کی صورت میں اس سے ڈٹ کر مقابلہ کرے گی تاکہ اسلام کا اقتدار قائم ہوجائے ۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ (سورہ البقرہ:۹۰)

''جولوگ تم سے لڑتے ہیں ان سے خدا کی راہ میں جنگ کرومگر لڑنے میں حد سے آگے نہ بڑھو۔''

دفاعی جہاد کا حکم اس آیت سے ثابت ہے ۔جب دشمن حملہ آور چڑھ دوڑیں تو اسلامی لشکر اس کا مقابلہ کرے اور فتنہ ہونے پر جنگ بند کردی جائے ۔مجاہد کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اعتدال کی رسی ہاتھ سے چھوڑے ۔

5.4- خلاصہ

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے اسلامی ریاست میں جہاد کی اہمیت ،اس کی تعریف ،جہاد کی فرضیت اور فضیلت بیان کی نیز ہم نے یہ بتایا کہ اسلامی ریاست میں جہاد دفاعی نوعیت کا ہوتا ہے ۔اب آخر میں ہم یہ بتانا چاہتے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔

5.5- اشاعت اسلام اور تلوار

بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور مسلمانوں کو جب قوت حاصل ہوگئی تو انہوں نے غیر مسلموں کو مجبور کیا کہ وہ اسلام قبول کریں ۔حالانکہ تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ اسلام قبول کرنے

کے لئے کسی پر سختی کی گئی ہو۔ کیونکہ "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن " (سورہ البقرہ آیت ۲۵۶) کا حکم موجود ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

دوسرے اسلام کا یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ اپنی دعوت پیش کرتا ہے جو دعوت قبول نہ کرے مگر جزیہ دے کر اسلامی ریاست کی برتری قبول کرلے وہ اسلامی ریاست کا شہری ہے جس کا تحفظ اس کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے کسی غیر مسلم کو اسلامی ریاست میں قتل کی دھمکی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اسلام زبر دستی قبول کرے۔ پوری تاریخ میں ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو یہ بتایا جائے کہ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے والوں پر کس نے تلوار چلائی تھی کہ وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ اسلام کے سنہری اصول انسانی مساوات اور عدل اجتماعی کا نظام ہی تھا جس نے انسانوں کے دلوں پر اثر کیا اور وہ جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور پھر اسلام کے سچے خادم اور مجاہد بن کر بلند درجات پر فائز ہوئے۔

5.6- خود آزمائی...... ۴

۱: جہاد کا لغوی معنی کیا ہے؟

۲: جہاد اور قتال میں کیا فرق ہے؟

۳: جہاد کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟

۴: اسلامی طریق جہاد کا خلاصہ چار سطروں میں قلمبند کریں۔

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۵: اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔اپنے اس دعوے کے لئے کم از کم دو دلائل دیجئے:

۱: ....

۲: ....

٦: تبلیغ اور جہاد کا باہمی تعلق کیا ہے؟۔

یونٹ 14

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: ڈاکٹر طفیل ہاشمی

نظرِثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد

۱) آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات سے روشناس ہو جائیں گے۔

۲) اسلام کی تبلیغ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تکلیفیں برداشت کیں اور جو طریقے اختیار کیے ان سے واقف ہوں گے اور آپ خود بھی تبلیغی کوششوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو پیش نظر رکھیں گے

۳) آپ یہ جان لیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے ہیں وہ اخوت اور مساوات کا دین ہے اس میں نسلی، لسانی اور جغرافیائی اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۴) آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ انسانی تاریخ میں سب سے پہلا تحریری دستور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔

۵) اس یونٹ میں سیرت طیبہ کا مختصر خاکہ دیکھنے کے بعد آپ میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تفصیلی مطالعہ کریں اور اس طرح آپ سیرت پر لکھی گئی کتابوں سے متعارف ہوں گے۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	یونٹ کا تعارف	532
1-	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	533
	1.1 شجرۂ نسب	533
	1.2 ولادت	535
	1.3 پرورش	535
	1.4 حرب فجار میں شرکت	536
	1.5 حلف الفضول میں شرکت	536
	1.6 تجارت	537
	1.7 حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	537
	1.8 تعمیر کعبہ	538
	1.9 خلوت نشینی	539
2-	بعثت و نبوت	540
	2.1 دعوت اسلام کا آغاز	541
	2.2 اعلانیہ تبلیغ	542

543	2.3 مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز	
545	2.4 مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم وستم	
545	2.5 حبشہ کی ہجرت	
546	2.6 حبشہ کی دوسری ہجرت	
546	2.7 شعب ابی طالب میں نظر بندی	
547	2.8 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں بے باکی	
547	2.9 طائف کا سفر	
548	2.10 قبیلوں کا دورہ	
548	2.11 مدینہ میں اسلام	
549	2.12 عقبہ کی بیعت	
551	ہجرتِ مدینہ	-3
552	3.1 تعاقب اور مشرکین کی ناکامی	
552	3.2 مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار	
553	3.3 قبا میں قیام اور مسجد کی تعمیر	
553	3.4 مدینہ میں داخلہ......ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام	
553	3.5 مسجد نبویؐ کی تعمیر	
553	3.6 ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر	
554	3.7 اذان کی ابتدا	
554	3.8 مواخات مدینہ	

	3.9 میثاق مدینہ	555
	3.10 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا آغاز	556
	3.11 اہم نکات	557
-4	غزوات	558
	4.1 غزوہ بدر	558
	4.2 غزوہ احد	560
	4.3 غزوہ احزاب	561
	4.4 بنو قریظہ کا خاتمہ	563
	4.5 صلح حدیبیہ	564
	4.6 فتح خیبر	567
	4.7 جنگ موتہ	567
	4.8 فتح مکہ	568
	4.9 غزوہ حنین	569
	4.10 غزوہ تبوک	570
	4.11 حجۃ الوداع	570
	4.12 وفات	572
-5	خود آزمائی	573

یونٹ کا تعارف

انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیئے اللہ تعالیٰ ہر دَور میں نبی اور رسول بھیجتا رہا جن میں سے چند ایک انبیاء کا ذکر قرآنِ حکیم میں اور دیگر آسمانی کتابوں میں ہے۔لیکن بہت تھوڑے انبیاء ایسے ہیں جن کی تاریخ معلوم ہے یا محفوظ رہ سکی ہے۔قرآنِ حکیم یہ بتاتا ہے کہ ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء معبوث کیے ہیں۔

ان تمام انبیاء کا دائرہ کار اپنے اپنے علاقے ،قوم اور وقت تک محدود تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کو ہدایت کا پیغام دیتے تھے۔ان انبیاء کی بدولت ہدایت کی روشنی جگہ جگہ موجود تھی۔لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً پونے چھ سو سال گذر چکے تھے۔ان کی تعلیمات کو لوگوں نے بگاڑ دیا تھا۔عقائد میں گڑ بڑ کر دی تھی۔حتیٰ کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بے سروپا عقیدے گھڑ لیے گئے تھے۔

سرزمین عرب جس پر اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر موجود تھا۔جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا۔ بت پرستی کا مرکز بن گیا تھا۔لوگ مختلف قسم کے عقیدے رکھتے تھے۔کچھ لوگ بتوں کو ہی اپنا خالق و مالک سمجھتے تھے۔کچھ ایسے تھے جو اللہ پر اعتقاد تو رکھتے تھے لیکن بتوں کو اس تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیتے۔بعض سورج ، چاند، ستاروں وغیرہ کی پوجا کرتے۔ اوہام پرستی عام تھی۔لوگ کاہنوں سے غیب کی باتیں معلوم کرتے اور جنات سے پناہ حاصل کرتے۔قیامت اور جزاوسزا کے منکر تھے۔

عقائد کے ساتھ عملی خرابیاں بھی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں۔لوٹ مار،لڑائی جھگڑے،قتل و غارت،شراب نوشی ، بدکاری جوا بازی ،حرام خوری ، بچیوں کو زندہ دفن کر دینا۔ الغرض کوئی خرابی ایسی نہیں تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو نبوت سے سرفراز فرما کر انسانوں کی ہدایت اور عالم انسانیت کی رہنمائی کے لیے بھیجا جس نے تیئس سال کی مختصر مدت میں اتنے بڑے انقلاب کی بنیاد رکھ دی کہ اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے بھی اس کی تعلیمات سے فیض اٹھاتے ہیں وہ شخصیت کون تھی۔اس یونٹ میں آپ کو اسی سوال کا جواب ملے گا۔

ا...... حضرت محمد ﷺ

ولادت سے بعثت تک

1.1- شجرۂ نسب

ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حجاز میں ایک مقام پر اللہ کی عبادت کے لیے ایک گھر بنایا اور اس کا نام بیت اللہ (اللہ کا گھر) رکھا حجاز کا علاقہ ان دنوں آباد نہیں تھا۔ البتہ یمن سے شام اور شام سے یمن کو جو تجارتی قافلے آتے جاتے تھے۔ وہ یہیں سے گزرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی خدمت کے لئے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو یہیں آباد کیا اور اس مقام کا نام مکہ رکھا گیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گھرانا اس شہر میں آباد رہا اور توحید کی دعوت و تبلیغ کا کام کرتا رہا۔ سینکڑوں برس گزرنے کے بعد یہ لوگ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی بتوں کو پوجنے لگے۔ ۳۹۸ء کے قریب اس خاندان میں جو قریش کہلاتا تھا۔ ایک شخص قصّی پیدا ہوا جس نے دارالندوہ کے نام سے ایک مجلس شوریٰ بنائی اور دور دراز سے آنے والے حاجیوں کو ٹھہرانے، کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی وجہ سے بہت عزت حاصل کی۔ اس کی پانچویں پشت میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

آپ نیچے دیئے ہوئے نقشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب جان سکتے ہیں۔

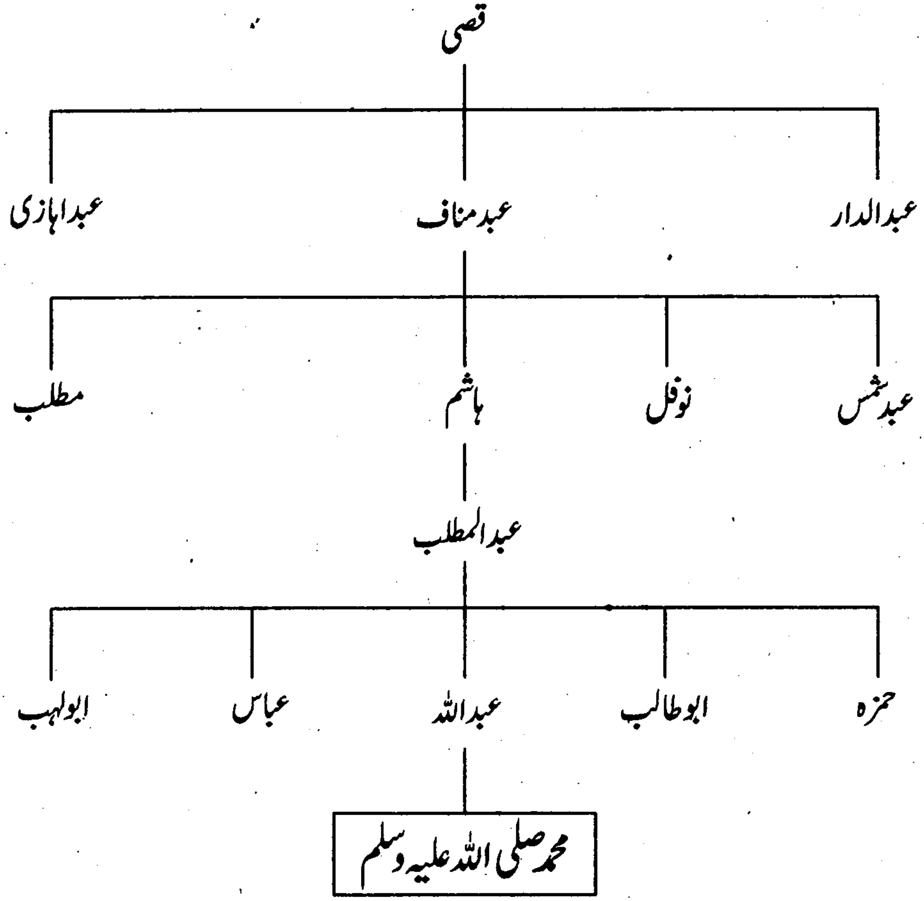

قصی کے بعد ان کے پوتے ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے ۔ حاجیوں کو دل کھول کر کھلاتے تھے۔اور پینے کے لیے چمڑے کے حوضوں میں پانی بھرواتے تھے ۔قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔انہوں نے کوشش کر کے حبش کے بادشاہ اور مصر وشام کے بادشاہ قیصر سے قریش کے تجارتی قافلوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا پھر عرب کے مختلف قبیلوں میں دورہ کر کے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے نہیں لوٹیں گے۔

ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب نے کعبہ کا انتظام سنبھالا۔ کعبے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا ایک کنواں تھا جس کا نام زمزم تھا۔ یہ کنواں پٹ گیا تھا۔عبدالمطلب نے اسے صاف کر کے پھر سے درست کرایا۔

عبد المطلب کے دس بیٹے جوان ہوئے ان میں عبد اللہ سب سے چھوٹے تھے۔ باپ کو بہت پیارے تھے۔ باپ نے ان کی شادی قریش کے قبیلہ بنو زہرہ کے سردار کی بیٹی آمنہ سے کر دی۔ شادی کے چند ماہ بعد عبداللہ ایک تجارتی سفر سے واپس آرہے تھے کہ مدنیہ منورہ میں انتقال ہو گیا۔ عبد اللہ کی وفات کے چند مہینے بعد آمنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام دادا نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا محمد کا مطلب ہے ''تعریف کیا گیا'' دادا کی نیت بھی یہی تھی کہ ان کے پوتے کی تعریف ساری دنیا میں ہو یہی وہ بچہ ہے جو ہمارے رسول ہیں۔

1.2- ولادت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اپریل ۵۷۱ء میں ۹ یا ۱۲ ربیع الاول عام الفیل کو پیر کے دن ہوئی سب سے پہلے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ نے دودھ پلایا۔ دو تین دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو لہب کی ایک باندی ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

1.3- پرورش

اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ عرب کے شریف گھرانوں کے بچے دیہات میں پرورش پاتے تھے۔ دیہات سے عورتیں آتیں اور بچوں کو پالنے اور دودھ پلانے کے لیے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ انہی عورتوں میں ایک خاتون کا نام حلیمہ تھا۔ قبیلہ ہوازن کی شاخ بنو سعد سے تعلق رکھتی تھیں مکہ آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئیں۔ چھ برس تک آپ حلیمہ کے پاس رہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے آپ کو پاس رکھ لیا اور کچھ دنوں بعد ساتھ لے کر مدینہ منورہ جسے اس وقت یثرب کہتے تھے۔ تشریف لے گئیں ایک مہینہ وہاں ٹھہریں واپسی پر بیمار ہو گئیں اور ابوا کے مقام پر پہنچ کر وفات پا گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ بی بی آمنہ کے ساتھ ان کی ایک وفادار باندی امّ ایمن تھیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس مکہ لے آئیں۔

آپ کے والد ماجد تو پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اب والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ عبد المطلب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع سے ہی بہت محبت تھی۔ انہوں نے اپنے بن ماں باپ کے یتیم پوتے کو سینے سے لگایا نہایت شفقت سے پرورش کرنے لگے۔ وہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ رکھتے۔ لیکن ان کی عمر بیاسی برس ہو چکی تھی۔ انہیں رہ رہ کر یہ خیال ستاتا کہ میرے بعد میرے یتیم پوتے کا کیا ہوگا۔ آخر انتقال سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حقیقی چچا ابو طالب کے سپرد کیا اور خود رحلت فرما گئے۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی۔

چچا نے یتیم بھتیجے کی پرورش باپ کی طرح کی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس تھی کہ ابو طالب نے تجارت کے لیے شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ چلنے کی خواہش کی۔ سفر کی مشکلات کی وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے لیکن جب چلنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔

1.4- حرب فجار میں شرکت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پندرہ برس تھی کہ قریش اور بنو قیس میں ایک جنگ ہوئی اس جنگ کا نام حرب فجار ہے۔ اس لڑائی میں قریش سچائی پر تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جنگ میں شرکت کی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحم دل تھے۔ لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں فرماتے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشت و خون میں حصہ نہیں لیا۔ صرف دشمنوں کے پھینکے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

1.5- حلف الفضول میں شرکت

ان لڑائیوں میں آئے دن سینکڑوں گھرانے تباہ ہو رہے تھے۔ اس لئے قریش کے سب قبیلوں نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ ملک میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور مکہ میں آئے مسافروں، غریبوں اور

مظلوموں کی مدد کریں گے۔ خواہ وہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدے میں شریک ہوئے۔ نبوت ملنے کے بعد بھی اس معاہدے کا خوشی سے ذکر فرماتے تھے۔ اس معاہدے کے پہلے بانیوں کے ناموں میں اتفاق سے فضل کا لفظ تھا۔ اس لئے ان کی نسبت سے ان کا نام حلف الفضول (فضل والوں کا قول وقرار) رکھا گیا۔

1.6- تجارت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے تو معاش کی فکر ہوئی آپ کا خاندانی شغل تجارت تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کا تجربہ بھی تھا۔ لیکن سرمائے کی کمی کی وجہ سے آپ مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت، امانت، سچائی تجربے اور معاملہ کی ہر طرف شہرت پھیل گئی تھی۔ اس لئے مال دار لوگ منافع کی شرکت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمایہ دیتے تھے۔ نہایت محنت اور دیانت سے ان کا کام کرتے تجارت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام، بصرہ اور یمن کے کئی سفر کئے۔

1.7- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی معزز، پاکیزہ اخلاق اور انتہائی دولت مند خاتون تھیں۔ پورے قبیلہ قریش کے پاس جتنی دولت تھی، اتنی اکیلی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی لیکن آپؓ بیوہ تھیں۔ اور آپؓ کا کوئی قریبی عزیز ایسا نہیں تھا جو دیانت داری سے آپؓ کا سامان تجارت لے جایا کرتا مختلف لوگوں کے ہاتھوں اپنا سامان تجارت بھیجتیں لیکن بہت کم منافع ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت کی شہرت سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا سامان تجارت فروخت کرنے شام لے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کر لیا اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ اس تجارت میں بہت نفع ہوا اور پھر غلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کی اپنی مالکہ سے بہت تعریف کی چنانچہ انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواست کی حالانکہ اس سے پہلے بڑے

بڑے سرداروں کے پیغام نکاح رد کر چکی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور کر لی اور حضرت ابوطالب نے بنو ہاشم کے اجتماع میں پانچ سو درہم کے مہر پر نکاح پڑھایا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ پانچویں پشت پر آپ دونوں کا نسب نامہ مل جاتا ہے۔

1.8- تعمیر کعبہ

خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی۔ جب کبھی بارش ہوتی تو خانہ کعبہ میں پانی بھر آتا جس سے عمارت کو بہت نقصان پہنچ گیا تھا۔ قریش کے سب خاندانوں نے مل کر اس کی از سر نو تعمیر شروع کی خانہ کعبہ کی عمارت میں ایک متبرک پتھر ہے۔ جسے حجر اسود (کالا پتھر) کہتے ہیں جب حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کا موقع آیا تو ہر خاندان کی خواہش تھی کہ یہ سعادت ہمارے حصے میں آئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھینچ گئیں۔ جب جھگڑا کسی طرح طے نہ ہوا تو قریش کے ایک بوڑھے آدمی نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے وہ جو فیصلہ کرے اسے سب تسلیم کرلیں اس پر اتفاق ہو گیا دوسرے دن جب مختلف خاندانوں کے معززین خانہ کعبہ میں پہنچے تو دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے وہاں موجود ہیں۔ سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اعتماد ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو حجر اسود کو نصب کرنے کی سعادت خود ہی حاصل کر لیتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے پناہ حکمت عملی و تدبر سے سب قبائل کو اس سعادت میں اس طرح شریک کیا کہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منگوائی۔ اس پر حجر ا اسود رکھا اور سرداران قبائل سے کہا کہ چادر کے کونے پکڑ کر پتھر کو اس کی جگہ پر لے آئیں۔ جب پتھر اس موقع کے برابر آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔

1.9- خلوت نشینی

بعثت سے سات برس قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نور سا نظر آنے لگا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں تبدیلیاں آنے لگ گئیں۔ عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دنیا سے ہٹتا جاتا تھا اور مزاج میں تنہائی پسندی اور خلوت نشینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کا سامان لے کر مکہ معظّمہ سے باہر غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ اور دنیا کی نگاہوں سے الگ رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں نہیں آیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کو کھانے پینے کا سامان وہیں پہنچا دیتی تھیں۔

۲...... بعثت ونبوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال ہوئی تو ایک دن حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں مصروف عبادت تھے کہ غیب سے ایک فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آیا۔ یہ فرشتہ جبرائیل تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ پڑھیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیات پڑھا گئے۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۝ ﴾

اس واقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھبراہٹ طاری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھ پر کمبل ڈال دو۔ جب طبیعت سکون پذیر ہوئی تو ان سے واقعہ بیان کیا اور اپنے خوف کا اظہار کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور پھر اپنے ایک عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو توارت وانجیل کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے سب واقعہ سن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ یعنی آپ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ پھر کہا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی اور اس وقت میں آپ کی مدد کرتا۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اصل حقیقت واضح ہوگئی اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

مشغلہ:

۱: اوپر دی ہوئی آیات کو قرآن حکیم میں تلاش کر کے سورۃ کا نام اور نمبر نیچے لکھیں۔

....

....

۲: ان آیات کا ترجمہ لکھیں اور پھر اسے یونٹ میں نمبر 12 میں دیئے ہوئے ترجمہ سے ملائیں۔

....

....

....

....

2.1- دعوت اسلام کا آغاز

حقیقت حال واضح ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔لیکن پہلے ان لوگوں تک اپنی بات پہنچائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے پوری طرح واقف تھے۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے ہی مسلمان ہو گئے۔ مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، خواتین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور

غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ دعوت کا کام شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چپکے چپکے اپنے دوسرے دستوں اور عزیزوں تک پیغام پہنچایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے غلاموں میں حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت خباب بن حارث اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم نے اسلام کی دعوت قبول کی اور قریش کے کئی نیک طبیعت نوجوان بھی شروع کے دنوں میں مسلمان ہو گئے مثلاً حضرت ارقم سعید بن زید، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم۔

تین سال تک تبلیغ کا سلسلہ پوشیدہ طور پر جاری رہا اس دوران میں خانہ کعبہ کے قریب حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر لوگ جمع ہو جاتے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین کی باتیں سکھاتے اور نماز کا وقت ہوتا تو پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے۔

2.2- اعلانیہ تبلیغ

تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اعلانیہ تبلیغ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اکثر لوگ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب بھی تھا سخت برہم ہوئے اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے چلے گئے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں تمام خاندان عبد المطلب کو مدعو کیا۔ کھانا کھلانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمانوں کے سامنے اسلام کا پیغام رکھا جو اس وقت تک توحید و رسالت اور قیامت کے بارے میں عقائد تک محدود تھا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز آئی فرمایا:

"گو مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں نوعمر ہو لیکن میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم کا) ساتھ دوں گا"

2.3- مشرکین کی جانب سے مخالفت کا آغاز

مسلمانوں کی تعداد چالیس تک ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حرم میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ دفعتہً ہنگامہ بپا ہوگیا۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند حضرت حارث بن ابی ہالہ کو خبر ہوئی تو دوڑتے ہوئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی کوشش کی۔ اس میں وہ شہید ہوگئے۔ حضرت حارث اسلام کے پہلے شہید ہیں۔

اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھیں۔ لیکن جوں جوں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی۔ ان کی مخالفت کے کئی اسباب تھے۔

- اسلام ان کے عقائد اور رسوم کو غلط بتاتا تھا۔
- ان کے جھوٹے خداؤں کو دوزخ کا ایندھن بتاتا تھا۔
- ان کی اخلاقی بے راہ روی کو بیان کرتا تھا
- قریش کو جو خانہ کعبہ کی وجہ سے سارے عرب پر اقتدار حاصل تھا اسلام کی وجہ سے وہ اقتدار خطرے میں تھا۔

قریش اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے تھے لیکن شروع میں انہوں نے کوشش کی کہ سختی کے بجائے نرمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے باز رکھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہی، دولت، اقتدار ہر چیز کا لالچ دیا کہ آپ اس کام سے باز آجائیں۔ جب اس میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو حضرت ابوطالب سے شکایت کی کہ آپ اپنے بھتیجے کو اسلام کی تبلیغ سے باز رکھیں جب اس میں بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی

تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح اذیتیں دینی شروع کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ نماز کی حالت میں پشت مبارک پر نجاست ڈال دیتے، بدزبانی کرتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر رسی کی طرح اس زور سے کھینچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دم گھٹنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ برداشت کیا لیکن اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کی۔

قریش کی مخالفت جاری تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کے اسلام لانے کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ یہ دونوں بہت بہادر اور جرأت مند تھے۔ ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ پہلے وہ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ اب علی الاعلان خانہ کعبہ میں جا کر نمازیں پڑھنے لگے۔

مشغلہ:

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے اسلام لانے کے بڑے دلچسپ واقعات ہیں۔ آپ کو سیرت کی جو کتاب مل سکے اس سے یہ واقعات نکال کر پڑھیں اور پھر مختصر الفاظ میں لکھیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا:

____

____

____

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا:

____

____

____

2.4- مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم وستم

جب اسلام غرباء اور کم حیثیت لوگوں سے بڑھ کر بڑے بڑے لوگوں میں پھیلنے لگا۔تو قریش نے ان لوگوں کو ہر طرح ستانا شروع کر دیا۔ٹھیک دوپہر کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ دیتے جب تک کہ زخموں سے رسنے والی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی۔مردوں میں حضرت بلال، خباب، عمّار بن یاسر اور صہیب رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں حضرت سمیہ، زنیزہ، لبینہ نہدیہ اور ام عمیس رضی اللہ عنہن ان ستم رسیدہ افراد میں شامل تھے۔

یہ تو غریب مسلمانوں کا حال تھا۔جو غربت اور دولت والے تھے وہ اپنے بزرگ رشتہ داروں کے ظلم وستم کا شکار تھے۔حضرت عثمان، سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ، حضرت زبیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اپنے رشتہ داروں کے ظلم سہتے رہے۔اس بے کسی کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کافروں کی شکایت کرتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! دعا کیجئے کہ مسلمانوں کو امن ملے۔

2.5- حبشہ کی ہجرت

جب مشرکین کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا

حکم دیا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا اور اس کے عدل و انصاف کی شہرت تھی۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں سال گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہوگیا۔ قریش نے بعد میں دو آدمیوں کو تحفے تحائف دے کر نجاشی کے دربار میں بھیجا تاکہ نجاشی کے تعاون سے ان مسلمانوں کو واپس لاسکیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اسلام کے بارے میں جو تقریر کی وہ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کئے جاسکتے۔

2.6- حبشہ کی دوسری ہجرت

چند روز بعد حبشہ میں یہ خبر پہنچی کہ مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، چنانچہ کچھ مسلمان واپس مکہ لوٹ آئے۔ لیکن قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ واپس آنے والوں میں سے کچھ تو لوٹ گئے اور کچھ مکہ میں آگئے۔ قریش کو اپنے سفیروں کی ناکامی اور نجاشی کے اسلام سے متاثر ہونے کا بہت قلق تھا۔ انہوں نے ظلم وستم میں اور اضافہ کر دیا۔ چنانچہ دوسری بار ایک سو ایک مسلمانوں نے جن میں 83 مرد اور 18 عورتیں تھی ترک وطن کر کے حبشہ میں پناہ لی۔

2.7- شعب ابی طالب میں نظر بندی

نبوت کے ساتویں سال قریش کے سب خاندانوں نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنو ہاشم سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ نہ ان سے کوئی شادی بیاہ کرے گا۔ نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ ان کو کھانے پینے کا سامان دے گا یا یہ کہ وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دیں۔

یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ ابو طالب خاندان کے سب لوگوں کو لے کر ایک درے میں چلے گئے جو شعب ابی طالب کہلاتا ہے۔ یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آ کر پناہ لی اور بہت تکلیف کے ساتھ یہاں رہنے لگے۔ درختوں کے پتے اور جڑیں کھا کا بسر کرتے۔ سوکھا چمڑہ ملتا تو اسے بھون کر کھاتے۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ بعض رحم دل چوری چھپے کوئی کھانے کی چیز پہنچا بھی دیتے تھے جن پر ان لوگوں کی زندگیوں کا انحصار تھا۔ تین سال کے بعد بنو ہاشم کے بعض قریبی عزیزوں کی غیرت جوش میں آئی اور انہوں نے ان لوگوں کو مصیبت سے نکالنے کی مہم چلائی ابو جہل کی مخالفت کے باوجود چند سرداروں نے یہ معاہدہ پھاڑ ڈالا اور بنو ہاشم کو جا کر وہاں سے نکال لائے۔ جب درے سے نکل کر بنو ہاشم گھروں میں واپس آئے تو چند دنوں بعد حضرت ابو طالب اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ یہی دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونس و غمگسار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔

2.8- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں بیباکی

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجاہت کی وجہ سے قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ ایذا دینے میں جھجکتے تھے۔ لیکن ان دونوں کی وفات کے بعد قریش کو کسی کا پاس و لحاظ نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت بے رحمی اور سفاکی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کر دیا۔

2.9- طائف کا سفر

مکہ والوں سے مایوس ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ مکہ سے چالیس میل کے فاصلے پر طائف کا سر سبز و شاداب شہر تھا۔ جس میں بڑے بڑے امراء اور روسا رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی گستاخی سے پیش آئے۔ بازار کے اوباش لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا گیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسا کر لہولہان کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پتھر برساتے اور گالیاں دیتے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باغ میں پناہ لی اور پھر وہاں سے مایوس ہو کر مکہ لوٹ آئے۔

2.10- قبیلوں میں دورہ

طائف کے ناکام سفر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مضبوط ارادے میں کوئی اثر نہیں کیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کیا کہ ایک ایک قبیلے میں گھوم پھر کر خدا کا پیغام سنائیں اس کے لئے مکہ میں حج کا قدرتی موقع موجود تھا۔ اس زمانے میں عرب کے گوشے گوشے سے لوگ آتے اور کئی کئی دن مکہ میں ٹھہرتے مکہ کے آس پاس میلے بھی لگتے تھے۔ یہاں بھی بہت لوگ جمع ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجمعوں میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جا جا کر وعظ کہنا اور قرآن کی آیتیں سنانا شروع کر دیں اس کا یہ اثر ہوا کہ پورے ملک میں اسلام کی آواز پھیل گئی۔

2.11- مدینہ میں اسلام

مدینہ منورہ کو اس وقت یثرب کہتے تھے۔ وہاں اوس وخزرج کے دو قبیلے آباد تھے اور ان کے قریب ہی یہود کے تین قبائل رہتے تھے۔ یہود سوداگر اور مالدار تھے وہ اوس وخزرج میں لڑائیاں کراتے رہتے تھے اور ان کو سود پر قرض دیتے۔ اس طرح یہ قبیلے مالی اور معاشرتی لحاظ سے تباہ حال تھے۔ یہود کے پاس آسمانی کتاب تھی اس لئے انہیں علم تھا کہ ایک آخری رسول آنے والا ہے جو قوت وشوکت کا مالک ہوگا اس لئے وہ اوس وخزرج سے کہتے تھے کہ جب وہ یہاں آئے گا تو ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں ختم کر دیں گے۔ اس وجہ سے اوس خزرج بھی

اس بات سے واقف تھے کہ کوئی نبی آنے والا ہے اور کامیاب وہی ہوں گے جو اس کے ساتھ ہوں گے۔

۱۰ نبوی میں قبیلہ خزرج کے چند آدمی مکہ آئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور ان کو پیغام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ دیکھو! کہیں یہود ہم سے بازی نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کی تعداد چھ تھی۔

دوسرے سال بارہ آدمی آئے اور اسلام قبول کیا۔ ساتھ ہی اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ ان کے ساتھ کوئی معلّم بھیجا جائے جو انہیں اسلام کے احکام سکھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ کردیا۔ مصعب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں گھر گھر جا کر اسلام کی تبلیغ کی۔ رفتہ رفتہ مدینہ میں اچھا خاصا اسلام پھیل گیا۔ ایک سال کے اندر اندر شہر کے اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ جو مصعب رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مسلمان ہو گئے ان کا اپنے قبیلے پر اتنا اثر تھا کہ تمام قبیلہ اوس انہیں دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

2.12- عقبہ کی بیعت

اگلے سال جب حج کا زمانہ آیا تو مدینہ سے بہتر (۷۲) آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے اور چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت ایک گھاٹی میں ہوئی۔ عربی زبان مین گھاٹی کو عقبہ کہتے ہیں اس لئے اس کا نام بیعت عقبہ پڑ گیا۔

مدینہ میں اب مسلمانوں کی خاصی جماعت تیار ہوگئی تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مرکز مدینہ منتقل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مدینہ کے مسلمان اس کے لئے پہلے سے تیار تھے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ وہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خونی رشتہ ہونے کی وجہ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ انہوں نے انصار مدینہ سے کہا

یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان رہتا ہے جو ان کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ اب تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم ان کا ساتھ دے سکو تو انہیں لے جاؤ ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ یہ جان لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بہت ہیں اور ان سے معاہدہ کرنے کا مطلب سرخ اور سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے۔ اس پر مدینہ کے ایک سردار براء بن محرور نے کہا کہ ہم تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دوسرے سردار بولے:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم یہود کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت سے ہمارے ان سے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو تو آپ ہم کو چھوڑ کر چلے جائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو، میں تمہارا ہوں۔''

اس کے بعد انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

۳......ہجرتِ مدینہ

مدینہ میں مسلمانوں کو امن کی جگہ مل چکی تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جائیں اور مسلمانوں نے آہستہ آہستہ ہجرت شروع کر دی۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور وہ لوگ جو ناداری کی وجہ سے مدینہ کے سفر کی قدرت نہیں رکھتے تھے مکہ میں رہ گئے۔

قریش کی اس عداوت کے باوجود جس کا ذکر آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری پر انہیں اتنا اعتماد تھا کہ جس کسی نے اپنا کوئی قیمتی مال اسباب محفوظ رکھنا ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر امانت رکھ دیتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اس وقت بھی بہت سے لوگوں کی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج رات مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا اور صبح سب کی امانتیں واپس کر دینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ آج کی رات یہ بستر قتل گاہ ہے۔ لیکن بڑی بے خوفی سے سو گئے۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ قتل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ لیکن جب رات زیادہ ہوگئی تو قدرت نے محاصرہ کرنے والوں کو سلا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غافل پا کر گھر سے روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں سامان سفر پہلے سے تیار تھا۔ فوراً دونوں وہاں سے چل پڑے اور مکہ سے چھ میل دور غار ثور میں قیام فرماتے ہوئے تین دن اس غار میں مقیم رہے۔ اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رات کو غار میں آکر قریش کی سرگرمیوں سے آپ اکو آگاہ کرتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا دیتا۔

3.1- تعاقب اور مشرکین کی ناکامی

محاصرہ کرنے والے صبح کو بیدار ہوئے تو بستر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اٹھتے ہوئے پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھوڑی دیر محبوس رکھ کر پوچھنے کی کوشش کی پھر مایوس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آہٹ پا کر گھبرا گئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی۔ مشرکین مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ چوتھے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکلے اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ جانے کا جو عام راستہ تھا اس سے ہٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے قریب کا راستہ اختیار کیا۔

مکہ والوں نے بعد میں اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ کئی لوگوں نے قسمت آزمائی لیکن ایک آدمی سراقہ بن مالک تلاش کرتے کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا۔ قریب پہنچ کر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔ اٹھا اور دوبارہ سوار ہو کر چلا تو دوبارہ گر گیا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا خیال چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا معافی مانگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان نامہ لکھوا دیا۔ وہ واپس چلا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

3.2- مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار

مدینہ میں جسے اس وقت یثرب کہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی۔ روزانہ لوگ صبح کے وقت شہر سے نکل کر آتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس لوٹ جاتے۔ ایک روز واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور پکار کر کہا۔ اہل عرب جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا۔ تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا اور لوگ جوش و خروش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

3.3- قبا میں قیام اور مسجد کی تعمیر

مدینہ سے تین میل پہلے قبا کی بستی ہے۔ آپؐ مدینہ میں پہنچ کر پہلے وہاں ٹھہرے۔ آپؐ نے وہاں چودہ دن قیام کیا اور ایک چھوٹی سے مسجد تعمیر کی۔ قرآن مجید میں اس مسجد کا ذکر آتا ہے (سورۃ التوبہ: ۱۰۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد تمام امانتیں مکہ والوں کو واپس کر کے مکہ سے چلے تھے۔ وہ بھی یہیں آ کر آپؐ سے ملے۔

3.4- مدینہ میں داخلہ، ابوایوّب انصاری کے ہاں قیام

قبا میں چودہ دن ٹھہرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں بنوسالم کے محلّہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ سارا مدینہ استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا۔ راستے میں آنے واال ہر قبیلہ اور ہر گھر اس خواہش کا اظہار کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں ٹھہریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے دعا کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ آخر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جا کر بیٹھ گئی۔ اور انہی کے گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ماہ تک وہیں قیام فرمایا۔

3.5- مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے سامنے کچھ افتادہ زمین تھی جو دو یتیم بچوں کی تھی۔ انہوں نے بلا قیمت نذر کرنا چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار سے اس کی قیمت ادا فرما کر ایک مختصر اور سادہ سی مسجد تعمیر کی۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترہ بنوایا۔ اس پر چھت ڈلوائی۔ یہ چبوترا صفہ کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لائے لیکن گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

3.6- ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے حجروں کی تعمیر

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مسجد کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے لئے مکان بنوائے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی

کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کے پردے پڑے رہتے تھے۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

3.7- اذان کی ابتداء

تعمیر مسجد کے بعد نماز با جماعت کی طرف توجہ فرمائی۔ نماز کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے اذان کا طریقہ رائج ہوا۔

3.8- مواخاتِ مدینہ

مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان بے سروسامان تھے۔ ان میں سے کئی ایک مکہ میں دولت مند تھے۔ لیکن ایسی حالت میں مکہ سے نکلے تھے کہ ساتھ کچھ نہ لا سکے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے رہائش وغیرہ کا انتظام کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لئے انصار اور مہاجرین میں بھائی چارے کا رشتہ قائم فرما دیا اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ یہ مواخات کہلایا۔ یہ اخوت حقیقی اخوت سے بھی بڑھ گئی۔ اور انصارِ مدینہ نے اپنے مال و دولت ، زمین جائیداد، کھیتی باڑی ہر چیز میں مہاجرین کو برابر شریک کر لیا۔ مہاجرین کو اپنی زمینوں میں مکان بنا دیئے اور خود کھیتی باڑی کر کے غلہ برابر تقسیم کر دیئے۔ کیوں کہ مہاجرین کھیتی باڑی کے کام سے واقف نہیں تھے۔ اکثر مہاجرین نے انصار پر بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا اور بقدر ضرورت نقدی لے کر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔

۴ ہجری میں بنو نضیر جلا وطن ہوئے۔ ان کے نخلستان مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تو مہاجرین کی حالت سنبھل گئی۔ اور انہوں نے انصار کی زمینیں انہیں واپس لوٹا دیں۔

اس مواخات کے رشتے کے اور فائدے بھی ہوئے مثلاً:

مہاجرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ جب کہ انصار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر نہیں آئی تھی۔ اس طرح ایک مہاجر اور ایک انصار کو اکٹھا کر کے انصار کی تربیت کا انتظام کر دیا گیا۔ مہاجرین

جو کہ قریش کے قبیلے سے تھے عرب کے کسی دوسرے قبیلے کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے۔ انصار و مہاجرین میں اخوت کا رشتہ قائم کر کے جاہل معاشرے کے اونچ نیچ کا تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا اور قریش کو اوس و خزرج کا بھائی بنا دیا۔

3.9- میثاقِ مدینہ

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ یہ خاصے مال دار قبیلے تھے اور انہیں اپنی دولت مندی کی وجہ سے مدینہ میں اقتدار حاصل رہا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خطرات تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ کرایا جس کی اہم دفعات یہ تھیں:

۱: خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، وہ رائج رہے گا۔

۲: یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

۳: فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ کی نوبت آئی تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۴: کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۵: جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہو تو دونوں مل کر دفاع کریں گے۔

۶: فریقین میں سے جب کوئی کسی تیسرے فریق سے صلح کرے گا۔ تو دوسرا بھی صلح میں شریک ہوگا۔

۷: مذہبی لڑائیاں ان پابندیوں سے آزاد ہوں گی۔

۸: باہمی اختلافات کی صورت میں فیصلے کا اختیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوگا۔

میثاق مدینہ، مدینہ کی شہری ریاست کا دستور تھا اور یہ دنیا کا پہلا دستور تھا۔ اس دستور کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ریاست کے پہلے سربراہ ہوئے۔

3.10- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا آغاز

یہود نے اگرچہ اس معاہدے کو قبول کرلیا تھا مگر دل سے وہ مسلمانوں کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ قرار دیا گیا۔ تو یہود نے اس کو بہت محسوس کیا اور وہ کھلم کھلا مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرنے لگے۔

مدینہ میں عبد اللہ بن ابی نام کا ایک آدمی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اوس و خزرج قبیلوں کا سردار تھا۔ حضور کی ہجرت کی وجہ سے اس کی سرداری ختم ہوگئی۔ وہ بظاہر تو مسلمان ہوگیا مگر دل سے کافر رہا۔ ایسے کافروں کو منافق کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ اور بھی منافقین جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے درپردہ مکہ کے قریش کے ساتھ ساز باز کر لی۔ قریش مکہ اس کوشش میں تھے کہ مدینہ میں مسلمانوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہو۔ ان حالات کی وجہ سے مدینہ میں خطرہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ راتوں کو پہرہ دیتے اور ہتھیار لگا کر سوتے۔

قریش کی معیشت کا انحصار تجارت پر تھا اور زیادہ تر تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے۔ جن کا راستہ مدینہ سے ہو کر گزرتا تھا۔ مدینہ میں مسلمانوں کے آباد ہو جانے سے قریش کا یہ تجارتی راستہ محفوظ نہیں رہا تھا۔ قریش اس فکر میں تھے کہ مسلمانوں کا خاتمہ کر کے اپنے تجارتی راستے محفوظ کرلیں۔

اسی دوران نخلہ کا واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حفاظتی مقاصد کے لے وقتاً فوقتاً مسلمان سپاہیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کو مدینہ کے گردونواح میں دیکھنے بھالنے کے لئے بھیجتے رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ آدمیوں کو نخلہ کی طرف بھیجا اور یہ تاکید فرمائی کہ لڑائی سے گریز کیا جائے لیکن نخلہ پہنچ کر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو قریش کے چند آدمی تجارتی مال لے جاتے

ہوئے راہ میں مل گئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا۔ ایک آدمی عمرو بن حضرمی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے۔

ابن حضرمی کے قتل سے قریش کی آتشِ غضب اور تیز ہوگئی اور انہوں نے بدلہ لینے کی تیاری شروع کردی۔

3.11- اہم نکات

۱: مدینہ کے اوس وخزرج قبائل کے اسلام قبول کر لینے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔

۲: سب سے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔

۳: مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہوئے۔

۴: مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبا ٹھہرے اور وہاں مسجد تعمیر کی۔

۵: پھر مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اس کے ساتھ صفہ کا مدرسہ بنوایا۔

۶: مہاجرین کی کفالت اور مہاجرین وانصار میں قریبی تعلق پیدا کرنے کے لئے مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ قائم کرایا۔

۷: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ مدینہ اور آس پاس کے قبائل کے ساتھ معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کہلایا۔

۸: مدینہ میں یہود اور منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے۔ اور قریش مکہ بھی مسلمانوں کو امن و سکون سے رہتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ میں جنگوں کا آغاز ہو گیا۔

۴...... غزوات

4.1- غزوۂ بدر

مسلمانوں اور قریش کے حالات انتہائی کشیدہ تھے۔ کہ انہی دنوں ابوسفیان ایک بہت بڑے تجارتی قافلے کو لے کر شام سے واپس آ رہا تھا۔ کہ کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مکہ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے نکل پڑے۔ ادھر ابوسفیان راستہ بدل کر قافلے کو لے کر صحیح سلامت مکہ پہنچ گئے۔ مکہ کی فوج کو قافلے کی واپسی کی اطلاع مل گئی لیکن انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اپنا تجارتی راستہ صاف کر لینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ ابوجہل ایک ہزار آدمیوں کو لے کر بدر کی طرف بڑھا۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ جاں نثاروں کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ بدر مکہ سے اسّی میل کے فاصلے پر ہے۔ قریش کی فوج نے وہاں پہلے پہنچ کر ان جگہوں پر قبضہ کر لیا جو جنگی نقطہ نظر سے اہم تھیں۔ مسلمان بعد میں پہنچے لیکن عین اس موقع پر بارش ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے میدان جنگ بہتر ہو گیا۔ ایک تو مسلمانوں نے ضرورت کے لئے پانی جمع کر لیا اور دوسرے بارش کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف ریت جم گئی اور زمین بہتر ہو گئی۔ جب کہ کفار کی جانب جو زمین تھی وہ کیچڑ بن گئی۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو بلندی پر رکھتے ہوئے صف بندی کی اور اللہ سے گڑ گڑا کر دعا کر کے میدان جنگ میں اتر آئے۔ اس جنگ میں بھائی بھائی کے خلاف اور باپ بیٹے کے خلاف لڑ رہا تھا۔ گھمسان کا رن پڑا اور آخر کار مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار کے ستر آدمی مارے گئے

جن میں ابوجہل، عقبہ، شیبہ، ولید جیسے سردار شامل تھے۔ اور ستر گرفتار ہوئے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی فوج کے چودہ مجاہد شہید ہوئے۔

- اس لڑائی نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان محض بے خانماں مہاجر نہیں بلکہ وہ ایسی قوت ہیں جس نے قریش کا غرور خاک میں ملا دیا۔
- اس لڑائی میں حق کو فتح ہوئی اور باطل کو شکست جس کی وجہ سے ایسے بہت سے لوگ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی پر شبہ تھا، اسلام لے آئے۔ اگر بدر میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا وہیں خاتمہ ہو جاتا اور یہ آگے نہ بڑھ سکتا۔
- قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے جس کی وجہ سے ان کی قوت پر کاری ضرب لگی اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔
- منافقین اور عرب کے وہ قبیلے جو دل سے مسلمانوں کے ساتھ نہ تھے۔ اب مسلمانوں سے دبنے لگے اور انہوں نے کھل کر مسلمانوں کی مخالفت چھوڑ دی تھی۔
- میثاق مدینہ کی رو سے یہود کو مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہئے تھا لیکن عین وقت پر انہوں نے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد اب وہ کھلم کھلا مسلمانوں سے دشمنی کرنے لگے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خلاف اقدام کرنا پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔
- غزوہ بدر میں جو مشرکین قید ہو کر آئے۔ مسلمانوں نے ان سے عمدہ سلوک کیا۔ خود بھوکے رہ کر انہیں کھانا کھلایا اور ان سے معمولی فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا۔ جس کی وجہ سے ان دشمنوں کے دلوں میں اسلام کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔

4.2- غزوۂ احد

جنگ بدر کے بعد اہل مکہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ ابوسفیان نے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے اس نے دوسوستر سواروں کے ساتھ مدینہ کے نواح میں حملہ کیا اور کچھ مکانوں اور گھاس کے انباروں کو نذر آتش کر کے لوٹ گیا۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کا تعاقب کیا لیکن تب تک وہ بھاگ گیا تھا۔

اس حملے سے مکہ والوں کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ ۳ہجری میں انہوں نے بھرپور تیاری سے مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے فوج اکٹھی کی۔ اور ابوسفیان تین ہزار غرق آہن فوجیوں کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے عبداللہ ابن ابی جو منافقوں کا سردار تھا اس کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن بعض نوجوان پر جوش مجاہدین کا اصرار تھا کہ شہر سے نکل کر لڑا جائے۔ بدر کے معرکے میں شریک نہ ہو سکنے والے نوجوان کھلے میدانوں میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کے لئے بے چین تھے۔ ان کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار افراد کو لے کر مدینہ سے چلے لیکن عبداللہ ابن ابی یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا کہ ہماری رائے نہیں مانی گئی۔ اب مسلمان صرف سات سو رہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر احد پہاڑ کے دامن میں مجاہدین کو جمع کیا۔ پہاڑ کو پشت پر رکھا وہاں پر ایک درہ تھا جس سے خطرہ تھا کہ کہیں اس سے گزر کر مشرکین پشت پر سے حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اس درے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کا دستہ متعین کر دیا اور اسے یہ حکم دیا کہ فتح ہو یا شکست تم نے کسی قیمت پر یہ درہ نہیں چھوڑنا۔

گھمسان کی جنگ ہوئی اور قریش کی فوج بدحواسی میں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب مسلمانوں کو دشمن کی شکست کا یقین ہو گیا تو درے پر متعین اکثر فوجی مال غنیمت سمیٹنے میں شریک ہو گئے اور درہ تقریباً خالی ہو گیا۔ خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اپنا دستہ لے کر اس درے کی طرف بڑھے

اور عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مشرکین کی بھاگتی ہوئی فوج بھی واپس ہونے لگی اور مسلمان گھیرے میں آ گئے۔ اسی اثناء میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان کی شکل کسی قدر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ تو کسی نے نعرہ لگا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس سے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ کچھ جاں نثاروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈ لیا اور اعلان کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ سلامت ہیں۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں میں خود کی دو کڑیاں دھنس گئیں جس سے رخسار مبارک زخمی ہوئے۔ ستر مسلمان شہید ہو گئے، کفار نے شہداء کی لاشوں کی بے حرمتی کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے بری طرح ٹکڑے کئے گئے۔ مسلمان مدینہ منورہ لوٹ گئے اور مشرکین نے اسی کو کافی سمجھا اور مدینہ پر حملہ نہیں کیا اور مکہ لوٹ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں کفار اپنی فتح کی تکمیل کے لئے راہ سے واپس نہ آ جائیں۔ اس لئے دوسرے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ ابوسفیان کا تعاقب کیا۔ ادھر ابوسفیان کو راستے میں خیال آیا کہ ہم مسلمانوں کو نیست و نابود کئے بغیر ہی آ گئے ہیں ہمیں واپس جا کر مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دینا چاہئے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ مسلمان اس کا تعاقب کر رہے ہیں تو اپنے ارادے سے باز آ گیا اور مکہ کو چل پڑا۔

احد کی لڑائی فیصلہ کن نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کا اس میں بہت نقصان ہوا اور فتح نہیں ہوئی۔ لیکن مسلمانوں کو شکست بھی نہیں ہوئی کیونکہ مسلمانوں کا کوئی فوجی گرفتار نہیں ہوا اور مسلمانوں نے کفار کا تعاقب کیا اور کفار کو حوصلہ نہیں ہوا کہ واپس لوٹ کر مدینہ پر حملہ کرتے۔ تاہم غزوۂ احد کے نتائج سے مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ کسی حد تک کم ہو گیا۔

4.3- غزوۂ احزاب

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو فتح نہیں ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے عرب کے قبائل پر اچھا اثر نہیں پڑا تھا۔ اور یکے بعد دیگرے عرب کے کئی قبیلوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا اور بعض نے حملہ کیا بھی۔ اس طرح دو تین

واقعات ہوئے کہ کچھ لوگ دھوکہ دہی سے تبلیغ کے لئے مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے جاتے اور اپنے قبیلے میں لے جا کر قتل کر دیتے تھے۔ اس طرح کے ایک واقعہ میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔

قبائل کی اس شورش میں یہودیوں کا خاصا ہاتھ تھا۔ یہود کے ایک قبیلہ بنو قینقاع کو تو غزوہ بدر کے بعد جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ دوسرے قبیلہ بنو نضیر نے غزوہ احد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کی کوشش کی اس لئے اسے بھی جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ دونوں قبیلے خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ البتہ تیسرے قبیلہ بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کی تجدید کر لی تھی۔

خیبر میں آباد ہونے کے بعد یہودیوں نے پورے عرب کو مسلمانوں کے خلاف متحد کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے تحریک چلائی چنانچہ قریش اور عرب کے کئی دوسرے قبائل کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور ۵ ہجری میں ایک بہت بڑا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہو گیا۔ جس کی تعداد دس ہزار سے چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ مختلف قبیلوں کے گروہ تھے اور عربی زبان میں گروہ کو حزب کہتے ہیں جس کی جمع احزاب ہے اس لئے اس جنگ کو ''احزاب'' کا نام دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے مدینہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر مدینہ کے اس جانب جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا۔ خندق کھودی گئی۔ تین ہزار مسلمانوں نے بیس دن میں پانچ پانچ گز گہری خندق کھود ڈالی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کھودنے میں شریک رہے۔ اسی وجہ سے اسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ مسلمانوں کے لئے اشیاء ضرورت کی شدید کمی واقع ہو گئی۔ لیکن اتنے بڑے حملہ آور لشکر کے لئے بھی رسد کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ اسی دوران میں ایک حملہ آور قبیلہ کے سردار نعیم بن مسعود در پردہ اسلام لے آئے اور انہوں نے قریش اور یہود سے علیحدہ علیحدہ ایسی باتیں کیں کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ مزید برآں تائید ایزدی نے مسلمانوں کو ایک بار پھر نوازا اور ایک رات اتنی شدت کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ کھانے کے برتن اور دیگچیاں الٹ گئیں۔ ہر طرف

تباہی آ گئی۔ ابوسفیان نے اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور صبح تک میدان خالی تھا۔

اس ایک ماہ کے محاصرے میں باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی البتہ ایک جگہ سے خندق کم چوڑی تھی وہاں سے کچھ لوگوں نے خندق پار کی اور جتنے کافر خندق پار کر کے آئے سب قتل ہو گئے۔ زیادہ تر خندق پار ہی سے پتھروں اور تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ مشرکین کی مسلمانوں کو ختم کرنے کی یہ کوشش تھی جس میں تمام عرب متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف آئے تھے۔ اور ناکام و نامراد لوٹے اس کے بعد ان کے حوصلے پست ہو گئے اور اسلام کا زور روز بروز بڑھتا گیا۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''عرب اپنی آخری کوشش کر چکے ہیں۔ اب وہ تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے بلکہ تم ان پر حملہ آور ہو گے۔''

4.4- بنو قریظہ کا خاتمہ

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاہدے کی تجدید کے باوجود بنو قریظہ نے غزوۂ احزاب میں بدعہدی کی ۔ چنانچہ غزوہ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ ایک ماہ بعد انہوں نے یہ درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں انہیں منظور ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ حضرت سعد قبیلہ اوس کے سردار تھے اور قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ لیکن حضرت سعد نے اس تعلق کی پرواہ نہیں کی اور تورات کے مطابق فیصلہ کر دیا کہ بدعہدی کرنے والوں کے مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔

چنانچہ اس فیصلے کے مطابق بنو قریظہ کے تقریباً چار سو بالغ مرد قتل کر دیئے گئے۔ اور یہ ان کے اعمال کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کے باوجود انہوں نے غزوۂ احزاب میں کفار کی حمایت کی اور مسلمان بچوں اور عورتوں پر حملہ کرنے کی تیاری کرتے رہے۔

4.5- صلح حدیبیہ

مسلمان جب سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ انہیں واپس مکہ معظّمہ جانے کا موقع نہیں ملا تھا حالانکہ مکہ معظّمہ میں مسلمانوں کا قبلہ اور توحید کا مرکز تھا۔ جس کی زیارت کے لئے مسلمان بے چین تھے۔ ۶ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارت بیت اللہ کی بشارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حج کی نیت سے روانہ ہوگئے، عرب میں جاہلیت کے دور میں بھی یہ دستور تھا کہ خواہ کتنی ہی دشمنی ہو حج سے کسی کو نہیں روکا جا سکتا۔ اس خیال سے مسلمانوں کی نیت پر کسی کو شبہ نہ ہو احرام باندھ لیا قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے اور ہتھیار لگانے کی ممانعت کر دی۔ صرف ایک تلوار ساتھ رکھنے کی اجازت تھی۔ جو عرب کے ماحول میں ہر شخص ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ لیکن وہ بھی نیام میں لے جانے کا حکم تھا۔ مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔

قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے مقابلے کی تیاری شروع کی۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے سردار اور مسلمانوں کے حلیف بدیل بن ورقا کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ صرف خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اسی دوران میں چند شرارت پسند نوجوان مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن گرفتار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو رہا کر دیا۔ قریش نے اپنے ایک سردار عروہ بن زبیر کو سفیر بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی بتایا کہ ہم لڑنے نہیں آئے بلکہ حج کرنے آئے ہیں۔ عروہ بات چیت کے بعد واپس چلا گیا۔ ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں ہی روک لیا اور پھر ادھر مسلمانوں میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی کہ جب تک عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے۔ یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کہتے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔

اس کے بعد قریش نے سہل بن عمرو کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے بھیجا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد ذیل کی شرائط پر صلح ہوئی:

۱: اس سال مسلمان بغیر حج کے واپس چلے جائیں۔

۲: اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے واپس لوٹ جائیں۔ ان تین دنوں میں اہل مکہ خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

۳: ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلواریں ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں رکھیں۔

۴: مکہ میں جو مسلمان پہلے سے موجود ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے اسے نہ روکیں۔

۵: کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶: عرب کے باقی قبیلوں کو اختیار ہو کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

۷: اس معاہدے کی مدت دس سال ہوگی۔ اور اس عرصے میں فریقین ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔

یہ معاہدہ بظاہر سراسر مسلمانوں کے خلاف تھا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسے قبول کرنے میں تردد تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہمیں دب کر صلح نہیں کرنا چاہیئے لیکن اس معاہدے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں اسے فتح مبین قرار دیا۔ اور یہ معاہدہ سارے کا سارا مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوا۔ اس معاہدے کے بعض اہم فائدے حسب ذیل ہیں:

۱: قریش کا مسلمانوں سے مصالحت کی گفتگو کرنا اور معاہدہ کرنا گویا اس بات کو تحریری طور پر تسلیم کر لینا تھا۔ کہ مسلمان اب ان کے ہم پلہ ایک ایسی طاقت ہو گئے ہیں جن کو ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کے ساتھ بقائے باہمی کے معاہدے سے ہی عکرب میں رہا جا سکتا ہے۔

۲: یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی اور صلح جوئی کا بین ثبوت تھا۔ چنانچہ اس کا ہمسایہ قبائل پر بہت اچھا اثر ہوا اور انہوں نے مسلمانوں سے صلح کے معاہدے کرنے شروع کر دیئے۔

۳: معاہدہ امن کی وجہ سے مسلمان مکہ میں آزادانہ آنے جانے لگے۔ اس میل جول کا یہ اثر ہوا کہ اہل مکہ مسلمانوں کی نیکی پرہیز گاری سے متاثر ہوئے اور قریش نے دھڑا دھڑ اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس سال بے شمار کافر مسلمان ہوئے۔

۴: بعد میں یہی معاہدہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا۔ کیونکہ قریش نے تنگ آ کر معاہدہ توڑ دیا اور مسلمانوں نے حملہ کر کے مکہ فتح کر لیا۔

۵: معاہدہ کی پانچویں شرط جو سراسر مسلمانوں کے خلاف تھی۔ قریش کے لئے وبال جان بن گئی۔ مکہ میں جو مسلمان قریش کے ظلم وستم کا شکار ہو رہے تھے۔ جب معاہدے کی رو سے انہیں مدینہ میں بھی پناہ نہ ملی تو ان میں سے ایک صاحب ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے بھاگ کر سمندر کے کنارے ایک جگہ ٹھکانہ بنا لیا۔ مکہ میں دوسرے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ بھی بھاگ بھاگ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ جب ان کی خاصی تعداد ہو گئی تو انہوں نے قریش کے چھوٹے موٹے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ مجبور ہو کر قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس شرط کو ختم کیا جائے اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں انہیں مدینہ بلایا جائے اور مکہ سے بھی جو مسلمان مدینہ جانا چاہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ مدینہ چلے گئے۔

مسلمانوں کو اس صلح سے اتنے بڑے فوائد ہوئے کہ کسی بڑی سے بڑی فتح سے بھی حاصل نہ ہو سکتے تھے۔

4.6- فتح خیبر

صلح حدیبیہ کی وجہ سے مسلمانوں کو قریش کی طرف سے قدرے اطمینان ہوا تو انہوں نے خیبر کے شرپسند یہودیوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ مدینہ کے جن یہودی قبائل کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ وہ بھی خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے تھے۔ ہمسایہ قبائل کے ساتھ ساز باز کر کے مدینہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ خیبر میں یہود نے مجبور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ انہیں خیبر میں رہنے دیا جائے اور وہ یہاں کی پیداوار کا نصف ہر سال مسلمانوں کو دیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی۔

4.7- جنگ موتہ

اس سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط لکھے۔ بُصریٰ کے سردار شرجیل بن عمرو غسانی نے حضور کے قاصد حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار کی فوج مدینہ سے روانہ کی حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو اس فوج کا سردار مقرر کیا۔ غسانی ایک لاکھ کا لشکر مسلمانوں کے سامنے لے آیا۔ ادھر قیصر روم اپنی لاتعداد فوج کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت معمولی تھی۔ ان کے تینوں سردار یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور کمال تدبر سے مسلمانوں کے لشکر کو دشمن کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس لڑائی میں کل بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ اسے موتہ کی لڑائی کہتے ہیں۔ اس لڑائی کا اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک دن میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے قبل اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں رومیوں کے مقابلے میں ایک لشکر روانہ کیا

جس کی تفصیل آپ یونٹ نمبر ۱۵ میں پڑھیں گے۔

4.8- فتح مکہ

عرب کے دو قبیلوں بنو خزاعہ اور بنو بکر میں پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ حدیبیہ کے معاہدہ ہوا تو بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر قریش کے۔ قریش کی حمایت کی وجہ سے بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان کی اعلانیہ مدد کی۔ خزاعہ نے حرم میں پناہ لی۔ مذہبی اور ملکی قانون کی رو سے حرم میں کوئی بھی شخص بڑے سے بڑا جرم کر کے بھی پناہ لے لے تو اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بنو بکر نے حرم میں خزاعہ کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس پیغام بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک مان لو:

۱: خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کرو۔

۲: قریش بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں

۳: اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے جوش میں آ کر معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیا۔ بعد میں اپنی غلطی پر سخت نادم ہوئے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کی تجدید کی درخواست کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ مانے پھر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سفارش کرنے کو کہا لیکن کسی نے حامی نہ بھری تو ناکام لوٹ آیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کر دی۔ ۱۰ رمضان ۸ھ کو آپ دس ہزار مسلمانوں کو لے کر مکہ کی طرف بڑھے۔ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو قریش کو پتہ چلا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں کو تباہی سے بچانے کے لیے ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ تم میرے ساتھ چلو اور مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے پہلے مکہ والوں کے لئے امن مانگ لو چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ والوں کے لئے پناہ کی درخواست کی۔ ابوسفیان نے

مسلمانوں کوختم کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا لیکن رحمت کا دریا جوش میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعلان کر دو:

- جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے لے اسے امن ہے۔
- جو خانہ کعبہ میں پناہ لے لے اسے پناہ ہے۔
- جو ہتھیار نہ اٹھائے اسے امن ہے۔
- جو اپنے گھر کے کواڑ بند کر لے اسے امن ہے۔

مسلمانوں کا لشکر مختلف طرفوں سے مکہ میں داخل ہوا۔ صرف ایک مقام پر معمولی جھڑپ ہوئی جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اسے بتوں سے پاک صاف کرایا۔ اس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ خانہ کعبہ میں نماز ادا فرمائی اور پھر توحید، رسالت، آخرت، مساوات، اخوت پر مبنی خطبہ دیا اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔

کفار مکہ کے دلوں پر اس فیاضی اور عفو و درگزر کا نہایت اچھا اثر ہوا اور جوق در جوق حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ قریش کو پورے عرب میں مذہبی احترام حاصل تھا۔ بہت سے قبیلے دل سے اسلام کو اچھا سمجھتے تھے۔ لیکن اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں کیا کرتے ہیں۔ قریش کے اسلام لانے کا مطلب پورے عرب کا اسلام قبول کرنا تھا۔

4.9- غزوۂ حنین

مکہ اور طائف کی درمیانی وادیوں میں ہوازن اور ثقیف کے قبیلے آباد تھے۔ وہ انتہائی جنگجو اور ماہر تیر انداز تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو غلبہ پاتے دیکھ کر مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے جن میں دو ہزار مکہ کے نومسلم اور ایک سو غیر مسلم بھی تھے۔ مسلمانوں کو آج اپنی کثرت اور فوجی سامان کی برتری کا احساس تھا۔ لیکن ہوازن کے تیر اندازوں

کے پہلے حملے میں ہی مسلمان فوج تتر بتر ہوگئی۔ صرف ایک سو جانباز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے ۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مہاجرین و انصار کو پکاریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنتے ہی لوگ لوٹ آئے اور مل کر حملہ کیا کہ دشمن کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ثقیف کا قلعہ بند ہوگیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی ۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھالیا۔ اس واقعہ کو دو سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ ثقیف کے لوگ مسلمان ہو گئے۔

4.10- غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ میں اطلاع ملی کہ شام کے عیسائی مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ افواہ بھی پھیلی کہ ہرقل روم نے بھی چالیس ہزار فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیج دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو تیاری کا حکم دے دیا۔ مدنیہ ان دنوں شدید قحط کی زد میں تھا۔ موسم انتہائی گرم تھا اور سفر دور دراز تھا۔ منافقین نے یہ کوشش کی کہ اس غزوہ میں لوگ شریک نہ ہوں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں۔ تاہم مسلمان بیس دن تک وہاں ٹھہرے اور پھر واپس مدینہ لوٹ آئے۔

4.11 - حجتہ الوداع

ذیقعد ۱۰ھ میں عرب بھر میں اعلان کر دیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کو جا رہے ہیں۔ اس خبر کو سنتے ہی پورے عرب سے مسلمان ٹوٹ پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوے ہزار مسلمانوں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتے گئے تاکہ حج کے وقت ایک لاکھ چالیس ہزار نفوس آپ کے ہمراہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے مقام پر انسانی تاریخ کا اہم ترین خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

- جاہلیت کے سارے دستور اور رسم و رواج میرے پاؤں تلے ہیں۔
- جاہلیت کے سارے خون کے بدلے ختم کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔
- جاہلیت کے سود مٹا دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔
- عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، تمہارا حق عورتوں پر ہے اور عورتوں کا تم پر ہے۔
- تمہاری جان، تمہارے مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی قدر قابل احترام ہے جتنا کہ آج کا دن، یہ مہینہ اور شہر۔
- ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی بڑائی نہیں۔ تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنا تھا۔
- میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز ہے اللہ کی کتاب۔
- اس کے بعد آپ نے دین کے کچھ اور اصول و مسائل بتائے اور یہ اعلان کیا گیا کہ آج دین مکمل ہو گیا ہے۔
- ان سب باتوں کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔
- حج سے فارغ ہو کر ۱۴ ذوالحجہ کو آپ انصار و مہاجرین کے ہمراہ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

4.12 - وفات

حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد آپ کا زیادہ وقت تسبیح وتہلیل میں گزرتا تا ۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے، جو مدینہ کا قبرستان ہے۔ واپس تشریف لائے تو طبیعت ناساز تھی۔ جب تک چلنے کی ہمت رہی مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز خود پڑھاتے رہے۔ علالت بڑھ گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ایک روز طبیعت بہتر ہوئی تو مسجد میں تشریف لے گئے خطبہ دیا اور فرمایا:

> ''مسلمانو! دیکھو میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں ۱۲ ربیع الاول ۱۱/ جون کو سوموار کے روز شام کے وقت آپ خالق حقیقی سے جا ملے اور اگلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کر دیا گیا۔''

آیئے ہم اپنے اس سبق کو مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کے ان نعتیہ اشعار پر ختم کریں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

خطا کار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر وشکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

۵...... خود آزمائی

۱: دار الندوہ کی بنیاد کس نے رکھی تھی؟

۲: قصی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب میں کتنے نمبر پر آتے ہیں؟

۳: عبد المطلب کے کتنے بیٹے جواں ہوئے؟

۴: عبد اللہ کی وفات کہاں ہوئی؟

۵: حضرت آمنہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھں؟

۶: ابولہب کی جس باندی نے آنحضرت کو دودھ پلایا اس کا نام کیا تھا؟

۷: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو "سعدیہ" کیوں کہتے ہیں؟

۸: حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کہاں دفن ہیں؟

۹: حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جو خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس مکہ لائیں ان کا نام کیا تھا؟

۱۰: عبد المطلب کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟

۱۱: حرب فجار میں شرکت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے سال کے تھے؟

۱۲: حلف الفضول کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

۱۳: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جو غلام تجارت کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اس کا نام

بتائیں؟

۱۴: شادی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر میں کتنا فرق تھا؟

۱۵: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر کتنا مقرر ہوا؟

۱۶: تعمیر کعبہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کیا تھی؟

۱۷: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو وحی اتری وہ کون سے پارے کی کون سی سورۃ کی کتنی آیات ہے؟

۱۸: خفیہ تبلیغ کا سلسلہ کتنے سال جاری رہا۔

۱۹: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ تبلیغ کا آغاز کون سی پہاڑی پر کھڑے ہو کر کیا؟

۱۰: مشرکین مکہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے تین اسباب بتائیں:

(i) ....

(ii) ....

(iii) ....

۲۱: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے کتنے دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے؟

۲۲: حبشہ کی پہلی ہجرت کون سے سال ہوئی۔ اس میں کتنے افراد شریک تھے؟

۲۳: حبشہ کی دوسری ہجرت میں کتنے لوگ شریک تھے؟

۲۴: مسلمانوں نے شعب ابی طالب میں کیوں پناہ لے لی تھی؟

۲۵: حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں سے پہلے کس کا انتقال ہوا؟

۲۶: طائف مکہ سے کتنے فاصلے پر ہے؟

۲۷: طائف والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سلوک کیا؟

۲۸: مدنیہ منورہ کا پہلا نام کیا ہے؟

۲۹: مدینہ میں کون سے دو عرب قبیلے آباد تھے۔

۳۰: خزرج کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر فوراً کیوں مسلمان ہو گئے؟

۳۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تعلیم و تبلیغ کے لیے کون سے صحابی کو بھیجا تھا؟

۳۲: بیعت عقبہ میں کتنے افراد نے شرکت کی تھی۔

۳۳: ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر کون سوئے تھے؟

۳۴: ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے ہوئے جو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تھا اس کا نام بتائیں؟

۳۵: مدینہ سے قبا کتنی دور ہے۔

۳۶: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے دن بعد قبا پہنچے؟

۳۷: صفہ کن لوگوں کے لیے بنایا گیا تھا۔

۳۸: رشتہ مواخات کے دو فائدے لکھیے:

(i) ....

(ii) ....

۳۹: میثاق مدینہ کی اہم دفعات کون کون سی ہیں۔

۴۰: بدر کی لڑائی میں کتنے کافر مارے گئے اور کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

۴۱: احد میں مسلمانوں کو فتح ہوئی یا شکست؟

۴۲: غزوہ احزاب کو غزوۂ خندق کیوں کہتے ہیں؟

۴۳: بنو قریظہ کو بدعہدی کی کیا سزا دی گئی؟

۴۴: صلح حدیبیہ کو فتح مبین کیوں قرار دا گیا؟

۴۵: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک دن میں نو تلواریں کون سی لڑائی میں ٹوٹیں؟

۴۶: مکہ کون سے سال فتح ہوا؟

۴۷: حجۃ الوداع کے خطبہ کے اہم نکات قلمبند کیجئے۔

(i) ....

(ii) ....

(iii) ....

۴۸: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں کس شخص کو امام مقرر کیا؟

۴۹: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس روز وفات پائی؟

۵۰: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا گیا؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ

(خلیفۂ اوّل)

تحریر: ڈاکٹر طفیل ہاشمی

نظرثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ:

۱: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی سے آگاہ ہو جائیں گے۔

۲: خلیفۂ اول کے تدبر اور فہم وفراست سے واقف ہوں گے۔

۳: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والی مشکلات اور ان کے حل سے متعارف ہوں گے۔

۴: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات سے واقف ہوں گے اور یہ جان جائیں گے کہ اس وقت کی دو عظیم سلطنتوں فارس اور روم کے خاتمے کی بنیاد عہد صدیقی میں رکھی گئی تھی۔

۵: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت سے رہنمائی حاصل کریں گے۔

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
581	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی	-1
581	1.1 تعارف	
581	1.2 قبول اسلام	
582	1.3 خدمت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)	
582	1.4 مظلوموں کی حمایت	
582	1.5 ہجرت مدینہ	
583	1.6 مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر	
583	1.7 غزوات میں شرکت	
583	1.8 امارت حج	
584	1.9 امامت	
584	1.10 اہم نکات	
586	خلافت صدیق رضی اللہ عنہ	-2
586	2.1 سقیفہ بنی ساعدہ	
588	2.2 بیعت عام	
588	2.3 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت	
589	2.4 اہم نکات	

-3	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مشکلات	590
	3.1 نبوت کے جھوٹے دعویدار	590
	3.2 مرتدین کا مسئلہ	591
	3.3 مانعین زکوٰۃ	591
	3.4 حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی	592
	3.5 مشکلات کے حل کا طریق کار	593
	3.6 اہم نکات	597
-4	فتوحات	598
	4.1 عراق کی مہم	599
	4.2 شام کی مہم	602
-5	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرض وفات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی	605
-6	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت	607
	6.1 نظام حکومت	607
	6.2 ملکی نظم ونسق	608
	6.3 فوجی نظام	608
	6.4 بیت المال کی تعمیر	609
	6.5 اہم نکات	609
-7	خودآزمائی	610

ا......حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی

1.1- تعارف

آپ کا نام عبد اللہ، کنیت ابو بکر اور لقب صدیق اور عتیق تھا۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ آپ قریش کی ایک شاخ بنی تیم سے تھے، آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بچپن سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے دیانت دار، راست باز اور نیک طینت تھے چنانچہ ایام جاہلیت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کو بت پرستی شراب نوشی اور دوسری قسم کی برائیوں سے نفرت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ صاحب حیثیت تاجر تھے۔ مکہ والوں کو آپ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت پر مکمل بھروسہ تھا۔ اسلام سے پہلے مکہ میں خون بہا کا مال آپ رضی اللہ عنہ کے ہاں ہی جمع ہوتا تھا۔ اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

1.2- قبول اسلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت سے سرفراز کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخفی طور پر اپنے

قریبی احباب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کیا تو مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہوتے ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جدوجہد شروع کر دی اور آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور دوسرے کئی افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

1.3 خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ معظمہ میں رہے۔ اس پورے عرصے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جان، مال اور رائے، مشورہ غرض ہر طرح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ قبائل عرب کے عام مجمعوں میں تبلیغ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتے اور جب بھی کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے تو حضرت ابوبکرؓ سینہ سپر ہو جاتے۔

1.4- مظلوموں کی جماعت

مکہ میں ابتداً جن لوگوں نے اسلام کا ساتھ دیا ان میں بڑی تعداد ان غلاموں اور باندیوں کی تھی جو قبول اسلام کی وجہ سے اپنے آقاؤں کے ظلم وستم کا شکار ہو رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی بھاری قیمتیں ادا کر کے ان مظلوموں کو ظالموں سے پنجے سے نجات دلائی۔ انہیں نجات پانے والوں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے جو بعد میں "مؤذن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)" ہوئے۔

1.5- ہجرت مدینہ

مکہ معظمہ میں مشرکین و کفار کا ظلم وستم حد سے تجاوز کر گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا لیکن بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا کہ ابھی صبر کرو امید ہے کہ مجھے بھی اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوگا۔ چار ماہ کے انتظار کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کا حکم ہوا اور

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کٹھن سفر میں ہم رکابی کے شرف سے نوازے گئے۔ سفر ہجرت کی پہلی منزل غار ثور تھی جو مکہ سے چھ میل جنوب کی طرف واقع ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اسے صاف کیا اور اس کے سوراخ بند کئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی تین راتیں غار ثور میں گزارنے کے بعد چوتھے روز یہ مختصر قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا اور دشمنوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا ۱۲ ربیع الاول کو نبوت کے چودھویں سال مدینہ کے قریب قبا میں جا اترا اور چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوا۔

1.6- مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ منورہ میں مسجد کی تعمیر کے لیے جو زمین منتخب کی گئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ اگرچہ ان کے اولیاء واقرباء بلا قیمت پیش کرنے پر مُصر تھے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کی قیمت ادا کر دی اس طرح مسجد نبوی کی تعمیر میں اپنا حق ادا کر دیا۔

1.7- غزوات میں شرکت

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق کار اور مشیر خاص تھے۔ کم وبیش تمام غزوات میں شریک ہوئے اور جانثاری کے جوہر دکھائے۔ لڑائی کے میدان میں آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہتے جب کہ لڑائی کا زیادہ زور وہیں پر ہوتا تھا جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے لیے جان و مال کی بے نظیر قربانیاں پیش کیں۔ کئی موقعوں پر گھر کا سارا اثاثہ راہ خدا میں نثار کر دیا۔

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے مدینہ میں اس وقت نہایت تنگی کے دن تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگی تیاریوں کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب

دی۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا اثاثہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم نے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ”ان کے لیے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ آیا ہوں اور وہی کافی ہیں“

1.8- امارت حج

۹ھ میں ہی آنحضرت اصلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ اسی زمانے میں سورۂ برات نازل ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

1.9- امامت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری علالت میں نماز کی امامت کے فرائض آپ رضی اللہ عنہ ہی کو سونپے تھے۔ یہ ایک طرح سے آپ رضی اللہ عنہ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا۔

1.10- اہم نکات

اوپر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ابتداء سے ہی دیانتدار، سچے اور نیک طبیعت تھے۔

۲: آپ رضی اللہ عنہ بچپن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔

۳: مردوں میں آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہوتے ہی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ کئی بڑے بڑے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔

۴: مکہ معظّمہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور اسلام لانے والے غلاموں اور باندیوں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔

۵: آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرح ہجرت کی اور سارے راستے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا خیال رکھا۔

۶: مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جو جگہ منتخب کی گئی اس کی قیمت آپ رضی اللہ عنہ نے ادا کی

۷: آپ رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے دے دیا۔

۸: ۹/ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا گیا

۹: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں نماز کی امامت کا فریضہ آپ رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا۔

۲...... خلافت صدیق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اس صدمے کے باعث وارفتہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے سے ہی انکار کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل گم سم ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر سے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے اور مسجد کے باہر ایک ہنگامہ بپا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے اور تقریر شروع کر دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا۔ وہ جان لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور جو اللہ کی عبادت کرتے تھے تو اللہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں''۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کے حواس بجا ہو گئے اور ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا۔

2.1- سقیفہ ساعدہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پھیلتے ہی مدینہ میں جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا اور معاملہ اس قدر نازک صورت اختیار کر گیا کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی فراست اور حکمت عملی سے اس کا بروقت تدارک نہ کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی امت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا اور اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا۔

مدنیہ میں انصار کے دو قبائل اوس اور خزرج رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان ہوا تو دونوں قبیلوں کے معززین سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنانے کے لیے گفتگو شروع ہوئی۔ زیادہ تر حاضرین کا رجحان قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کے مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انصار نے کوئی فیصلہ کر لیا تو ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جائے گا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر فوراً سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اپنا مؤقف پیش کریں لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو کر نرمی کے ساتھ ایک مختصر اور مدلل تقریر فرمائی کہ:

> ''گروہ انصار! ہمیں آپ کے فضائل و محاسن اور اسلامی خدمات کا اعترف ہے لیکن عرب کے بدوی قبیلے قریش کے سوا کسی اور خاندان کی حکومت تسلیم نہیں کریں گے۔ نیز اوس اور خزرج کے درمیان باہمی رنجش کی وجہ سے ان دونوں قبیلوں کا آپس میں اتفاق بھی مشکل ہے اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء انصار میں سے''

اس تقریر کے اختتام پر خباب بن مندر الخزرجی رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ ''ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا'' لیکن دوسرا منتخب کرنے کے نتائج جس قدر سنگین ہو سکتے تھے اس کا اندازہ کرتے ہوئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> ''تم ہی سب سے پہلے اسلام کے پشت پناہ تھے، اب اس کی تخریب میں تمہیں سبقت نہیں کرنی چاہیے۔''

اس بات نے انصار پر بہت اچھا اثر کیا اور بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم نے اسلام کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں وہ رضاء الٰہی کے لئے تھیں، خلافت کے حصول کے لئے نہیں، خلافت کا سب سے زیادہ مستحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کشیدگی کم ہو رہی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں ان میں سے جسے تم پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ لیکن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ ہم آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سب سے زیادہ عزیز تھے۔

تمام مجمع نے اس انتخاب کو پسند کیا اور جب یہ خبر باہر پہنچی تو خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی۔ البتہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تدبر کی وجہ سے یہ اٹھتا ہوا طوفان رک گیا اور لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

2.2- بیعت عام

دوسرے روز مسجد میں عام بیعت ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر اپنی حکومت کی پالیسی کی ان الفاظ میں وضاحت کی:

> ''لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارے درمیان جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلوا دوں، اور تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں۔ انشاء اللہ، اگر میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔

2.3- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت

ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت نہ کی، غالباً آپ رضی اللہ عنہ کو یہ ملال تھا کہ خلافت ایسے اہم معاملے میں ان سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قریبی تعلقات کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھا ہو یا کسی

دوسرے سبب سے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں ملال ہوا ہو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو قرآن کی جمع و ترتیب کے لیے پابند کر لیا تھا اور نماز کے علاوہ کسی وقت گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ بہر حال چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تعزیت کے لیے گئے تو باہمی دوستانہ شکوہ سنجی سے صاف ہو گیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے فضل و شرف کا اعتراف کرتے ہوئے بیعت کر لی۔

2.4- اہم نکات

اوپر ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ :-

۱: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واحد آدمی تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اپنے حواس بجا رکھے۔

۲: آپ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ بخیر و خوبی حل ہو گیا۔

۳: آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دوسرے روز مسجد میں عام بیعت کے موقع پر اپنی حکومت کی پالیسی کی وضاحت فرمائی۔ یہ ایسی پالیسی ہے جو ہر اسلامی حکومت کے لیے لائق اتباع ہے۔

۴: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ سے جو شکایت پیدا ہو گئی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے بڑی فراخدلی سے آپ رضی اللہ عنہ پر معذرت کر کے انہیں راضی کر لیا۔

۳...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مشکلات

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے آغاز میں ہی کئی مشکلات کا سامان کرنا پڑا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تدبیر اور مستقل مزاجی سے تمام مشکلات پر باری باری قابو پالیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی مشکلات تھیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں کس طرح حل کیا۔

3.1- نبوت کے جھوٹے دعوے دار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد جس طرح پے در پے کامیابیاں ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے بلکہ عرب کا بہت بڑا علاقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دینی اور دنیوی ہر طرح کا رہنما ماننے لگ گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پورے علاقے میں امن و امان قائم فرما دیا۔ اس عظیم کامیابی کو دیکھ کر کچھ لوگ جو اس بات کو نہیں سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں اور یہ سب کامیابی اللہ کی طرف سے ہے، اس طریقے کو اقتدار حاصل کرنے کے لیے ایک کامیاب طریقہ سمجھنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی چند جھوٹے مدعیان نبوت (نبوت کا دعویٰ کرنے والے) پیدا ہو گئے اور انہوں نے کئی ایسے قبیلوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا جن کے دلوں میں ابھی تک اسلام پختہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ فتنہ اور زیادہ پھیل گیا۔ مسلیمہ کذاب، اسود عنسی اور

طلیحہ بن خویلد وغیرہ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مردوں کی دیکھا دیکھی عورتوں کو بھی نبی بننے کا شوق چرایا اور ایک عورت نے جس کا نام سجاح تھا نبوت کا دعویٰ کیا اور پھر اس نے ایک دوسرے جھوٹے نبی مسیلمہ سے شادی کر لی۔ ان کا فتنہ بڑھتا جا رہا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدا میں ہی اس فتنہ سے سابقہ بڑا۔

3.2- مرتدین کا مسئلہ

اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کی وجہ سے عرب کے بہت سے ایسے قبیلے جو دل سے اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے تھے صرف اس لیے مسلمان ہو گئے تھے کہ ان میں مسلمانوں کی فوجی قوت کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان قبیلوں کے سردار یہ سمجھے کہ اب وہ بادشاہ نہیں رہا جس نے سب کو مغلوب کر لیا تھا۔ چنانچہ عرب کے بہت سے سردار اپنے قبیلوں سمیت مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کا بادشاہ بن گیا۔ نعمان بن منذر نے بحرین پر قبضہ کر لیا۔ لقیط بن مالک نے عمان میں بغاوت کر دی اور کندہ کے علاقے میں کئی بادشاہ پیدا ہو گئے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دوسرا مسئلہ تھا جو پریشانی کا باعث تھا۔

3.3- مانعین زکوٰۃ

اسلام نے مسلمانوں پر جو عبادتیں فرض کی ہیں ان میں سے ایک اہم عبات زکوٰۃ بھی ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ اپنے مال میں سے ایک مقرر حصہ غریبوں مسکینوں کے لیے دینے کا نام ہے۔ زکوٰۃ دینے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ مالدار لوگ اپنی زکوٰۃ حکومت کے پاس جمع کرا دیں اور حکومت مستحق لوگوں پر خرچ کرے اس طرح زکوٰۃ ایک جگہ جمع کرنے اور اسے کسی پروگرام کے مطابق خرچ کرنے میں بہت فائدے ہیں۔

چونکہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ حکومت کو دے دینا لوگوں کو بہت مشکل لگتا تھا اس سے مال میں کمی آتی

تھی اس لیے کئی قبیلوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بلکہ کچھ لوگ اپنے قبیلوں کے نمائندہ بن کر دربار خلافت میں آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہم لوگ اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ دین کی باقی تمام باتوں پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔ ہمیں صرف زکوٰۃ کی رعایت دے دی جائے۔

اس وقت ملک کے حالات بہت خراب تھے۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ فی الحال ان کا مطالبہ مان لیا جائے کیونکہ سب لوگوں سے ایک ہی دفعہ لڑائی کرنا آسان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بے خوف اور بہادر آدمی نے بھی یہی رائے دی کہ وقتی طور پر ان کا یہ ناجائز اور شریعت کے خلاف مطالبہ مان لینا چاہیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ تھا کہ جو لوگ باقی سارے دین کو مانتے ہیں صرف ایک زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر رہے ہیں ان کے خلاف تلوار اٹھانا جائز بھی ہے یا نہیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

> "یہ ممکن نہیں کہ میرے جیتے جی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں کسی قسم کی کمی کر دی جائے"۔

یہ تیسری مشکل تھی جو آپ کو خلافت کے ابتدائی دنوں میں پیش آئی۔

3.4- حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی

پچھلے یونٹ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے مقابلہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (جن کی عمر اس وقت سترہ سال تھی) کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا تھا۔ لیکن یہ لشکر ابھی مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور سب لوگ مدینہ واپس آ گئے۔ اب اسے بھیجنے کا مسئلہ در پیش تھا ایسے حالات میں جبکہ پورے ملک میں بغاوت، سرکشی اور مختلف قسم کی شورشیں برپا ہو گئی تھیں سارا عالم اسلام خطرے میں تھا، یہاں تک کہ مدینہ بھی کافروں اور مرتدوں کے نرغے میں

تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کا خیال یہ تھا کہ ان حالات میں دارالحکومت کو فوج سے خالی کر دینا خطرناک ہوسکتا ہے۔ اگر لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا جائے اور کوئی مرتد قبیلہ مدینہ کو خالی دیکھ کر حملہ آور ہو جائے تو اس کا دفاع کیسے کیا جائے گا یہ چوتھا بڑا مسئلہ تھا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے آغاز میں پیش آیا۔

3.5- مشکلات کے حل کا طریق کار

خلیفہ اول نے تمام خطرات کے باوجود سب سے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی سخت مخالفت کی گئی لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت نے یہ گوارا نہ کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل کو ملتوی کر دی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کر دیا اور خود دور تک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سواری کے ساتھ پیدل چلتے رہے اور انہیں ہدایات دیتے رہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور جانشین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدل ساتھ چلیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں ورنہ میں اترتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس میں کوئی حرج نہیں اگر میں بھی تھوڑی دور تک اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلودہ کرلوں۔ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے بعد مدینہ مجاہدین سے تقریباً خالی ہوگیا تھا۔ دارالحکومت کو خالی دیکھ کر مرتد اور باغی قبیلے مدینہ کے گردونواح میں جمع ہونے شروع ہو گئے تاکہ موقع پا کر حملہ کر دیں اور اسلامی مرکز کو ختم کر ڈالیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی محنت سے دارالحکومت کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ شہر میں داخل ہونے والے تمام اہم راستوں اور ناکوں پر حفاظتی چوکیاں قائم کیں تاکہ خطرے کی صورت میں شہر کے لوگوں کو بروقت خبردار کیا جا سکے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جب تک واپس نہیں آیا آپ رضی اللہ عنہ نے دوسرے شورش پسندوں اور باغیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ چالیس روز کے بعد

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کامیابی کے ساتھ واپس آئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کران کا شاندار استقبال کیا۔

لشکر اسامہ کی واپسی کے بعد آپ رضی اللہ عنہ خود لشکر لے کر مدینہ کے گردونواح میں جمع ہونے والے باغیوں کی سرکوبی کے لئے چل پڑے اور تمام باغی قبیلوں کو پے در پے شکستیں دے کر منتشر کر دیا۔ان کے بعد مدعیان نبوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ بنو اسد قبیلہ کے سردار طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا تھا اور اپنے قبیلے کے علاوہ بنو طے اور بنو غطفان قبیلوں کو بھی گمراہ کر کے اپنے ساتھ بنو غطفان کا سردار عیینہ بن حصن فزاری کو بھی ملا لیا تھا۔ عیینہ بن حصن، طلیحہ کا بہت بڑا مددگار تھا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کی سرکوبی کے لیے مقرر فرمایا۔قبیلہ بنو طے کے سردار حاتم طائی کے بیٹے عدیؓ بن حاتم بہت پکے اور سچے مسلمان تھے۔انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اپنے قبیلے کے لئے تین دن کی مہلت لی اور اس اثناء میں لوگوں کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوگئے اور قبیلہ طے اور قبیلہ جدیلہ کے تقریباً ایک ہزار آدمی طلیحہ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج سے آملے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے پیروکاروں کو قتل کیا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔عیینہ نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔طلیحہ شکست کھانے کے بعد شام کی طرف بھاگ گیا اور ایک عرصے تک مختلف ممالک کی خاک چھانتا رہا۔ بالآخر دوبارہ مسلمان ہو گیا اور مدینہ پہنچ کر دربار خلافت سے معافی مانگ لی۔

نبوت کا ایک مشہور جھوٹا دعوے دار مسیلمہ تھا اسے مسیلمہ کذّاب کہتے ہیں یعنی بہت زیادہ جھوٹا۔اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوت میں شریک ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ میں خط بھی لکھا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ اور بھی دلیر ہو گیا۔اس نے چالیس ہزار صحرائی عربوں کا لشکر جمع کر لیا۔مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مامور کیا۔عکرمہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت کی تھی کہ جب تک

شرجیل رضی اللہ عنہ کا لشکر نہ پہنچ جائے مسیلمہ سے جنگ شروع نہ کی جائے لیکن انہوں نے شرجیل رضی اللہ عنہ کی فوج کا انتظار کئے بغیر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ بہت بہادر اور جنگجو تھا۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو شکست ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے اور انہیں مدینہ واپس بلا لیا۔ اس دوران میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو شرجیل کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مسیلمہ سے مقابلہ ہوا۔ اس نے اپنے قبیلے اور پیروکاروں کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے لیکن چند غیرت مند صحابہ رضی اللہ عنہم کے تدبر اور ہمت سے ان کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ شدید جنگ میں ہزیمت اٹھانے کے بعد مسیلمہ اپنے پیروکاروں کو لے کر قلعہ میں بند ہو گیا لیکن ایک دلیر انصاری براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت اور بہادری سے قلعے کی دیوار پھاند کر اندر سے دروازہ کھول دیا۔ مسلمانوں کی فوج قلعہ کے اندر داخل ہو گئی اور وہاں ایک بار پھر لڑائی کا بازار گرم ہوا۔ آخر کار مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور اس کے اکیس ہزار لشکری میدان جنگ میں کام آئے۔ تقریباً بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں سے کئی حافظ قرآن اور بڑے درجے کے صحابی تھے۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی۔ بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔

نبوت کا تیسرا مدعی اسود عنسی تھا۔ اس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے رفتہ رفتہ اتنی طاقت حاصل کر لی کہ سارا یمن اس سے خوف کھانے لگ گیا تھا لیکن اس کے ایک غلام فیروز دیلمی نے موقع پا کر رات کو اس کے مکان میں داخل ہو کر اُسے قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اسی مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دے دی۔ لوگوں نے جب اشہد ان محمد رسول اللہ کے الفاظ سنے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اسود عنسی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح عہد صدیقی کے شروع میں ہی نبوت کے تمام جھوٹے دعوے داروں کا قلع قمع کر دیا گیا اور جب مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا تو ان کے پیروکار خود بخود اسلام کی طرف واپس آ گئے۔

مدعیان نبوت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی طرف توجہ کی۔

یہ وہ لوگ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام چھوڑ کر واپس اپنے پہلے دین میں چلے گئے تھے۔ مرتد کے بارے میں دین اسلام میں حکم موجود ہے کہ جو شخص اسلام چھوڑ جائے اسے چند دن کے لیے اصلاح کا موقع دیا جائے۔ اگر وہ دوبارہ حلقہ بگوش اسلام نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ یوں بھی بنو اسد، بنو تمیم اور بنو حنفیہ کا انجام سب کے سامنے تھا۔ اس لئے اکثر قبائل دوبارہ مسلمان ہو گئے اور جو تھوڑے بہت بحرین، حیرہ، عمان، کندہ اور حضر موت وغیرہ میں رہ گئے تھے۔ اسلامی لشکر نے ان کا استیصال کر دیا اور ایک سال کے اندر سب قبائل دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

سب سے مشکل مسئلہ ان لوگوں کا تھا جو دین اسلام کے باقی تمام احکامات پر عمل کرنے کو تیار تھے۔ صرف زکوٰۃ دینے پر آمادہ نہ تھے اور آپ اور پڑھ چکے ہیں کہ کئی ایک صحابہ کو ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے جواز میں شبہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جو لوگ باقی سارے دین کو مانتے ہیں صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا جرم اتنا سنگین نہیں کہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دینی بصیرت سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنے کو جائز کہے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ کے خلاف فوجی دستے بھیجے اور ایک ایک کر کے سب سے زکوٰۃ وصول کر لی۔

بعد میں سب صحابہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے صحیح ہونے کا قائل ہونا پڑا کیونکہ اس وقت اگر ان لوگوں کے ساتھ ذرا بھی نرمی برتی جاتی تو دین کے مشکل کاموں کو چھوڑنے کی ایک راہ کھل جاتی اور بعد میں لوگ نماز روزے وغیرہ کو چھوڑ کر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے دن سے ہی یہ دروازہ بند کر دیا اور یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص دینی فرائض میں سے کسی کا بھی منکر ہے وہ مسلمانوں کی جماعت کا فرد نہیں ہے۔ مسلمان حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرے۔

اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک ایک کر کے تمام مشکلات پر قابو پا لیا۔

3.4- اہم نکات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت سنبھالتے ہی جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ درج ذیل ہیں:

۱: نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کا فتنہ۔

۲: مرتدین کی شورش

۳: منکرین زکوٰۃ کا مسئلہ

۴: لشکر اسامہ کی روانگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تمام مشکلات کو اپنے تدبر سے بہت عمدہ طریقے سے حل فرمایا۔ آپ نے پہلے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ کیا اور اس کی واپسی کے بعد مدعیان نبوت اور مرتدین کا قلع قمع کیا اور پھر منکرین زکوۃ کی سرکوبی فرمائی اور ایک سال کے اندر تمام فتنے ختم کر کے امن و امان کی فضا بحال کر دی۔

۴...... فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کے مشرق ومغرب میں اس وقت کی دو عظیم الشان سلطنتیں تھی۔ مشرق میں ایران اور مغرب میں روم قدیم زمانے سے ان دونوں سلطنتوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ عرب کے وسیع وعریض علاقے پر قابض ہو کر آزاد اور جنگجو عربوں کو غلام بنالیا جائے۔ ایران نے اس مقصد کے لیے کئی بار عرب پر فوج کشی کی اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کیا اور عربوں کو مطیع بنا کر ان سے خراج بھی وصول کیا لیکن عرب کے لوگ بہت بہادر، آزاد طبع اور غیور تھے اور غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لئے جب کبھی موقع ملتا بغاوت کر کے ایرانی تسلط سے نجات حاصل کر لیتے بلکہ چند بار عربوں نے آگے بڑھ کر عراق پر قابض ہو کر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔

ایرانی اپنی نسل کو دنیا بھر میں سب سے بہتر اور افضل سمجھتے تھے۔ انہیں اپنی تہذیب اور تمدنی ترقی پر بہت ناز تھا۔ وہ عربوں کو بدو، جاہل اور اجڈ کہہ کر پکارتے۔ ان کے بود وباش، خوراک، لباس، رہن سہن الغرض ہر چیز سے نفرت کرتے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے یہی وجہ تھی کہ جب ۶ ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی اور خطوط ارسال فرمائے تو ایران کے خسرو پرویز نے غضبناک ہو کر نامہ مبارک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا، میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے پھر یمن کے عامل کو فرمان بھیجا کہ فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مختلف قبائل کو جو آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے اور جھگڑتے رہتے تھے آپس میں اخوت اور محبت کے رشتے میں جوڑ دیا اور اسلام کے جھنڈے تلے ایک منظّم اور مضبوط اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ یہ ریاست جو کہ مدینہ کے شہر سے شروع ہو کر چند سالوں میں پورے

جزیرہ نمائے عرب پر پھیل گئی تھی، ایرانیوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئی تھی۔ ایرانی اس بڑھتے ہوئے خطرے کو موقع پا کر ختم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلمان بھی اس سے غافل نہیں تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ بھی احساس رہتا تھا کہ ایرانی کسی بھی وقت اس نئی ابھرتی ہوئی طاقت کو دبانے کی کوشش کریں گے۔

4.1- عراق کی مہم

اتفاق سے اس زمانے میں ایرانی سلطنت داخلی اختلافات اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ ایران کا بادشاہ یزدگرد نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے حکومت کرتی تھی۔ عراق اس وقت ایران کا قبضہ میں تھا اور عرب کے وہ قبائل جو عراق کی سرحد پر آباد تھے اور ایرانیوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے رہتے تھے، ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش میں رہتے جب ایرانیوں سے ان کے ظلم کا انتقام لیا جا سکے چنانچہ عرب کے قبیلہ وائل اور عراقیوں میں شدید جھڑپیں شروع ہو گئیں اور وائل قبیلہ کے سردار مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے اپنے قبیلہ اور آس پاس کے عربوں کو منظم کر کے چھوٹے چھوٹے معرکے سر کرنے شروع کر دیئے۔

مثنیٰ بن حارثہ اسلام لا چکے تھے، انہیں احساس تھا کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ ایران کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ نہیں کر سکتے چنانچہ وہ مدینہ منورہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور عراق پر باقاعدہ حملہ کرنے کی اجازت اور مدد مانگی، حضرت خالد بن ولید اس وقت مدعیان نبوت اور مرتدین کی سرکوبی کی مہموں سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں مثنیٰ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی فضا جنگ کی صورت میں بدل گئی۔ انہوں نے عراق کے ایرانی حکمران ہرمز کو لکھا کہ:

۱: اسلام قبول کر لو۔

۲: ورنہ جزیہ ادا کر کے امان حاصل کر لو

۳: اگر ان میں سے کوئی شرط منظور نہ ہو تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ تمہیں ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کو اتنا ہی محبوب رکھتی ہے جتنا کہ تم زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔ ہرمز نے یہ خط شاہ ایران

کو بھیج دیا اور خود بہت بڑی فوج جمع کر کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آ گیا۔ اس جنگ میں ایرانی فوجیوں کی ایک جماعت نے اپنے آپ کو آہنی زنجیروں میں جکڑ لیا تھا تاکہ میدان جنگ سے بھاگ نہ سکیں۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی۔ مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ ہرمز کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور وہ خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خبر ملی تو بہت خوش ہوئے۔

ادھر شاہ ایران نے ہرمز کی کمک کے لیے مشہور جرنیل قارن کی سرکردگی میں بہت بڑا لشکر روانہ کیا۔ راستے میں انہیں ہرمز کی موت اور شکست کی خبر ملی۔ اسی اثناء میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قارن کی فوج کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ قارن ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس پر دھاوا بول دیا۔ ایرانیوں کو سنبھلنے کو بھی موقع نہ ملا۔ قارن مارا گیا۔ اس کے تیس ہزار سپاہی قتل ہوئے اور ایرانی شکست سے دوچار ہو گئے۔

اس دور میں ایران میں اقتدار اردشیر کے پاس چلا گیا تھا اسے جب ایرانیوں کی اس شکست کی خبر ہوئی تو سخت غضبناک ہوا اور اپنے دو بڑے جرنیلوں آدرزگر اور بہمن جادویہ کو بہت بڑے لشکروں کے ساتھ انتقام لینے کے لیے روانہ کیا۔ دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگی حکمت عملی یہ اختیار کی کہ اپنی فوج کا کچھ حصہ آس پاس کے نشیبی علاقوں میں چھپا دیا اور جب ایرانی لڑائی لڑتے لڑتے تھک گئے تو مسلمان نشیب سے اچانک نکل آئے اور اس تازہ دم فوج نے ہلہ بول دیا۔ ایرانی اس نئے حملے سے بدحواس ہو گئے اور بھاگ نکلے۔ ان کا سپہ سالار آدرزگر فرار کی حالت میں پیاس کی شدت سے دم توڑ گیا۔

بعد ازاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بکر کے ان عیسائی عربوں کو سبق سکھایا جو بہمن جادویہ کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ ان معرکوں سے فارغ ہو کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ کا رخ کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کا محاصرہ کیا ہی تھا کہ حیرہ والوں نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ کے بدلے صلح کی پیش کش کی جسے

خالد رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا اور یہ اعلان کیا کہ اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکے تو تم پر کوئی رقم واجب نہیں مسلمانوں کا یہ حسن سلوک دیکھ کر آس پاس کے سرداروں نے بھی جزیہ دے کر صلح کر لی۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو کو حیرا میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود شمال کی طرف پیش قدمی کی شروع کی اور عین التمر کے مقام پر بہرام چوبین سے مقابلہ ہوا بہرام کی مدد کچھ عربی قبیلے بھی کر رہے تھے جن کا سردار عقہ نام کا ایک آدمی تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عقہ کو گرفتار کر لیا۔ اس کی شکست خوردہ فوج قلعہ بند ہوگئی۔ بہرام خود تو بھاگ گیا البتہ خالد نے قلعہ فتح کر لیا۔

عرب کے کچھ عیسائی قبائل دومتہ الجندل کے مقام پر جمع ہوئے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی۔ آپ نے عیاض بن غنم کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی۔ خالد کے پہنچتے ہی عیسائی حواس باختہ ہوگئے، ان کے ایک سردار نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کی جائے لیکن دوسرا سردار جس کا نام جودی تھا نہ مانا۔ آخر بڑی فوج لے کر میدان جنگ میں آیا اور مارا گیا۔ ایک قبیلے بنو کلب کے سوا خالدؓ بن ولید نے سب کا صفایا کر دیا۔

خالد رضی اللہ عنہ کی اطلاع ملی کہ ایرانی نئے سرے سے حملے کی تیاری کر رہے ہیں اور فراض کے مقام پر ان کی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں۔ فراض ایک اہم جگہ تھی جہاں شام، عراق اور حیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس کی حفاظت کے لیے رومیوں، ایرانیوں اور عیسائی عربوں نے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ لیکن قوت کے نشے میں سرشار کفار کی فوجیں دریا پار کر کے حملہ آور ہوگئیں۔ مسلمان انتہائی بے جگری سے لڑے۔ کافروں کی فوج سے اکثر سپاہی مارے گئے جو جان بچا کر بھاگتے ہوئے دریا میں غرق ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی تقریباً تمام فوج برباد ہوگئی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حج کرنے چلے گئے اور عراق کا محاذ مثنیٰ کے سپرد کر گئے۔ حج سے فارغ ہوئے تو انہیں شام کی مہم پر بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد ایران میں کون سے معرکے ہوئے اور مسلمانوں نے کیسے اور کب ایران فتح کیا اس کی

تفصیلات اگلے یونٹ میں پڑھیں گے۔

مشغلہ:

اوپر دیئے ہوئے جگہوں کا نام نیچے نمبر وار لکھئے اور پھر نقشہ میں یہ مقامات تلاش کیجئے:

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۵: ....

۶: ....

۷: ....

4.2- شام کی مہم

شام کا علاقہ قیصر روم کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ رومی عیسائی مذہب کے پیروکار تھے اور اپنے آپ کو دینی اعتبار سے بھی مسلمانوں سے برتر سمجھتے تھے چنانچہ مسلمانوں سے ان کی مخالفت کے اسباب صرف سیاسی ہی نہیں تھے بلکہ دینی بھی تھے عیسائی مسلمانوں کے خلاف کارروائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ ابھی اوپر ہم پڑھ چکے ہیں کہ عراق کی مہم میں عرب عیسائی قبائل بار بار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آتے رہے اور مسلمانوں کے مقابلے میں مجوسیوں کی حمایت کرتے رہے۔

شام کے عیسائی مسلمانوں کی دشمنی میں زیادہ ہی پیش پیش تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو لوٹ لیا تھا اور دوسرے سفیر حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا اور حالانکہ دنیا کے کسی مذہب اور کسی سیاسی نظام میں کبھی بھی سفیروں کا قتل جائز نہیں رہا۔ سفیر بڑے بڑے ظالم اور جابر بادشاہوں کے دربار میں ایسے پیغام لے کر جاتے جو ان بادشاہوں کے لیے نا قابل برداشت ہوتے لیکن سفارتی آداب کا تقاضا ہے کہ سفیروں کی جان اور مال سے تعرض نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انہیں سفیروں کا بدلہ لینے کے لیے مجاہدین بھیجے جنہوں نے موتہ کے مقام پر رومیوں سے جنگ کی۔ اس لڑائی میں حضرت زید بن حارثہ اور کئی بڑے بڑے صحابہ شہید ہوئے۔ پھر ۹ ھ میں مدینہ میں یہ اطلاع ملی کہ رومی ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر اسلامی سرحد پر رومیوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری اور مجاہدین کو لے کر تبوک کے مقام تک تشریف لے گئے۔ اس موقع پر اگرچہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی لیکن رومیوں کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا تھا چنانچہ اسی خطرے کے انسداد اور حضرت زید بن حارثہ کے انتقام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے چند روز قبل حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر شام کی طرف بھیجا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور لشکر جو ابھی تک مدینہ کے باہر ٹھہرا ہوا تھا واپس آ گیا جسے بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روانہ کیا (تفصیل آپ اسی یونٹ میں اوپر پڑھ چکے ہیں)۔

رومیوں کے حملے کے خطرے کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی سرحد پر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو تھوڑی سے جمعیت کے ساتھ متعین فرمایا اور یہ ہدایات دیں کہ رومیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر جنگ نہ کی جائے اور ان کے علاقے میں ان کا تعاقب کیا جائے البتہ اگر رومیوں کی جانب سے جنگ میں پہل ہو تو ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔

مگر رومیوں نے اسلامی سرحد پر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ مسلمان جنگی اقدامات پر مجبور ہو گئے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے رومی فوج کی تیاری اور ان کی نقل و حرکت کے بارے میں دربار خلافت کو اطلاع

دے کر جنگ کی اجازت حاصل کر لی اور رومیوں کو اندرون ملک دور تک دھکیل دیا۔ اسلامی فوج بحر مردار تک جا پہنچی۔ مدینہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی کہ ان کے لیے کمک آرہی ہے تو وہ انجام سے بے پرواہ ہو کر اور آگے بڑھ گئے لیکن رومی جرنیل ماہان کے ہاتھوں شکست کھائی تاہم بروقت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی امداد پہنچ جانے کی وجہ سے اسلامی فوج مکمل تباہی سے بچ گئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صورت حال کی اطلاع ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے ۱۳ ہجری میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا۔

رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ چھڑ گئی جس کے لیے مدینہ سے افواج بھیجنے کے ساتھ ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عراق کی مہم مثنی بن حارثہ کے سپرد کر کے خود شام چلے جائیں۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شام پہنچ کر کئی معرکے سر کئے اور دمشق کا معرکہ جاری تھا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

۵...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرض وفات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی

جمادی الثانی ۱۳ھ میں سوا دو سال کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کا بخار رہا۔ اس اثناء میں مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ جب مرض زیادہ بڑھ گیا اور زندگی سے مایوسی ہوگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر جانشینی کے بارے میں مشورہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کر کے فرمایا کہ مجھے ان سے زیادہ موزوں کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اہل ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن وہ سخت گیر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رائے طلب کی گئی تو انہوں نے کہا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اس قدر سخت مزاج ہیں اور جب آپ نہیں ہوں گے تو نہ معلوم وہ کیا کریں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا کہ وہ سخت اس لئے تھے کہ مجھے نرم دیکھتے تھے۔ اب خلافت کا بوجھ ان پر پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ عمر رضی اللہ عنہ کی سخت گیری سے واقف ہیں اس کے باوجود انہیں ہم پر مسلط کر رہے ہیں۔ ذرا سوچ لیجئے کل خدا کو کیا جواب دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''میں عرض کروں گا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو ان میں سب سے بہتر ہے۔''

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت لکھوائی اور حکم دیا کہ مسلمان وصیت سننے کے لیے مسجد میں جمع ہو جائیں۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کے غلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں

جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کی وصیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انتہائی کمزوری کے باوجود بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کو اپنا جانشین نہیں بنایا بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین بنایا ہے جو میری دانست میں سب سے بہتر شخص ہیں کیا تم میرے اس تقرر سے مطمئن ہو''۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے دستور العمل ثابت ہوئیں۔

اس فرض سے فارغ ہو کر ذاتی اور خانگی امور کے بارے میں اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہدایات دیں اور پھر فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو اس وقت جو کپڑا میرے بدن پر ہے اور اس کو دھو کر مجھے اس میں کفن دے دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یہ تو پرانا کفن کے لیے نیا کپڑا ہونا چاہیے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''زندہ، مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ میرے لیے یہی پھٹا پرانا بس ہے''۔

پیر کے روز جمادی الثانیہ ۱۳ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

۶...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو فوراً متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی ریاست جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ سخت حالات کا شکار ہو گئی ہر طرف بغاوتوں اور فتنوں کا زور شور تھا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولوالعزمی کے باعث ایک مرتبہ پھر تمام ممالک عرب کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کیا۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلامی ریاست کا دوسرا بانی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت کی خاص خاص باتیں کیا تھیں:

(خلافت راشدہ کی خصوصیات آپ یونٹ نمبر ۱۷ میں پڑھیں گے)

6.1- نظام خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ڈالی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اپنا انتخاب جمہوری طریقے سے ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے جتنے بڑے کام کئے سب کے بارے میں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اگر چہ آپ رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ مجلس شوری قائم نہیں کی تھی (باقاعدہ مجلس شوریٰ کا قیام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمل میں آیا جس کی تفصیل آپ یونٹ نمبر ۱۶ میں پڑھیں گے) لیکن تمام اہم معاملات مثلاً شام پر لشکر کشی، منکرین زکوۃ کی سرکوبی، مدعیان نبوت کا

خاتمہ، عراق کی مہم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی وغیرہ تمام معاملات پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور ہر اہم معاملہ میں ممتاز انصار و مہاجرین سے رائے لی جاتی تھی۔

6.2- ملکی نظم و نسق

آپ رضی اللہ عنہ نے پورے عرب کو دس حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ پر ایک امیر مقرر فرمایا جو وہاں کا حاکم بھی ہوتا تھا اور قاضی بھی اور دارالخلافہ میں تقریباً ہر محکمہ کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کئے گئے تھے، مثلاً حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دربار خلافت کے کاتب (سیکرٹری) تھے۔

6.3- فوجی نظام

عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی شوق جہاد میں شریک ہوجاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی یہی صورت حال برقرار رہی۔ البتہ آپ رضی اللہ عنہ فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستے کا علیحدہ سالار مقرر کر دیتے اور پھر ان سب کو ایک سپہ سالار اعظم کے تحت کر دیا جاتا۔ فوجوں کو حملہ کے وقت خاص ہدایت ہوتی کہ فصلیں، کھجور اور پھلدار درخت ویران نہ کریں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں کسی سے دغا نہ کریں، گرجاؤں کو تباہ نہ کریں اور جزیہ ادا کرنے والوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے سامان جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام کیا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی اس کا ایک معقول حصہ اسلحہ کی خریداری اور جنگی سامان پر خرچ کیا جاتا۔ فوج کی اخلاقی تربیت کا انتظام ہوتا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے۔

6.4- بیت المال کی تعمیر

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دنوں میں بیت المال تعمیر کرایا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے خزانے میں پیسے جمع نہیں کیے بلکہ جو کچھ آتا آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت بیت المال میں صرف ایک درہم موجود تھا۔ بیت المال کے خزانچی سے معلوم کیا گیا کہ اب تک بیت المال میں کس قدر مال آیا تو اس نے بتایا کہ دو لاکھ دینار لیکن وہ سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مستحقین پر خرچ فرما دیئے اور خود آپ کا یہ حال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیت المال سے جو تنخواہ مقرر کی گئی تھی اس میں بمشکل آپ کا گزارہ ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے روز کے خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک بار کوئی میٹھی چیز پکانی چاہی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تنخواہ اتنی کم کر دی اور فرمایا کہ معلوم ہوا کہ جتنی رقم تم روزانہ بچاتی رہی ہو وہ ہماری ضرورت سے زائد ہے۔ اس کے بغیر بھی ہمارا گزارا ہو سکتا ہے۔ وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بیت المال کی ایک خادمہ اور دو اونٹنیاں تھیں جو آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی گئیں۔

6.5- اہم نکات

۱: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بغاوتوں کو فرو کر کے از سرِ نو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔

۲: آپ رضی اللہ عنہ نے حکومت کا نظام مشورے پر رکھا۔ آپ ہر اہم معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

۳: آپ رضی اللہ عنہ نے پورے ملک کے نظم و نسق کو چلانے کے لیے دس حصوں میں تقسیم کر دیا تھا ہر حصہ کا ایک حاکم مقرر کر دیا تھا

۴: فوجی نظام کو با قاعدہ بنانے کے لیے فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے ہر دستہ کا سپہ سالار مقرر فرماتے اور تمام سپہ سالاروں پر ایک سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کیا جاتا۔

۵: آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال تعمیر کرایا لیکن خزانے میں پیسے جمع نہیں کیے۔

۷...... خود آزمائی

۱: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام کیا تھا؟

۲: آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا کیا نام تھا اور کنیت کیا تھی؟

۳: اسلام لانے والوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کتنے نمبر پر ہیں؟

۴: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق ہے؟

۵: غار ثور مکہ سے کتنے میل کے فاصلہ پر ہے؟

۶: مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا خدمات انجام دیں؟

۷: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پاس تھے؟

۸: سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کون کون تھے؟

۹: وہ کون سے صحابی ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی؟

۱۰: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس طرح راضی کیا؟

۱۱: اس عورت کا نام بتائیں جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا؟

۱۲: اس عورت نے کس سے شادی کی تھی؟

۱۳: فتنہ ارتداد کے اسباب کیا تھے؟

۱۴: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جب رومیوں کے مقابل جانے والی فوج کا سپہ سالار بنایا گیا اس وقت ان کی عمر کتنی تھی؟

۱۵: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت سنبھالتے ہی جن چار اہم مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان کے عنوانات ترتیب وار ذیل میں لکھیے؟

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۱۶: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر کتنے دنوں بعد لوٹا؟

۱۷: عدی کس کے بیٹے تھے، ان کے قبیلہ کا کیا نام تھا؟

۱۸: کذاب کا کیا معنی ہے؟

۱۹: مسیلمہ کے مقابلے میں قلعہ کی دیوار جس صحابی رضی اللہ عنہ نے پھاندی تھی ان کا نام بتائیں؟

۲۰: اسود عنسی کا قاتل کون تھا؟

۲۱: مسلمان کسی بھی قوم سے جنگ سے پہلے کون سی شرائط پیش کرتے ہیں؟

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۲۲: قارن کی فوج کے کتنے افراد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے؟

۲۳: "فراض" جنگی اعتبار سے کس لئے اہم چوکی سمجھی جاتی تھی؟

۲۴: شام کے عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جس سفیر کو قتل کر دیا اس کا نام بتائیں؟

۲۵: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تک کس سے مقابلہ کے لیے تشریف لے گئے تھے؟

۲۶: شام کے مختلف علاقوں میں الگ الگ جرنیل متعین کیے گئے۔ ذیل میں ایک کالم میں جرنیلوں کے نام اور دوسرے کالم میں علاقوں کے نام دیئے جاتے ہیں۔ انہیں آپس میں صحیح طریقے سے ملائیں اور 4.2 سے اپنے جواب کی پڑتال کریں۔

الف	ب
ابوعبیدہ	دمشق
شرجیل بن حسنہ	فلسطین
عمرو بن العاص	حمص
یزید بن ابی سفیان	اردن

۲۷: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی پر لوگوں کو کیا اعتراض تھا؟

۲۸: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کی دستاویز کس نے لکھی تھی؟

۲۹: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کون سے کپڑوں میں کفن دیا گیا؟

۳۰: وفات کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی؟

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ

تحریر: ڈاکٹر طفیل ہاشمی

نظرثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد آپ:

۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی سے آگاہ ہو جائیں گے۔

۲: خلیفۂ ثانی کی جرأت اور دلیری سے متاثر ہوں گے۔

۳: خلیفۂ ثانی کے دور کی فتوحات سے واقف ہوں گے اور یہ جان جائیں گے کہ مسلمانوں کی بہادری اور اسلام کے لئے قربانی کے جذبہ نے کس طرح دنیا کی دو عظیم سلطنتوں کو تہہ و بالا کر دیا۔

۴: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت سے متعارف ہوں گے۔

۵: اسلامی طرز حکومت میں جمہوری روایات، عوام کے حقوق، تعلیم و تربیت، حصول انصاف کی ضمانت، امن و امان، کفالت عامہ اور امانت و دیانت کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔

۶: جب بھی آپ کو قومی خدمت کی کوئی ذمہ داری ملے گی تو آپ عہد فاروقی کی روشن مثالوں کو سامنے رکھیں گے۔

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
619	حضرت عمر رضی اللہ عنہ	1-
619	1.1 نام ونسب اور خاندان	
619	1.2 قبول اسلام	
620	1.3 ہجرت	
620	1.4 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر	
620	1.5 خلافت	
621	فتوحات	2-
621	2.1 فتوحات عراق	
622	2.2 معرکۂ غازق	
623	2.3 جنگِ جسر	
624	2.4 معرکہ بویب	
624	2.5 جنگ قادسیہ	
627	2.6 فتح مدائن	
627	2.7 جلولا کا معرکہ	

	2.8 خوزستان کی فتوحات	627
	2.9 معرکہ نہاوند	628
	2.10 فتوحات شام	629
	2.11 معرکہ یرموک	629
	2.12 بیت المقدس کی فتح	630
	2.13 فتوحات مصر و اسکندریہ	631
	2.14 شہادت اور جانشینی کا مسئلہ	632
	2.15 اہم نکات	633
3-	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت	634
	3.1 جمہوری حکومت	635
	● مجلس شوریٰ	635
	● مجلس خاص	635
	● مجلس عام	635
	● عوام کا حق تنقید	636
	3.2 انتظامی اصلاحات	636
	● صوبے اور اضلاع	636
	● صوبوں کے آفیسر	637
	● سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کا معاملہ	638
	● عاملوں سے عہد	638

	● عاملوں کے اسباب کی فہرست	638
	● عاملوں کے فرائض کی یاد دہانی	638
	● زمانہ حج میں عاملوں کی طلبی	639
	3.3 معاشی اصلاحات	639
	● بیت المال کا قیام	639
	● رزعی اصلاحات	640
	● کفالت عامہ	640
	3.4 عدالتی نظام	640
	3.5 فوجداری نظام	641
	3.6 رفاہ عامہ	641
	3.7 تعلیمی اصلاحات	642
	3.8 فوجی اصلاحات	642
	3.9 سیکریٹریٹ کا قیام	643
	3.10 ذمیوں کے حقوق	643
	3.11 غلاموں کے لئے اصلاحات	644
	3.12 خارجہ پالیسی	644
	3.13 اہم نکات	645
-4	خود آزمائی	647

یونٹ کا تعارف

شروع میں اسلام لانے والے بیشتر افراد فقراء و مساکین، غلام اور باندیاں اور کم حیثیت لوگ تھے۔ جب کہ مخالفت میں بڑے بڑے سرداراور رؤسا تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے باجماعت یا کھلے بندوں نماز پڑھنا ممکن نہ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے آگاہ تھے کہ مکہ کا کوئی بہادر سپوت اگر اسلام کی آغوش میں آجائے تو مسلمانوں کی حالت بدل سکتی ہے۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

فرمایا: ''بارالٰہا! عمرؓ بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے کسی ایک کے ذریعے اسلام کو طاقت بخش۔''

دعا قبول ہوئی اور عمرؓ بن خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے اور واپس ہوئے تو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ علی الاعلان خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''تم میں سے جو شخص جاہلیت میں بہتر تھا وہ اسلام میں بھی بہتر ہے۔''

عمرؓ بن خطاب جو جاہلیت میں بہادری اور اسلام دشمنی کی علامت تھے اسلام میں غیرت اور حمیّتِ دین کا شعار بن گئے۔

ان کے لئے اسلام کے علاوہ کسی کی بالادستی قابل قبول نہیں تھی۔ ان کی بے پناہ صلاحیتوں کے پیش نظر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ وہ خود بھوکے رہتے، لیکن ان کی ریاست میں ایک کتا بھی بھوکا نہیں سوسکتا تھا۔ ان کے کرتے پر درجن بھر پیوند لگے ہوتے تھے۔ لیکن قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں ان کے نام سے زلزلہ آجاتا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے سفیر ان کے سامنے تھر تھر کانپتے تھے۔

انہوں نے اسلام کی بالادستی قائم کرنے کے لئے قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کو یوں اکھاڑ پھینکا جیسے وہ کوئی گھاس کا تنکا تھیں۔ انہوں نے صرف ملک ہی فتح نہیں کئے بلکہ ایک مکمل نظام حکومت کی تشکیل کی۔ اتنے بڑے اقتدار میں انہوں نے اپنے لئے کیا کمایا۔ یہی کہ وفات کے وقت چھیاسی ہزار درہم کے مقروض تھے اور یہ وصیت فرما کر گئے کہ نہ صرف یہ کہ میرے بیٹے بلکہ میرے خاندان بنوعدی میں سے بھی کسی کو خلیفہ نہ بنایا جائے۔

اس یونٹ میں آپ خلیفۂ دوم کی زندگی اور کارناموں کی ایک جھلک ملے گی اگر آپ مزید تفصیلات پڑھنا چاہیں تو علامہ شبلی نعمانی کی الفاروق ضرور پڑھیں۔

۱......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

1.1- نام ونسب اور خاندان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاتا تھا۔

1.2- قبولِ اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتدا میں اسلام کے سخت مخالف تھے، مسلمانوں کو بہت اذیتیں دیتے، ان کے خاندان کی ایک باندی مسلمان ہوگئی تھی، اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا، ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے، راستہ میں معلوم ہوا کہ ان کی بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، فوراً ان کے گھر پہنچے، اس وقت وہ دونوں قرآن پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے، اور انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا، لیکن وہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، بولیں، عمر! جان سے بھی مار ڈالو تب بھی اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا، یہ استقلال دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ کا دل متاثر ہوا، پھر ان کے بدن سے بہتے ہوئے خون نے بھی اپنا اثر دکھایا، کہنے لگے اچھا مجھے بھی دکھاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے، قرآن کا پڑھنا تھا کہ اتنا اثر ہوا کہ فوراً ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو اس وقت تک ۴۰،۵۰ آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن مسلمان اعلانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے یہ حالت دفعۃً بدل گئی، آپؓ نے مسلمانوں کو ساتھ لیا اور علی الاعلان کعبہ میں نماز پڑھی اور کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے۔

1.3- ہجرت

مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگ چوری چھپے ہجرت کرتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر علانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں وہ آئے اور مجھے روکے لیکن کسی میں ہمت نہ ہوئی۔

1.4- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اکثر اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کے مشورے انتہائی درست ہوتے، یہ تمام حالات دراصل سیرت نبوی کا حصہ ہیں، جنہیں آپ سیرت کی کسی بھی کتاب میں پڑھ سکتے ہیں، بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی آپ رضی اللہ عنہ مشیر اعلیٰ کے طور پر کام کرتے رہے۔

1.5- خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرض وفات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا، اس کی تفصیل آپ یونٹ نمبر ۱۵ میں پڑھ چکے ہیں، ایک بار پھر اس کا مطالعہ کر لیں۔

۲...... فتوحات

پچھلے یونٹ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایّام میں ایک طرف عراق میں جنگ جاری تھی، اور دوسری طرف اسلامی فوجیں شام کے سرحدی اضلاع میں پھیل چکی تھیں، انہیں حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور عنان حکومت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی، آیئے دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان معاملات سے کس طرح عہدہ برآ ہوئے۔

2.1- فتوحات عراق

پہلے ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق کی مہم مثنیٰ بن حارثہ کے سپرد کر کے شام جانے کا حکم دیا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ آدھی فوج لے کر شام چلے گئے اور باقی آدھی فوج عراق میں مقیم رہی، عراق میں فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور مثنیٰ بن حارثہ مزید مدد لینے کے لئے مدینہ منورہ پہنچے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری دن تھا، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ مثنیٰ کی ہر ممکن مدد کی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے تو بیعت کے لئے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار لوگ مدینہ آئے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جہاد کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا، کئی دن یہ سلسلہ جاری رہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا، آخر چوتھے روز انتہائی پر اثر تقریر کی اور مثنیٰ نے بھی لوگوں سے کہا کہ میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے، ہم نے ہر معرکہ میں انہیں نیچا دکھایا، اور ان کے زرخیز علاقے ان سے چھین لئے ہیں، اب وہ ہم سے دب گئے ہیں، یہ سن کر قبیلہ ثقیف کے حضرت ابوعبیدؓ نے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا، پھر ان کی دیکھا

دیکھی اور بہت سے لوگ جہاد کے لئے تیار ہو گئے، آپ رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدؓ کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا اور ایران کی مہم پر روانہ کر دیا۔

ایران پر ان دنوں ملکہ پوران دخت حکومت کر رہی تھی، اس نے ایران کے نامور سپہ سالار رستم کو بلایا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے ہر طرح کے اختیارات دے دیئے، رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے ان علاقوں میں جو مسلمانوں نے فتح کر لئے تھے، بغاوت کرا دی اور تمام علاقے مسلمانوں سے چھین کر انہیں سرحدوں کی طرف دھکیل دیا، رستم کو معلوم ہوا کہ مدینہ سے مسلمانوں کی فوج آ رہی ہے تو اس نے اپنے دو سرداروں جابان اور نرسی کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔

2.2- معرکہ غازق

جابان اور نرسی دو مختلف راستوں سے پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھے، غازق کے مقام پر جابان اور ابو عبید ثقفی کی فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، مقابلے میں جابان شکست کھا کر گرفتار ہوا لیکن جس شخص نے اسے گرفتار کیا تھا، وہ اسے پہچانتا نہ تھا، جابان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں، مجھ کو چھوڑ دو اور مجھ سے دو جوان غلام لے لو، اس نے منظور کر لیا، بعد میں لوگوں نے جابان کو پہچان لیا اور پکڑ کر ابو عبید کے پاس لے گئے، انہوں نے کہا کہ ایسے دشمن کو چھوڑ دینا اگرچہ ہمارے حق میں مفید ثابت نہیں ہو گا مگر ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے اس لئے بدعہدی نہیں کی جا سکتی، چنانچہ اسے رہا کر دیا گیا۔

ابو عبید رضی اللہ عنہ سے شکست کھانے کے بعد جابان کی باقی ماندہ فوج دوسرے سردار نرسی کی فوج کے ساتھ کسکر کے مقام پر جا ملی، ابو عبید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اسے بھی شکست دی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، آس پاس کے سرداروں اور رؤسائے مسلمانوں کی جرأت و ہمت دیکھی تو ابو عبید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔

2.3- جنگ جسر

جسر عربی زبان میں پل کو کہتے ہیں اس جنگ میں دریائے فرات کے پل کو بہت اہمیت حاصل ہوئی اس لئے اس کا نام جنگ جسر پڑ گیا۔

رستم کو غازق اور کسکر کی جنگوں میں شکست کی خبر ملی اس مردان شاہ بہمن کا خطاب دے کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ عربوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا، مردان شاہ عربوں سے سخت نفرت کرتا تھا، رستم نے اس لشکر کو ایران کا متبرک جھنڈا ''درفش کا دیانی'' بھی عطا کیا جس کے بارے میں مجوسیوں کا عقیدہ تھا کہ یہ جھنڈا فتح و کامرانی کی ضمانت ہے، بہمن کی فوج دریائے فرات کے مشرقی ساحل پر اتری، دوسرے کنارے پر مسلمان فوج تھی، بہمن نے پیغام بھیجا کہ یا تم دریا عبور کر کے آجاؤ یا ہمیں دریا پار کرنے دو، ابوعبیدؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم دریا عبور کر کے آرہے ہیں، مثنیٰ اور کئی دوسرے تجربہ کار افسروں نے اس اقدام کی مخالفت کی مگر ابوعبیدؓ نہ مانے اور کشتیوں کا پل باندھ کر دریا سے پار اتر گئے۔

ایرانی اپنے ساتھ بہت سے ہاتھی لائے تھے جن کے گلے میں گھنٹے لٹکا رکھتے تھے، جو بڑے زور سے بجتے جاتے، عربی گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک رہے تھے، ابوعبید رضی اللہ عنہ نے یہ صورتحال دیکھ کر گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور سب کو آواز دی کہ گھوڑوں سے اتر کر ہاتھیوں پر پل پڑو، ابوعبید رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑے ہاتھی پیل سفید پر حملہ کر دیا، اس نے بڑھ کر آپ کو گرا دیا، آپؓ کے سینے پر پاؤں رکھ کر ہڈیاں چور چور کر دیں، ابوعبیدؓ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے ان کے خاندان کے ساتھ آدمیوں نے علم سنبھالا اور شہید ہوتے گئے، آخر مثنیٰ بن حارثہ نے کمان ہاتھ میں لی لیکن اس وقت تک اسلامی فوج میں بھگدڑ مچ چکی تھی اور مزید خرابی اس بات سے ہوئی کہ ایک شخص عبداللہ ثقفی نے کشتیوں کے پل کی رسیاں کاٹ دیں تاکہ واپسی کا راستہ نہ پا کر مسلمان ثابت قدمی سے لڑیں لیکن اس سے مسلمانوں کو اور زیادہ نقصان ہوا، اور تقریباً چار ہزار مجاہد دریا کی نذر ہو گئے، مثنیٰ اپنے دستے کو لے کر ایرانیوں کے سامنے ڈٹ گئے اور انہیں روکے رکھا یہاں تک کہ پل دوبارہ باندھ کر باقی ماندہ فوج دریا کے پار اتر گئی، جنگ کے

بعد گنتی کی گئی نو ہزار کے لشکر میں سے صرف تین ہزار افراد بچ سکے تھے۔

2.4- معرکہ بویب

جنگ جسر میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اس کے دو اسباب تھے ایک یہ کہ تجربہ کار جرنیلوں کے مشورے کو نظر انداز کر کے ابوعبیدؓ دریا کے پار چلے گئے اور دوسرے یہ کہ عبداللہ ثقفی نے دریا کا پل توڑ کر واپسی کا راستہ بند کر دیا۔

جب دربار خلافت میں اس تباہی کی خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ کی مدد کے لئے مسلسل افواج بھیجیں، مثنیٰ نے بھی اپنے قبیلے سے ایک تازہ دم فوج تیار کر لی اور دریائے فرات کے کنارے بویب کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے، رستم نے ان کے مقابلے پر مہران کو بھیجا۔

اس دفعہ بھی دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا لیکن مثنیٰ نے دریا پار نہیں کیا بلکہ ایرانی فوج کو دریا عبور کرنے کا کہا، ایرانی دریا عبور کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے، دونوں طرف کے بہادروں نے اپنے جوہر دکھائے کئی مسلمان جسر کی شکست کا انتقام لینے کی قسم کھا کر آئے تھے۔ چنانچہ ان کے بے پناہ حملوں کے سامنے ایرانی فوج نہ ٹھہر سکی فوج کا سپہ سالار مہران ایک تغلی مسلمان مجاہد کے ہاتھوں مارا گیا، مثنیٰ نے بڑھ کر پل کا راستہ روک لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے اس فتح نے مسلمانوں کی ساکھ پھر بحال کر دی۔

2.5- جنگ قادسیہ

معرکہ بویب کی شکست نے ایرانی حکومت کو متزلزل کر دیا، چنانچہ ایرانیوں نے ملکہ پوران دخت کو اقتدار سے معزول کر کے یزدگرد کو بادشاہ بنا لیا اور رستم کو مجبور کیا کہ وہ خود مسلمانوں کے مقابلے کے لئے میدان جنگ میں اترے، رستم نے زور وشور سے تیاریاں شروع کیں، اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے عراق کے کئی قبیلوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی اور مثنیٰ بن حارثہ واپس عرب سرحد پر آ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایران کی جنگی تیاری کا حال معلوم ہوا تو بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، آپ نے خود اس فوج کی قیادت کرنا منظور کرلیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا، اس فوج کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں ۷۰ وہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے، تین سو ایسے تھے جنہیں بیعت رضوان میں شرکت کا شرف حاصل تھا اور ۳۰۰ وہ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق قادسیہ میں پڑاؤ ڈالا، میدان جنگ سے مدینہ منورہ تک ڈاک کا ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تمام حالت سے عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے ہدایات جاری کرتے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قادسیہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق چودہ آدمیوں کو سفیر بنا کر یزدگرد کے پاس بھیجا بادشاہ نے انہیں یک طرف اپنی بے پناہ قوت وشوکت سے مرعوب کرنا چاہا دوسری طرف روپے پیسے کا لالچ دے کر کہا کہ تم اپنے ملک واپس چلے جاؤ مگر مسلمانوں کا ایک ہی مطالبہ تھا۔

۱: مسلمان ہو جاؤ

۲: اگر یہ منظور نہ ہو تو جزیہ دینا قبول کرلو

۳: ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاو۔

یزدگرد نے برافروختہ ہوکر کہا کہ ہمیں تمہاری شرطیں منظور نہیں، جاؤ رستم آرہا ہے تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کردے گا۔

رستم بہت بڑی تیاری کے ساتھ آیا تھا، اس کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی اور ہاتھیوں کی بڑی تعداد ساتھ تھی، لیکن وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے گریز کرتا تھا، مدت تک دونوں طرف سے سفیروں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا، لیکن مسلمان اوپر دی ہوئی شرائط سے کم کسی چیز پر راضی نہ تھے، جب مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو رستم نے غصے میں آکر قسم کھا کر کہا!

’’آفتاب کی قسم، اب میں تمام عرب کو ویران کر دوں گا‘‘۔

محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں، اتفاق سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہونے کی وجہ سے حرکت کرنے سے معذور تھے، اس لئے ایک پرانے محل کی چھت پر بیٹھ کر فوجوں کو لڑا رہے تھے، محل کے نیچے ایک آدمی کھڑا کر دیا تھا، خود پرچیوں پر ہدایات لکھ کر گولیاں بنا بنا کر نیچے پھینکتے جاتے تھے اور وہ آدمی ان کی ہدایات فوج کے متعلقہ حصوں تک پہنچاتا تھا۔

لڑائی شروع ہوئی تو ایرانی ہاتھی مسلمان فوج کے لئے مصیبت بن گئے، عربوں کے گھوڑے اس ہیبت ناک مخلوق سے شناسا نہیں تھے اس لئے گھوڑے بدکنے لگے، قبیلہ بنی اسد نے بڑی جرات اور مردانگی سے ہاتھیوں کے ریلے کو روکا لڑائی جاری تھی کہ رات ہوگئی، دونوں فوجیں اپنی اپنی اقامت گاہوں میں واپس آگئیں، اس روز بظاہر ایران کا پلہ بھاری رہا۔

دوسرے دن عربوں نے اونٹوں پر سیاہ برقعے ڈال دیئے جس کی وجہ سے وہ ہیبت ناک ہوگئے، جس سے ایرانی گھوڑے بدکنے لگے، تمام دن جنگ ہوتی رہی، شام تک دو ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی ہلاک یا زخمی ہوئے لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا، اس روز مسلمان غالب نظر آتے تھے۔

مسلمانوں کے لئے سب سے مشکل مرحلہ ہاتھیوں کا مقابلہ تھا، ہاتھی جس طرف سے گزر جاتے تہس نہس کر دیتے اور عربوں کے پاس اس مشکل کا کوئی حل نہیں تھا، آخر تیسرے روز بعض ایرانی نومسلموں نے یہ مشورہ دیا کہ ہاتھیوں کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دی جائیں، چنانچہ مسلمانوں کے ایک جرات مند دستے نے ہاتھیوں پر حملہ کر دیا اور نیزوں سے ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور تلواروں سے سونڈیں کاٹ دیں ہاتھی بدحواس ہو کر پیچھے مڑے اور اپنی ہی فوج کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے، اب مسلمانوں نے اپنے حملہ کا زور بڑھا دیا سارا دن اور رات بھر جنگ ہوتی رہی، اگلے دن سہ پہر کو رستم نے دیکھا کہ ایرانی فوج پسپائی اختیار کرتی جا رہی ہے تو خود مقابلے کے لئے آیا مگر زخم کھا کر بھاگا اور جان بچانے کے لئے ایک نہر میں چھلانگ لگا دی لیکن تعاقب کرنے والے ہلال نامی مسلمان غلام نے پانی سے باہر کھینچ کر قتل کر دیا، رستم کے قتل کے

ساتھ ہی ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے انہیں شکست فاش ہوئی اور ان کے تیس ہزار آدمی مارے گئے، جنگ قادسیہ میں کم وبیش چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

2.6- فتح مدائن

فتح قادسیہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آس پاس کے سرداروں اور جاگیرداروں کو مطیع کیا اور پھر ایران کے پایہ تخت مدائن کی طرف پیش قدمی کی، راستے میں دریائے دجلہ حائل ہوگیا، ایرانیوں نے دفاعی ضرورت کے ماتحت دریا کے تمام پل تباہ کر دیئے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ دریا کے کنارے پر پہنچے تو اللہ کا نام لے کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، تمام مجاہدین نے ان کی پیروی کی اور اسلامی لشکر دریا پر سے چلتا ہوا پار ہوگیا، ایرانیوں نے یہ تماشا دیکھا تو چلا اٹھے، دیواں آمدند، دیواں آمدند" (دیو آگئے ہیں دیو آگئے ہیں) ایرانی اسی بات سے اتنے خوف زدہ ہوئے کہ انہوں نے بغیر مزاحمت کے شہر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور جزیہ ادا کر کے صلح کر لی، یزدگرد اپنے خاندان سمیت بھاگ گیا، مدائن چونکہ ایران کا پایہ تخت تھا اس لئے اس کی فتح میں بے شمار مال ودولت اور ذخیرے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

2.7- جلولا کا معرکہ

ایرانی فوج مدائن سے نکل کر جلولا کے قلعے میں جمع ہوگئی اور قلعہ کے اردگرد خندق کھود کر اپنی حفاظت کے انتظامات مکمل کر لئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہاشم بن عتبہ کو فوج دے کر جلولا کی تسخیر کے لئے بھیجا، جلولا کا قلعہ بہت مضبوط تھا، کئی ماہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر قلعہ فتح ہوگیا وہاں سے مسلمان آگے بڑھے اور حلوان پر قابض ہوگئے۔

2.8- خوزستان کی فتوحات

جلولا اور حلوان پر قبضے کے بعد عراق کی تسخیر کا کام مکمل ہوگیا تھا، مسلمانوں نے وہاں ایک نیا سرحدی

شہر بصرہ آباد کیا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس کا حاکم بنایا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہواز اور سوس کو زیر نگیں کر لیا، یزدگرد نے ہرمزان کو ایک بھاری لشکر دے کر ابوموسیٰ اشعریٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بھیجا لیکن ہرمزان کو شکست ہوئی، اسے گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا گیا جہاں اس نے اسلام قبول کر لیا، اس طرح تمام خوزستان مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

2.9- معرکۂ نہاوند

خوزستان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد یزدگرد نے پورے ملک سے ڈیڑھ لاکھ کا عظیم لشکر تیار کیا یہ فوج قم میں جمع ہوئی جہاں یزدگرد نے مردان شاہ کو اس کو اس کا سپہ سالار مقرر کر کے مقدس ایرانی جھنڈا ''درفش کادیانی'' ساتھ کر کے اسے نہاوند کی طرف روانہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اس کے مقابلے میں جانا چاہتے تھے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کے باعث یہ ارادہ ترک کر دیا اور حضرت نعمان بن مقرن کو سپہ سالار بنا کر بھیجا، نہاوند کے قریب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، مسلمانوں نے سفارت کے ذریعہ ایرانیوں کو اسلام لانے یا جزیہ ادا کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی، آخر خون ریز جنگ کے بعد مسلمان فتح یاب ہوئے، اس لڑائی میں نعمان بن مقرن شہید ہو گئے، لیکن ایرانیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور پھر وہ کہیں بھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔

اس کے بعد ایران پر لشکر کی تیاری کی گئی، ۲۱ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد فوجیں تیار کر کے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیں اور صرف ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں اسلامی فوج ہمدان، رے، طبرستان، آذربائیجان، آرمینیہ، فارس، کرمان سیستان اور مکران کے علاقے فتح کر لئے، ان دنوں میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا، حضرت احنف بن قیس نے مرو کے مقام پر اسے شکست دی، وہاں سے بھاگ کر اس نے خاقان چین کے پاس پناہ لی۔

یزدگرد کو خاقان چین کے واپس جانے کی اطلاع ملی تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لئے ترکستان

کی طرف روانہ ہوا، درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو روکا، اس نے نہ مانا تو مقابلے کر کے اس کا تمام مال و اسباب چھین لیا، یزدگرد بے سروسامان خاقان چین کے پاس پہنچا اور مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

ایران کی مکمل فتح کی خبر مدینہ پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو جمع کر کے یہ خوش خبری سنائی اور فرمایا!

''آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی، اب وہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن اگر تم بھی اسلام پر ثابت نہ رہے تو خدا تم سے چھین کر حکومت دوسروں کو دے سکتا ہے''

2.10- فتوحات شام

پچھلے یونٹ میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایران کے معرکوں کے ساتھ ساتھ شام کے محاذ پر بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ ایک روز دمشق کے لوگ کوئی تہوار منا رہے تھے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے موقع غنیمت جانا اور چند سرفروشوں کو ہمراہ لے کر کمند کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئے اور دوسری طرف اتر کر قلعے کے دروازے کھول دیئے، ایک طرف سے خالد رضی اللہ عنہ کی فوج فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہی تھی کہ دمشق والوں نے دوسری جانب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی درخواست کر دی، ابوعبیدہ، خالد کی کارروائی سے بے خبر تھے، انہوں نے درخواست قبول کر لی، چنانچہ معاہدہ صلح کی رو سے خالد رضی اللہ عنہ کا مفتوحہ علاقہ بھی اہل دمشق کو واپس کر دیا گیا۔

2.11- معرکۂ یرموک

شام کے مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی فوجیں پہلے سے طے شدہ تجویز کے مطابق دریائے یرموک کے کنارے جمع ہوگئیں، رومیوں کو جب اس اجتماع کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی تمام فوج جس کی تعداد دو

لاکھ چالیس ہزار تھی اور دریائے یرموک کے کنارے واقوصہ کے مقام پر جمع کی، ان کے خیال میں جنگی نقطہ نظر سے یہ جگہ بہت مناسب اور محفوظ تھی کیوں کہ اس کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف دریائے یرموک تھا۔لیکن جب مسلمانوں نے آگے بڑھ کر عیسائیوں کے سامنے اپنے مورچے لگا دیئے تو یہی جگہ ان کے لئے مصیبت بن گئی، وہ محصور ہو کر رہ گئے، ایک جانب دریا تھا، پشت پر پہاڑ، سامنے مسلمانوں کی فوج، بھاگ کر جان بچانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

یرموک پہنچنے کے بعد چاروں اسلامی فوجیں جو مختلف سرداروں کے ماتحت تھیں خالد بن ولیدؓ کی کمان میں دے دی گئیں، مسلمانوں کی تعداد تیس بتیس ہزار تھی، خالد نے رومیوں کے مقابلے میں فوج کو نئی ترتیب دی، ساری فوج کو ۳۸ دستوں میں تقسیم کیا ۱۸ دستے درمیان میں رکھے اور دس، دس دستے دائیں اور بائیں جانب۔

اس لڑائی میں رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ میدان جنگ سے بھاگنے کا خیال تک نہ آئے، عیسائی پادری مذہب کے نام پر برابر جوش دلا رہے تھے، رومیوں نے بہت جوش اور اہتمام سے حملہ کیا، کبھی مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوتے اور کبھی رومی۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی اور آخر کار مسلمان فتح یاب ہوئے اس لڑائی میں ایک لاکھ عیسائی مارے گئے اور تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

فتح یرموک کے بعد شامیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اسلامی فوجیں شام کے اطراف میں پھیل گئیں اور آس پاس کے تمام علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے، شام کا حاکم ہرقل اپنی عبرت ناک شکست کی وجہ سے شام سے دست کش ہو کر روم چلا گیا اور شام مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

2.12- بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس ایک ایسا شہر ہے جسے مسلمان، عیسائی اور یہودی تینوں قومیں مقدس سمجھتی ہیں، مسلمانوں کی شدید خواہش تھی کہ وہ اس شہر کو بھی حاصل کرلیں لیکن عیسائی کسی قیمت پر بھی شہر حوالے کرنے کو تیار نہیں تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے ساتھ شہر کا محاصرہ کرلیا، بہت دن گزر گئے لیکن شہر فتح ہونے میں نہ آیا، اسی دوران میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج لے کر وہاں پہنچ گئے اور محاصرہ سخت ہوگیا، بالآخر اہل شہر محاصرے کی شدت سے تنگ آگئے اور انہوں نے صلح کی درخواست کی مگر شرط یہ لگائی کہ امیر المؤمنین خود آکر معاہدہ لکھیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر آپ رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر اختیار کر لیا، شہر سے تھوڑے فاصلہ پر جابیہ کے مقام پر آپ ٹھہرے وہیں عیسائیوں کے نمائندے بھی آگئے اور معاہدے پر دستخط ہوئے، جس کی رو سے عیسائیوں کو جان، مال اور مذہب کا تحفظ دیا گیا بشرطیکہ وہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور انہیں یقین دلایا گیا کہ ان کی مذہبی عبادت گاہوں کو نہیں چھیڑا جائے گا۔

بیت المقدس کی تسخیر کے بعد سارا شام مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا تھا۔

2.13- فتوحات مصر و اسکندریہ

مصر اور اسکندریہ قیصر روم کے ماتحت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کا دائرہ نہیں بڑھانا چاہتے تھے لیکن شام کے تحفظ کے لئے مصر پر قبضہ ضروری تھا، نیز مصر کے عوام والی مصر مقوقس کے ظلم وستم سے تنگ آگئے تھے چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے چودہ ہزار سپاہ کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، مقوقس فسطاط کے قلعہ میں محصور ہوگیا، مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کرلیا اور سات ماہ کے محاصرہ کے بعد مقوقس نے صلح کی درخواست کی جو مان لی گئی۔

اس سے اگلے سال اسکندریہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور چند چھوٹے چھوٹے معرکوں کے بعد پورا مصر مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے پر عبداللہ بن ابی سرح کو عامل مقرر کیا۔

2.14- شہادت اور جانشینی کا مسئلہ

۲۳ہجری کے آخر میں مغیرہ بن شعبہ کے ایرانی غلام فیروز نے جس کی کنیت ابولولو تھی ایک ذاتی رنجش کی بنا پر فجر کی نماز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، زخم ایسا کاری تھا کہ آپ کے جاں بر ہونے کی امید نہیں تھی چنانچہ لوگوں کے اصرار پر آپ رضی اللہ عنہ نے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا یا اکثریت کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے، ان لوگوں کے نام یہ ہیں۔

۱:	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۲:	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
۳:	حضرت زبیر رضی اللہ عنہ	۴:	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
۵:	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۶:	حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ

زخمی ہونے کے تین روز بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رحلت فرما گئے، اور یکم محرم ہجری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کل مدت خلافت ۱۰ سال ۶ ماہ ۴ دن

حضور اصلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی جنہیں عشرہ مبشرہ کہتے ہیں، ان میں سے چھ کے نام اوپر مذکور ہیں باقی چار کے نام تلاش کر کے لکھئے۔

۱: .... ۲: ....

۳: .... ۴: ....

2.15- اہم نکات

۱: خلفاء راشدین میں دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، آپ قریش کی شاخ بنو عدی سے تھے۔

۲: آپ رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال مشرف با اسلام ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی

۳: تمام غزوات میں آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۴: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔

۵: آپ رضی اللہ عنہ نے ایک طرف عراق اور ایران کو فتح کر کے اسلامی ریاست کو وسعت دی۔

۶: دوسری طرف شام اور فلسطین پر اسلام کا پرچم گاڑ دیا۔

۷: تیسری طرف مصر اور اسکندریہ پر اسلامی حکومت قائم کی۔

۸: نماز فجر میں ایک مجوسی غلام نے آپ پر حملہ کیا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔

۹: آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی جانشینی کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل کی۔

۱۰: آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

۳......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سے شروع ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت مختصر بھی تھا اور اس میں انہیں کئی قسم کے فتنوں سے نمٹنا پڑا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک طرف حکومت کو وسعت دی اور دوسری طرف مکمل نظام حکومت کی تشکیل کر کے اس کے مختلف اداروں کو مضبوط اور مستحکم کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نامزد کیا تھا، آج کے دور میں اس مسئلہ نے بہت اہمیت اختیار کر لی ہے کہ اسلامی ریاست کا نظام کیسا ہونا چاہئے، اس کی کچھ تفصیل آپ یونٹ نمبر ۱۳ میں پڑھ چکے ہیں، آیئے دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت کس انداز کا تھا۔

اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پورے طور پر جمہوری تھی اور نہ یہ کہ وہ مکمل شخصی حکومت تھی، البتہ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی حکومت کا انداز جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصی حکومت سے، جمہوری اور شخصی حکومتوں میں جو سب سے بڑا فرق ہے وہ عوام کی مداخلت کا ہے، اگر حکومت کے معاملات میں عوام کو مداخلت کا حق حاصل ہو تو اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا اور اگر عوام کو مداخلت کا حق نہ دیا جائے تو شخصی حکومت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ اس اصول کے پیش نظر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت جمہوری حکومت تھی۔

3.1- جمہوری حکومت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت اپنی معیشت کے اعتبار سے ایک جمہوری حکومت تھی جس میں رعایا کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی خلیفہ کو سر عام ٹوک سکتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت میں جو چیزیں جمہوریت کی روح کے طور پر رائج کی گئیں ان کو نمبروار یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

ا) مجلس شوریٰ

جمہوریت کی بنیادی چیز مجلس شوریٰ کا قیام ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار میں سے اہل رائے اور سیاسی بصیرت رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمان بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہم مسائل میں ان لوگوں سے مشورہ لے کر اس پر عمل کرتے تھے اور اگر کوئی بہت زیادہ اہم معاملہ درپیش ہوتا تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی مشورہ طلب کیا جاتا، بسا اوقات کئی کئی دن تک مجلس شوریٰ کے اجتماع ہوتے رہتے اور ہر شخص پوری آزادی سے اپنی رائے دیتا اور پھر جس رائے پر اتفاق ہو جاتا اس پر عمل کیا جاتا تھا۔

۲) مجلس خاص

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک خاص مجلس تھی جس میں روزمرہ کے انتظامات اور معاملات کے بارے میں گفتگو ہوتی اور عام مسائل کے بارے میں صلاح ومشورہ کیا جاتا تھا، اس مجلس کے خاص ارکان حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

۳) مجلس عام

انتہائی اہم معاملات میں صوبوں میں بسنے والے قبائل کے سرداروں اور دیانت دار لوگوں کو بلایا جاتا

اوران سے مشورے لئے جاتے تھے، بالخصوص صوبوں کے گورنر مقرر کرنے میں وہاں کی رعایا کو اختیار دیا جاتا کہ وہ جس شخص کا نام بالاتفاق پیش کر دیتے اسی کو عامل بنا دیا جاتا تھا۔

۴) عوام کا حق تنقید

ان مجالس کے علاوہ ہر شخص کو خلیفہ اور گورنروں پر تنقید کرنے کا حق حاصل تھا، ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر کی حد مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو مسجد میں ایک عام عورت نے آپ کو ٹوک دیا کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ بدل لیا، تمام صوبوں سے لوگ دربار غلافت میں آتے اور بغیر روک ٹوک کے گورنروں کے خلاف شکایت کرتے، پوری اسلامی سلطنت میں عام اعلان کیا جاتا کہ جس کسی کو کوئی شکایت ہو تو پیش کرے، حج کے موقع پر تمام گورنروں کو طلب فرمایا اور لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ جس شخص کو کسی گورنر سے شکایت ہو تو آ کر انصاف حاصل کر لے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور بڑے مرتبہ کے صحابی تھے، کوفہ کے گورنر تھے لیکن جب لوگوں نے ان کی شکایت کی تو انہیں معزول کر دیا گیا۔

ان تمام اقدامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت شخصی کے بجائے جمہوری تھی۔

3.2-انتظامی اصلاحات

۱) صوبے اور اضلاع

اسلامی عہد میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پورے اسلامی ملک کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا پورے ملک کو مندرجہ ذیل صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

(۱) مکہ　　(۲) مدینہ　　(۳) شام

(۴)الجزیرہ (۵)بصرہ (۶)کوفہ

(۷)مصر (۸)فلسطین (۹)فارس

(۱۰)خوزستان (۱۱)کرمان۔

۲) صوبوں کے آفیسر

صوبوں میں مندرجہ ذیل بڑے بڑے عہدیدار ہوتے تھے۔

۱: عامل یا گورنر

۲: میر منشی (کاتب) یعنی سیکرٹری

۳: کاتب دیوان یعنی ڈیفنس سیکرٹری

۴: صاحب الخراج: ٹیکس کلکٹر

۵: افسر پولس

۶: افسر خزانہ

۷: قاضی

بسا اوقات ایک قابل اور مستعد آدمی کو ایک سے زائد عہدے بھی دے دیئے جاتے تھے، اضلاع میں صرف عامل، افسر خزانہ اور قاضی ہوتے تھے۔

عہدہ داروں کا تقرر شوریٰ کے ذریعے سے ہوتا تھا، خلیفہ صوبوں اور اضلاع کے لوگوں کو کہلا بھیجتے کہ جو شخص سب سے زیادہ اہل ہو اس کا انتخاب کر کے بھجوا اور اسی کو عامل مقرر کر دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت جو ہر شناس تھی، ہر شخص کی قابلیت کی تہہ تک پہنچ جاتے اور جو آدمی جس کام کا اہل ہوتا اس سے وہی کام لیا جاتا، عرب میں چار مشہور منتظم اور سیاست دان تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیّہ رضی اللہ عنہم، ان میں سے پہلے تین کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور زیاد بن سمیّہ کم عمر کی وجہ سے انہیں بڑا عہدہ تو نہیں دیا البتہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو کوفہ کے گورنر تھے لکھا کہ زیاد بن سمیّہ کو اپنا مشیر بنا لیں، اسی طرح جو لوگ میدان جنگ کے ماہر تھے انہیں فوجی مہارت کا نگران مقرر کیا،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرب کے تمام لائق اور قابل لوگوں کو جمع کر کے ان کو مناسب موقعوں کی خدمات سپرد کر دیں۔

۳) سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کا معاملہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضہ میں تنخواہ لینا نیکی کے خلاف سمجھتے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بڑی مشکل سے اس غلط فہمی کو رفع کیا اور لوگوں کو حق خدمت لینے کا عادی بنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ جو شخص کسی کام کی تنخواہ نہیں لے گا اسے وہ کام کرنے پر پابند نہیں کیا جا سکتا۔

۴) عاملوں سے عہد

جب کسی شخص کو عامل بنایا جاتا تو اس سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا، باریک کپڑے نہیں پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا، دربان نہیں رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھے گا۔

۵) عاملوں کے اسباب کی فہرست

جب کسی کو عامل مقرر کیا جاتا تو اس کے تمام اثاثہ کی فہرست تیار کی جاتی اور اگر بعد میں کسی عامل کے مال میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا تو اس پر مواخذہ کیا جاتا، ایک دفعہ عاملوں کے احوال کا جائزہ لیا گیا تو کئی عاملوں کے پاس زیادہ مال پایا گیا، چنانچہ ان کی آدھی جائیدادیں بیت المال میں جمع کروا دی گئیں۔

۶) عاملوں کے فرائض کی یاددہانی

عاملوں کو ان کے فرائض وقتاً فوقتاً یاد دلائے جاتے، بعض اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ عاملوں کو جمع کر کے ہدایات بھی جاری فرماتے، ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ امام بنا کر بھیجا گیا ہے، مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں، اپنے دروازے ان کے لئے بند نہ کرو کہ زبردست کمزور کو کھا جائیں اور اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہ دو"

۷) زمانہ حج میں عاملوں کی طلبی

زمانہ حج میں تمام عاملوں کو مکہ معظمہ میں حاضر ہونے کا حکم تھا اور وہاں جس شخص کو کسی عامل سے کوئی شکایت ہوتی اس کی بات سنی جاتی اور دادرسی کی جاتی۔

عام حالات میں بھی کسی عامل کے بارے میں شکایت آتی تو آدمی بھیج کر تحقیق کی جاتی تھی، بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی بھی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

3.3-معاشی اصلاحات

۱) بیت المال کا قیام:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں مختلف ذرائع آمدنی سے حکومت کو جو رقم ملتی وہ تقسیم کردی جاتی تھی، ۱۵ ہجری میں بحرین سے پانچ لاکھ کی رقم آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مدینہ منورہ میں باقاعدہ بیت المال قائم کیا اور اس کے لئے دفتر بنایا، عملہ رکھا اور حساب وکتاب کا طریقہ رائج کیا۔

بیت المال کی آمدنی زکوٰۃ، عشر، جزیہ، خراج، غنیمت کے پانچویں حصہ اور عشور سے ہوتی تھی، عشور کے نام سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نیا تجارتی ٹیکس لگایا تھا جسے آج کی اصطلاح میں ہم کسٹم ڈیوٹی کہتے ہیں، یہ سال میں ایک مرتبہ وصول کیا جاتا جو اسلامی ریاست سے باہر رہنے والے غیر مسلموں سے دس فیصد، ذمیوں سے پانچ فیصد اور مسلمانوں سے اڑھائی فی صد ہوتا تھا، اس کے بعد سارا سال بیرونی تجارت پر کوئی پابندی نہ

ہوتی، اس کے علاوہ مفتوحہ علاقوں کی سرکاری زمینوں سے جو آمدنی ہوتی وہ بھی بیت المال میں جمع ہوتی۔

۲) زرعی اصلاحات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنجر زمینوں کی آبادکاری کے لئے نہریں کھدوائیں، بند بنوائے اور آسان شرائط پر بے زمین کاشت کاروں میں تقسیم کیں، جاگیرداری نظام کا خاتمہ کیا اور جن مسلمان فوجیوں کو پہلے سے جاگیریں ملی ہوئی تھیں ان سے جاگیریں واپس لے لیں اور مسلمانوں کو مفتوحہ علاقوں میں زمینیں خریدنے کی ممانعت کردی، اس طرح زرعی پیداوار میں اضافے کے لئے اقدامات کیئے۔

۳) کفالت عامہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر شخص کا وظیفہ مقرر کیا تھا، لوگوں کی ضروریات معلوم کرنے کے لئے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے، راتوں کو شہر میں گشت فرماتے اور ہر شخص کو بنیادی ضرورتیں مہیا کی جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفالت عامہ کے بارے میں اس قدر حساس تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دجلہ کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھوکا مر گیا تو مجھ سے باز پرس ہوگی۔

3.4- عدالتی نظام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کردیا، آپ نے ہر شہر میں قاضی مقرر کیا، جو فقہ واجتہاد میں ماہر ہوتا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ صاحب حیثیت اور معزز آدمی کو قاضی مقرر کیا جائے اور قاضیوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیں تاکہ وہ نہ تو کسی سے رشوت لیں اور نہ کسی کے دباؤ میں آئیں آپ نے قانون کی حکمرانی قائم کی ہر شخص کے لئے عدالت کے دروازے کھلے تھے اور ہر ایک کو مفت انصاف مل سکتا تھا کوئی شخص قانون سے بالاتر نہ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر امیر المومنین ہوتے ہوئے خود کئی بار اپنے ماتحت قاضیوں کی عدالتوں میں حاضر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے ہر شخص کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں دی ہوئی تھی بلکہ

خاص خاص قابل لوگ لوگوں کو مسائل بتانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے، ذمیوں کو ان کے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی اجازت تھی۔

3.5- فوجداری نظام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جرائم کے خاتمہ کے لئے پولیس کا محکمہ قائم کیا، اس محکمہ کا نام ''احداث'' تھا یہ پولیس کا کام تھا کہ بازاروں میں نگرانی کریں کہ کوئی شخص ناپ تول میں کمی نہ کرے کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے، اس کے علاوہ مجرموں کی اصلاح کے لئے جیل خانے بنائے اور عادی مجرموں کے شر سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لئے بسا اوقات انہیں علاقہ بدر بھی کر دیا جاتا تھا۔

3.6- رفاہ عامہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے متعدد رفاہی کام کرائے مثلاً

۱) زراعت کی ترقی کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں، بصرہ میں گھر گھر صاف اور شیریں پانی فراہم کرنے کے لئے دجلہ سے نہر نکالی گئی، دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملانے کے لئے 69 میل لمبی نہر کھدوائی جس میں جہاز رانی ہوتی تھی۔

۲) باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے شہروں میں مہمان خانے تعمیر کروائے جہاں وہ چند روز بغیر کرایہ دیئے ٹھہر سکتے تھے، گویا مفت ریستوران کا انتظام کیا گیا تھا۔

۳) اندرون ملک سفر کو آسان بنانے کے لئے بڑے شہروں کو ملانے کے لئے سڑکیں پل اور ٹھہرنے کے لئے سرائیں اور پینے کے لئے پانی کے انتظامات کئے، مکہ اور مدینہ کے درمیان بڑی سڑک تعمیر کرائی اور ہر منزل پر سرائے، چوکی اور پانی کے چشمے تیار کروائے۔

۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ دو مشہور شہر فوجی چھاؤنی کے طور پر بنوائے، یہ دونوں شہر اسلام کی علمی اور سیاسی تاریخ میں انتہائی اہمیت رکھتے ہیں، ان کے علاوہ فسطاط، موصل اور جیزہ کی آبادکاری پر خصوصی توجہ دی۔

3.7- تعلیمی اصلاحات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورے ملک میں ہر جگہ قرآن کی تعلیم کیئے مکاتب قائم کیئے جن میں ماہر قاری اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور انہیں معقول تنخواہیں دیں، نیز کچھ لوگ اس کام پر مقرر کیئے کہ قبائل میں جا کر لوگوں کا امتحان لیں اور ناخواندہ افراد کو جبراً تعلیم دی جائے، اس کے علاوہ آپ خود بھی اپنے خطبوں میں فقہی مسائل بتاتے تھے اور فقہ و مسائل کی تعلیم کے لئے تمام بڑے شہروں میں فقہا مقرر کیئے گئے، مساجد میں باقاعدہ تنخواہ دار ائمہ اور موذن مقرر کیئے، جو ضرورت کے وقت لوگوں کو تعلیم بھی دیتے تھے، مساجد کے ساتھ مکاتب کا بھی اہتمام تھا۔

3.8- فوجی اصلاحات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی بلکہ جب فوجیوں کی ضرورت پیش آتی تو مختلف قبیلوں اور علاقوں کے لوگ اپنی خدمات پیش کر دیتے تھے، لیکن ۱۵ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ تنخواہ دار فوج قائم کی، ان کی اس طرح تنظیم کی کہ دس سپاہیوں پر ایک امیر العشرہ اور دس امراء العشرہ پر ایک قائد اور دس قائدین پر ایک امیر ہوتا اور پوری فوج میں بے شمار امیر ہوتے جو کمانڈر انچیف کے ماتحت ہوتے تھے، آپ نے رسد کا الگ محکمہ قائم کیا، ہر فوجی کو مہینے کے شروع میں رسد مل جاتی، گھوڑے کا خرچ الگ ملتا کپڑا اور تنخواہ الگ، بعض حالات میں پکا پکایا کھانا مہیا کیا جاتا تھا، فوج کے لئے ایک مخصوص وردی مقرر کی گئی، ہر لشکر کے ساتھ محکمہ جاسوسی ہوتا جو دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا اس میں مفتوحہ علاقے کے لوگ شامل ہوتے، جنگی ضرورت کے لئے قدیم ہتھیاروں کے علاوہ منجنیق دبابے اور قلعوں میں نقب لگانے والے آلات تیار کروائے

جاتے، کوفہ بصرہ اوراسی طرح مملکت کے سرحدی علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کی گئیں، ہر سال تیں ہزار نئی فوج تیار کی جاتی تھی، ہر چار ماہ بعد ہر فوجی کو گھر جانے کے لئے رخصت ملتی تھی۔

3.9- سیکریٹریٹ کا قیام

سرکاری خط وکتابت اور ریکارڈ کے لئے تاریخ کا اندراج انتہائی ضروری چیز ہے، عرب میں مختلف مشہور واقعات سے سن کا آغاز کیا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظامی اور مالی ضروریات کے پیش نظر ۲۱ ہجری میں سن ہجر کا آغاز کیا۔

مختلف محکموں کے اخراجات، بیت المال کی آمد اور خرچ، فوجیوں کے متعلق معاملات اور مختلف علاقوں سے آنے والے خطوط، دستاویزات اوران کے جوابات کا ریکارڈ رکھا جانا تھا اوراس کا نام ''دیوان'' تھا۔

زکوۃ، جزیہ اور خرچ وغیرہ کے حساب کو درست رکھنے کے لئے مردم شماری کروائی جاتی تھی۔

عرب میں مختلف رومی اور ایرانی سکے رائج تھے، اسلامی عہد میں سب سے پہلا سکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہم کی شکل میں رائج کیا جس پر الحمد، لاالٰہ الااللہ مُحَمَّدٌ رسول اللّٰہ کندہ کرایا۔

3.10- ذمیوں کے حقوق

ذمی مسلمان ریاست کے غیر مسلم شہری تھے اور معمولی جزیہ ادا کر کے وہی حقوق حاصل کر سکتے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے بلکہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھی اور ان سے فوجی خدمات نہیں لی جاتی تھیں۔ ذمیوں کو اپنے شخصی قوانین (پرسنل لاء) کے مطابق فیصلے کرنے کی آزادی تھی اور ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جاتی تھی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو بدلے میں اس مسلمان کو قتل کر دینے کا حکم تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی معاملات میں بھی بعض حالات سے رائے لی، جزیہ صرف ان ذمیوں

سے لیا جاتا تھا جو کمانے کے قابل ہوں بوڑھے، معذور اپاہج ذمیوں کو بیت المال سے وظائف دیئے جاتے تھے۔

3.11- غلاموں کے لئے اصلاحات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقوق کی بے پناہ تاکید فرمائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلامی کے سلسلے میں بعض ایسے قوانین نافذ کئے جن کی وجہ سے غلامی کم سے کم ہوگئی، آپ نے یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا، مفتوحہ علاقوں کے لوگ غلام نہیں بنائے جائیں گے، صرف میدان جنگ میں مقابلے میں پکڑے جانے والے لوگ ہی غلام بنائے جاسکیں گے اور ان کے حقوق کی اس قدر تاکید کی کہ اگر کوئی گورنر کسی غلام کی عیادت کے لئے نہ جاتا تو اسے معزول کر دیا جاتا، غلاموں کی تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کیا کہ محدّثین میں بڑے بڑے اساتذہ غلام تھے۔

3.12- خارجہ پالیسی

اسلام ایک ایسا دین ہے جو پورے روئے زمین پر اللہ کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے اور کفر کی حکومت کو گوارا نہیں کرتا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی ہمسایہ ریاستوں روم اور فارس کے حکمرانوں کے سامنے تین چیزیں پیش کیں!

۱: اسلام قبول کرلیں۔

۲: اگر یہ منظور نہ ہو تو جزیہ دے کر مسلمانوں کے ماتحت ہو کر رہیں۔

۳: اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔

اس پیش کش میں جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا وہ دوسری دونوں چیزوں سے بچ گئے، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن جزیہ دینا قبول کر لیا ان کو جان، مال، عزت وآبرو کا تحفظ دیا گیا، صرف ان لوگوں سے جنگ ہوئی جو خود جنگ پر آمادہ تھے لیکن مسلمانوں کی یہ جنگ عوام کے خلاف نہیں تھی بلکہ کفر کی طاقت کے خلاف

تھی، جب بھی کفر کی طاقت ٹوٹ گئی، اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی تو عوام پر ظلم نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ان کے حقوق عدل وانصاف سے دے دیئے گئے۔

مصر کے ایک علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ تھا لیکن جنگی نقطہ نظر سے مسلمانوں کو وہ علاقہ خالی کرنا پڑا تو انہوں نے اس علاقے کے عوام کے تحفظ کے لئے ان سے جو ٹیکس لیا ہوا تھا اس کی ایک ایک پائی واپس کردی۔

قرآن حکیم نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس طرح کئی سیاسی اور معاشرتی خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے، مثلاً یہودی اور عیسائی اپنی بیٹیوں کو مسلمان سپہ سالاروں کے نکاح میں دے کر ان سے جاسوسی کروائیں، یا ایسی عورتوں کی اولاد اسلام کے بجائے اپنی ماں کے دین سے متاثر ہو جائے، یا اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا رجحان بڑھ جائے اور مسلمان لڑکیوں کو مناسب شوہر نہ مل سکیں، اس طرح کی چیزوں کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی پر پابندی عائد کردی۔

مشغلہ:

علامہ شبلی نعمانی کی تالیف الفاروق کا مطالعہ کریں اور اس کے آخر میں سے اولیات عمر رضی اللہ عنہ کی فہرست بنائیں۔

3.13- اہم نکات

۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت شخصی حکومت کے بجائے جمہوریت کے زیادہ قریب تھا جس میں مشورے کے لئے کئی مجالس قائم کی گئی تھیں اور عوام آزادانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے تھے۔

۲: آپ رضی اللہ عنہ نے پورے ملک کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر کے ہر علاقہ کے آفیسر مقرر کیئے تھے۔

۳: آپ رضی اللہ عنہ سرکاری ملازمین کے احتساب میں کوئی رورعایت نہیں برتتے تھے، عاملوں کو تنخواہیں دی جاتی تھیں اوران کے اثاثوں کا حساب رکھا جاتا تھا، ان کے خلاف شکایات سنی جاتی تھیں اورفوراً دادرسی کی جاتی تھی۔

۴: آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال قائم کیا، اس کا دفتر بنایا، عملہ رکھا اور حساب وکتاب کا طریقہ رائج کیا، لوگوں کے وظائف مقرر کیئے۔

۵: آپ رضی اللہ عنہ نے جاگیرداری نظام کو ختم کر کے بے زمین کاشت کاروں کو زمینیں دیں۔

۶: آپ رضی اللہ عنہ نے ہر شخص کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام کیا۔

۷: آپ رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور مفت انصاف مہیا کرنے اور بغیر کسی رورعایت کے عدل قائم کرنے کا انتظام کیا۔

۸: امن وامان کے قیام کے لئے پولیس کے محکمہ کی بنیاد رکھی۔

۹: رفاہ عامہ کے لئے نہریں کھدوائیں، سڑکیں بنوائیں، پل تعمیر کروائے، مہمان خانے اور سرائیں بنوائیں۔

۱۰: تعلیم لازمی قرار دی اور پورے ملک میں مکاتب ومدارس کا جال بچھا دیا۔

۱۱: باقاعدہ تنخواہ دار فوج رکھی، فوج کی تنظیم کی اور فوجی تربیت کی اکیڈمی قائم کی۔

۱۲: باقاعدہ سیکرٹریٹ قائم کیا جس میں تمام امور مملکت کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔

۱۳: ذمیوں اور غلاموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا۔

۱۴: آزاد خارجہ پالیسی کے خطوط متعین کیئے۔

۴...... خودآزمائی

۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کی کون سی شاخ سے تھے؟

۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو کتنے لوگ مسلمان ہو چکے تھے

۳: آپ رضی اللہ عنہ کون سے سال مسلمان ہوئے؟

۴: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دنوں میں سب سے پہلے کس شخصیت نے اپنے آپ کو ایرانیوں سے جہاد کے لئے پیش کیا۔

۵: ایرانیوں کے مقابلے میں جو فوج بھیجی گئی اس کے سپہ سالار کون تھے؟

۶: جابان نے گرفتاری کے بعد کس طرح رہائی حاصل کی۔

۷: جسر کا کیا معنی ہے، جنگ جسر کی وجہ تسمیہ بتائیں۔

۸: درفش کاویانی کسے کہتے ہیں۔

۹: جنگ جسر میں کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

۱۰: جنگ جسر میں دریا کا پل توڑنے والے کا نام بتائیں۔

۱۱: قادسیہ کی جنگ میں مسلمانوں کا سپہ سالار کون تھا؟

۱۲: قادسیہ کی لڑائی میں ایرانیوں کا سالار کون تھا؟

۱۳: قادسیہ کی لڑائی میں ایرانیوں کی فوج کی تعداد کتنی تھی؟

۱۴: مسلمانوں نے لڑائی سے پہلے کیا کیا شرطیں پیش کیں؟

۱۵: جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص خود کیوں شریک نہ ہوسکے۔

۱۶: عربوں نے ایرانیوں کے ہاتھیوں کا توڑ کیا نکالا؟

۱۷: قادسیہ کی جنگ کتنے دن جاری رہی۔

۱۸: رستم کو قتل کرنے والے کا نام بتائیں۔

۱۹: دیواں آمدند کا کیا مطلب ہے، ایرانیوں نے یہ جملہ کب کہا؟

۱۰: نعمان بن مقرن کون سی لڑائی میں شہید ہوئے۔

۲۱: دمشق کا شہر صلح سے لیا گیا یا جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا۔

۲۲: جنگ یرموک میں شامیوں نے وقوعہ کا مقام کس لئے منتخب کیا تھا۔

۲۳: رومیوں نے جنگ میں پاؤں میں بیڑیاں کیوں ڈال لی تھیں۔

۲۴: بیت المقدس کی فتح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب معاہدے پر دستخط کئے تو آپ کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟

۲۵: ان چھ افراد کے نام لکھئے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین منتخب کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۵: ....

۶: ....

۲۶: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کتنی ہے؟

۲۷: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت جمہوری تھی؟ اس کے ثبوت میں دو دلائل دیجئے۔

۱: ....

۲: ....

۲۸: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کو کتنے صوبوں میں تقسیم کیا تھا؟

۲۹: ہر صوبہ میں کتنے آفیسر ہوتے تھے؟

۳۰: عہدہ داروں کا تقرر کیسے ہوتا تھا۔

۳۱: عاملوں کی باز پرس کا کیا طریقہ تھا؟

۳۲: بیت المال کا باقاعدہ دفتر کس سن میں کھولا گیا۔

۳۳: بیت المال آمدن کے ذرائع کیا کیا تھے۔

۳۴: عشور اور عشر میں کیا فرق ہے؟

۳۵: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں محکمہ پولیس کا کیا نام تھا۔

۳۶: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو شہر آباد کرائے ان میں سے دو کے نام لکھئے۔

۱: ....

۲: ....

۳۷: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال کتنے فوجیوں کو تربیت دلاتے تھے۔

۳۸: دیوان کسے کہتے ہیں۔

۳۹: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سکہ پر کیا لکھا ہوتا تھا۔

۴۰: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خارجہ پالیسی کے اہم نکات کیا تھے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

و

حضرت علی رضی اللہ عنہ

تحریر: ڈاکٹر طفیل ہاشمی

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ:

۱: خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اور ان کے عہد کی فتوحات سے واقف ہوں گے۔

۲: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پس منظر، واقعات اور نتائج سے آگاہ ہوں گے۔

۳: خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اور ان کے عہد کی مشکلات سے متعارف ہوں گے۔

۴: مسلمانوں کی خانہ جنگی کے اسباب، واقعات اور نتائج سے روشناس ہوں گے۔

۵: یہ جان لیں گے کہ خوارج کون تھے اور ان کا انجام کیا ہوا؟

۶: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمی کمالات اور اخلاق و عادات سے آگاہی حاصل کریں گے۔

۷: خلافت راشدہ کی خصوصیات سے واقف ہوکر اپنے ملک میں خلافت راشدہ کی طرح کا مثالی نظام قائم کرنے کی جدوجہد میں شریک ہوں گے۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-1	یونٹ کا تعارف	655
-2	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	656
	2.1 نام ونسب اور خاندان	656
	2.2 اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق	656
	2.3 انتخاب خلافت	657
	2.4 فتوحات	658
	2.5 شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب	660
	2.6 شہادت اور اس کے نتائج	666
	2.7 اہم نکات	667
-3	سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ	668
	3.1 نام ونسب اور خاندان	668
	3.2 حضرت علی رضی اللہ عنہ آغوش نبوت میں	668
	3.3 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں	669
	3.4 بیعت خلافت	670

	3.5 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات	670
	3.6 حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم میں کشمکش	671
	3.7 جنگ جمل	671
	3.8 جنگ صفین	673
	3.9 ثالثوں کا تقرر اور فیصلہ	674
	3.10 خوارج کا ظہور اور معرکۂ نہروان	675
	3.11 شہادت	676
	3.12 حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر تبصرہ	676
	3.13 حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال	678
	3.14 اخلاق و عادات	680
-4	خلافت راشدہ کی خصوصیات	682
	4.1 جمہوری اور شورائی نظام	682
	4.2 بنیادی حقوق کا تحفظ	683
	4.3 بیت المال کے امانت ہونے کا تصور	683
	4.4 قانون کی بالادستی	684
	4.5 اظہار رائے کی آزادی	684
	4.6 اہم نکات	684
-5	خود آزمائی	686

۱...... یونٹ کا تعارف

خلافت راشدہ کا دور اسلامی نظام حکومت کا مثالی دور ہے جو تیس سال کی مدّت پر محیط ہے۔ اس عہد کو مستقبل کی تمام اسلامی ریاستوں کے لئے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ پچھلے دو یونٹوں میں ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نظامت خلافت کو ان بلندیوں پر پہنچا دیا تھا کہ بعد والوں کے لئے وہ معیار برقرار رکھنا آسان نہ تھا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے جن کی عمر اس وقت تقریباً ۷۰ برس تھی۔ آپؓ کے دور میں ریاست اسلامی کی حدود بہت پھیل گئیں۔ اور وسائل کے بڑھ جانے سے فطری طور پر مسائل کے آغاز ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد تمام متوقع امیدواران خلافت کو فرداً فرداً بلا کر یہ نصیحت کی کہ میرے بعد تم خلیفہ ہو گئے تو اپنے قبیلے کو لوگوں کو عوام پر مسلط نہ کر دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ سیاسی پالیسی تھی جو انتہائی کامیاب رہی۔ بعد کے خلفاء نے بھی اسی پالیسی کو اپنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے تھے۔ ان علاقوں کے اہم خاندان بظاہر دب گئے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے پھر سر ابھارنا شروع کیا۔ وہ اسلامی ریاست کے خلاف کھل کر میدان میں نہیں آسکتے تھے۔ لیکن اسلامی ریاست کے خلاف سازشیں اور شرارتیں کر سکتے تھے۔ بعد میں جو واقعات رونما ہوئے ان کی بنیاد میں اس قسم کے افراد کی منفی منصوبہ بندی شامل تھی۔

بہرحال خلافت راشدہ کا باوجود یہ تیس سالہ دور ایسی روایات اور خصوصیات کا حامل ہے جو انسانیت کے لئے مشعل ہدایت ہیں۔ زیر نظر یونٹ انہی حالات و واقعات اور روایات وخصوصیات کا مرقع ہے۔

۲......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

2.1- نام ونسب اور خاندان

عثمان نام، ابوعبداللہ کنیت اور ذوالنورین لقب تھا، آپ رضی اللہ عنہ خاندان بنو امیہ میں سے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی نانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے۔

2.2- اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

آپ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے اسلام لے آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کا آپ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا تھا، اہل مکہ کی اذیتوں سے تنگ آکر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سمیت حبشہ کی جانب ہجرت کی مگر کچھ مدت بعد حبشہ میں یہ افواہ پھیلی کہ مکہ والے سب مسلمان ہوگئے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ واپس مکہ آگئے، بعد میں جب ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔

آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار تھیں، اس وجہ سے آپ غزوۂ بدر میں حصہ نہ لے سکے، جب بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ رشتہ

باقی نہ رہنے کا صدمہ تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے لئے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا، اسی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین یعنی دونوروں والا کہا جاتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر قریش سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا، بعد میں مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کی خاطر بے دریغ مال و دولت خرچ کیا، مدینہ منورہ میں ایک ہی میٹھے پانی کا کنواں تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وہ بہت مہنگے داموں پانی فروخت کرتا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر مسلمان بہت تنگی کے دور سے گزر رہے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی ساز و سامان اور رسد وغیرہ کے انتظام کے لئے چندہ کی اپیل کی، اس موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی فوج کے لئے جس کی تعداد دس ہزار سے زائد تھی تمام سامان مہیا کیا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ ان دس ہزار آدمیوں کے لئے ایک ایک تسمہ تک آپ کے روپے سے خریدا گیا، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لئے ایک ہزار دینار الگ دیئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ مجلس شوریٰ کے رکن اور مشیر اعلیٰ رہے۔

2.3- انتخاب خلافت

پچھلے یونٹ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت چھ آدمیوں پر

مشتمل ایک کمیٹی بنائی تھی تا کہ وہ اکثریت رائے یا اتفاق سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کمیٹی کا اجلاس ہوا، جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے دی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا نام واپس لے لیا، اب دو ہی افراد رہ گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمان نے دونوں سے گفت وشنید کر کے ان کو اس بات پر رضا مند کرلیا کہ جو فیصلہ وہ کریں دونوں کو منظور ہو، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے رضامندی حاصل کرنے کے بعد مسجد میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام پیش کر دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ اسے اپنی حق تلفی سمجھتے تھے۔ تاہم انہوں نے بھی امت کو فتنہ سے بچانے کے لئے بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کے بعد تمام حاضرین بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، ۴ محرم ۲۴ ہجری کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

2.4-فتوحات

۱) سکندریہ کی فتح:

سکندریہ میں رومی خاصی تعداد میں رہتے تھے، قیصر روم انہیں مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہتا تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رعب اور دبدبہ کے باعث انہیں جرات نہیں ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد انہوں نے کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر دیا، رومی بحری بیڑہ بھی ان کی مدد کے لئے قسطنطیہ سے اسکندریہ پہنچ گیا، مصر کے والی عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے لیکن مصریوں کی درخواست پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کے سابق والی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فوج کی کمان دے کر رومیوں کے مقابلہ میں بھیجا انہوں نے رومیوں کو شکست دے کر بھگا دیا اور شہر پر دوبارہ قبضہ کرلیا، اس جنگ میں اسکندریہ کے مصری

باشندوں نے رومیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا، اس لئے رومی فوجیوں نے جاتے جاتے انہیں بہت سا مالی نقصان پہنچایا جس کی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تلافی کر دی۔

۲) آرمینیہ اور آذربائیجان کی سرکشی:

۲۵ ہجری میں آرمینیہ اور آذربائیجان کے باشندوں نے بغاوت کر دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جس نے انہیں شکست دے کر دوبارہ مطیع کر لیا۔

۳) ایشیائے کوچک کی فتوحات:

اسی دوران میں اطلاع ملی کہ ایشیائے کوچک میں عیسائی مسلمانوں کو کچلنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کر رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا جس نے عیسائیوں کو شکست دے کر متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا، دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے کئی قلعے فتح کر لئے۔

۴) فتح طرابلس:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مصر کا انتظام لے کر عبداللہ بن ابی سرح کو دے دیا تھا وہ بلند حوصلہ نوجوان تھا، اس نے شمالی فریقہ پر باقاعدہ فوج کشی کی سب سے پہلے طرابلس پر حملہ کیا، طرابلس کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا، دونوں فوجوں میں مدت تک جنگ ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تازہ دم فوج دے کر روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہنچ کر پے درپے حملوں سے حاکم طرابلس کو صلح پر مجبور کر دیا، اس نے پچیس ہزار درہم سالانہ خراج دینا منظور کر لیا۔

۵) قبرص کی فتح:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دمشق کے حاکم تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اردن، فلسطین اور شام کو ان کے ماتحت کر دیا، ان کا مقابلہ بالعموم رومیوں سے رہتا تھا جن کے پاس مضبوط بحری بیڑہ تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں بحری بیڑہ تیار کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت نہیں دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں انہوں نے اجازت حاصل کر لی اور بحری بیڑہ تیار کر کے قبرص پر حملہ کر دیا، قبرص والوں نے خراج ادا کر کے صلح کر لی جو کئی سال تک قائم رہی، بعد میں ۳۲ ہجری میں انہوں نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کی جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان پر حملہ کر کے قبرص کو فتح کر لیا۔

٦) اہل ایران کی بغاوت اور فارس پر قبضہ:

مغرب کی طرف پیش قدمی کے ساتھ ساتھ مشرقی محاذ پر بھی اسلامی ریاست کے تحفظ اور وسعت کا سلسلہ جاری تھا، اہل فارس نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی، جسے بصرہ کے نئے حاکم عبداللہ بن عامر نے کامیابی سے کچل دیا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی، اور نیشاپور، خراسان، طخارستان، کرمان کو فتح کرتے ہوئے غزنی سے ہوتے ہوئے کابل کو مسخر کر کے ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گئے۔

ان فتوحات کی وجہ سے اسلامی حکومت ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کی مشرقی سرحدوں تک وسیع ہوگئی۔

2.5- شہادتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اسباب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت بارہ سال ہے، ان میں سے پہلے پانچ چھ سال امن وسکون سے گزرے لیکن بعد کے سالوں میں ایسا فتنہ برپا ہوا، جس کے نتیجے میں حضرت عثمان غنی رضی

اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور ان کی شہادت کے بعد امت کا شیرازہ بکھر گیا، اس فتنہ کے متعدد اسباب تھے وہ درج ذیل ہیں۔

(i) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ نسل جس نے اسلام کے لئے قربانیاں دی تھیں، آہستہ آہستہ دنیا سے اٹھتی جارہی تھی یا بڑھاپے کے باعث عملی زندگی سے کنارہ کش ہوگئی تھی اور نئی نسل میں آپنے آباؤ اجداد کا سا ایثار، خلوص اور للّٰہیت نہیں تھی۔

(ii) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر نہیں جانے دیا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ پابندی نہ رہی اس لئے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف علاقوں میں پھیل جانے کی وجہ سے مدینہ کی مرکزیت متاثر ہوئی، اور کئی چھوٹے بڑے مراکز پیدا ہو گئے جن کو شر پسندوں نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

(iii) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں تھا جس میں بہت سی مفتوحہ اقوام ایسی تھیں جو موقع ملنے پر مسلمانوں سے اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتی تھیں، ان سے مقابلہ کی قوت نہیں تھی اس لئے انہوں نے ہر جگہ سازشوں کے جال بچھائے۔

(iv) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فطرتاً نیک، نرم دل اور نرم خو تھے، لوگوں سے بالعموم سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ ریاست میں باشندوں کو پوری آزادی تھی۔ ایسے ماحول سے ان لوگوں نے غلط فائدہ اٹھایا۔ جو اسلامی ریاست کے خلاف تھے۔

(v) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شروع سے بہت مال دار تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اپنی خلافت کے اختتام تک مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بے دریغ دولت خرچ کرتے رہے لیکن جب تک خلیفہ نہیں تھے کسی کے لئے اعتراض کا موقع نہیں تھا جب خلیفہ بنے تو جو کچھ وہ اپنے مال سے خرچ کرتے اس کے بارے میں بھی مفسد لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ یہ بیت المال سے اپنے

خاندان کو نوازتے ہیں۔

اس صورت حال سے سب سے زیادہ یہودیوں اور مجوسیوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تا کہ امت مسلمہ میں تفرقہ ڈال کر اس کی قوت کم کر دی جائے۔

2.5.1- عبداللہ بن سبا کا فتنہ

عبداللہ بن سبا ایک ذہین، چالاک اور سازشی یہودی تھا، اس نے اسلام کے خلاف اپنی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا، مسلمان ہو کر بنو ہاشم کے حق میں تحریک چلائی کہ یہ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی تھی لیکن دوسرے لوگوں نے یہ حق تلف کر لیا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عاملوں کے ظلم و ستم کی جھوٹی کہانیاں گھڑ کر لوگوں کو سناتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بنو امیہ کو نوازنے کا پروپیگنڈہ کرتا۔

عبداللہ بن سبا کی تحریک کو اس کی توقع سے بڑھ کر قبولیت حاصل ہوئی، ایرانی فطرۃً شہنشاہیت کے دلدادہ تھے ان کے لئے اسلام میں خاندانی خلافت کے تصور میں بڑی جاذبیت تھی اور بہت سے لوگ ذاتی رنجشوں کی وجہ سے اس تحریک کے ساتھ ہو گئے، ابن سبا نے بصرہ، کوفہ اور پھر مصر کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صورتحال سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے تمام عاملوں کو حج کے موقع پر بلا کر مشورہ کیا، سب نے یہی رائے دی کہ اس فتنہ کو سختی سے کچل دیا جائے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی طبعی نرمی کے باعث اس پر آمادہ نہ ہوئے۔

حج کے بعد سبائی فرقے نے ایک منصوبہ کے تحت مصر، بصرہ اور کوفہ سے الگ الگ وفد مدینہ بھیجے اور یہ مشہور کیا کہ وہ خلیفہ کے پاس حکام کی بدعنوانیوں کی شکایت لے کر جا رہے ہیں، جب وفود مدینہ کے نواح میں پہنچے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تحقیق کے لئے بھیجا، انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ یہ وفود آپ رضی اللہ عنہ پر بدعنوانیوں کے الزامات عائد کر کے آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ خلافت

سے دست بردار ہو جائیں ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں گے، اس موقع پر بھی مہاجرین وانصار نے اس فتنہ کو سختی سے کچل دینے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا بلکہ ان کو بلا کر ان کی شکایات سنیں اور ہر ایک کے الزام کا مفصل جواب دیا۔

2.5.2- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات اور ان کی حقیقت

سبائی فرقے نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر متعدد الزامات لگائے، ان میں سے پہلا الزام یہ تھا کہ

ا) آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سرکاری عہدوں سے معزول کر کے اپنے خاندان کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مقرر کیا اس الزام کا تجزیہ کریں تو اس کے تین حصے ہیں۔

ا: بڑے بڑے صحابہ کو معزول کرنا۔

۲: نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کو ان کی جگہ مقرر کرنا۔

۳: اپنے خاندان کے افراد کا تقرر۔

یہ تینوں اعتراضات مہمل ہیں، اس لئے کہ اگر کسی عامل کو کسی معقول وجہ کی بناء پر معزول کیا جائے تو یہ کوئی جرم نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ایسے جرنیلوں کو شکایات ملنے پر معزول کر دیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو سرکاری خدمات سے الگ کیا، ان کی بھی وجوہات تھیں، بعض لوگوں کے بارے میں شکایات تھیں اور بعض لوگ عمر کی اس حد کو پہنچ چکے تھے، ان کے لئے محنت اور تندہی سے سرکاری فرائض کی ادائیگی آسان نہیں رہی تھی، ہر حکومت میں ریٹائرمنٹ کی ایک عمر ہوتی ہے اس کے بعد ان لوگوں کو فرائض سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے، اور ان کی جگہ نوجوانوں کو موقع دیا جاتا ہے یہ کوئی جرم نہیں بلکہ بہترین نظم ونسق کے لئے ضروری ہے، اس لئے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ عمر رسیدہ احباب کو ریٹائر کر دیا تو کوئی گناہ نہیں کیا۔

ان کی جگہ جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا، وہ نوجوان ضرور تھے مگر نااہل اور ناتجربہ کار نہیں تھے انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اسلامی حکومت کی سرحدیں ہندوستان، چین اور سپین تک پھیل گئی تھیں، اس لئے انہیں خدمات پر مقرر کرنا بھی کوئی جرم نہیں تھا۔

تیسرا الزام یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مناصب جلیلہ پر فائز کرنے کے لئے اپنے خاندان کے افراد کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ الزام بھی محض ایک پروپیگنڈہ ہے۔ جو بھی ریاست کے سربراہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی کابینہ میں ان افراد کا تقرر کرتا ہے جو اس کی پالیسی کے مطابق ہوتے ہیں۔ سربراہ ریاست کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی کابینہ کے لئے ایسے افراد کا انتخاب کرے جو اہل ہوں، اس کے ساتھ اور ریاست کے ساتھ وفادار ہوں اور ملک وملت کے لئے مفید ہوں۔ اس حوالہ سے دیکھا جائے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب بالکل درست تھا۔

۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر دوسرا الزام یہ تھا کہ انہوں نے بعض معزز صحابہ رضی اللہ عنہ سے بدسلوکی کی مثلاً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر دیا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سختی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر دیا۔

اس الزام میں پہلا واقعہ بالکل غلط ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خود گوشہ نشین ہو گئے تھے، البتہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے مؤقف سے سبائی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس لئے ان پر سختی کی گئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن کے بارے میں لوگوں کو ایک قرات پر جمع کرنے کے مخالف تھے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کی تفصیلات آپ یونٹ نمبر 1 میں پڑھ چکے ہیں) اس لئے ان کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔

۳) تیسرا الزام بیت المال سے بے جا روپیہ صرف کرنے اور اپنے عزیزوں کو بھاری رقمیں دینے کا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنی پوری زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے بے بہا مال صرف کرتے رہے،

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو جو کچھ دیا ہے اپنی گرہ سے دیا ہے اور اگر کبھی ایک آدھ موقع پر کوئی غلط بخشی ہوئی ہے تو فوراً اس کا ازالہ کر دیا۔

اسی نوعیت کے کچھ اور اعتراضات بھی تھے جو سب جھوٹ پر مبنی تھے اور ان میں کوئی صداقت نہ تھی۔

مشغلہ: شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''خلفاء راشدین'' یا ڈاکٹر حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ اسلام لیں اور ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سبائیوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات کو مختصراً قلمبند کریں۔

اعتراضات	جوابات
۱)	۱) ....
۲)	۲) ....
۳)	۳) ....
۴)	۴) ....
۵)	۵) ....
۶)	۶) ....
۷)	۷) ....
۸)	۸) ....
۹)	۹) ....
۱۰)	۱۰) ....

2.6- شہادت اور اس کے نتائج

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے مفسدین کے وفود مدینہ آئے تھے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزامات عائد کر رکھے تھے۔ ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایک اعتراض سن کر اس کا جواب دیا، اس سال مفسدین واپس چلے گئے، دوسرے سال حج کے موقع پر پھر آئے اور مسجد نبویؐ میں فساد برپا کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ مفسدوں نے پتھر مار مار کر نمازیوں کو مسجد سے باہر نکال دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتنے پتھر برسائے کہ وہ لہولہان ہو گئے، بے ہوش ہو کر منبر سے گر پڑے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے معزز صحابہ رضی اللہ عنہم نے مفسدین سے مذاکرت کر کے انہیں واپس جانے پر آمادہ کر لیا، وہ واپس چلے گئے مگر تیسرے دن پھر لوٹ آئے اور آ کر بتایا کہ ہمیں مصر کے راستے میں ایک سرکاری ہرکارہ ملا، ہم نے اسے روک کر اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حاکم مصر کے نام خط تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ جونہی یہ لوگ مصر پہنچیں انہیں قتل کر دیا جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پتہ چلا اور آپ نے قسم کھا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن باغی کب ماننے والے تھے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر آپؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور پانی تک بند کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاملات کو سدھارنے کی بہت کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، حضرت عبداللہ بن زبیر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت باغیوں کا مقابلہ کریں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خون ریزی سے منع فرما دیا۔

باغیوں کو اندیشہ تھا کہ جونہی حج کے ایام ختم ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ جوق در جوق مدینہ کا رخ کریں گے، اس سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے صدر دروازے کو آگ لگا دی اور گھر کے اندر داخل ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا تین انگلیاں کٹ گئیں اور حملہ آوروں نے لوہے کی سلاخوں اور خنجر کے پے درپے واروں سے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، دو دن تک لاش بے گور وکفن پڑی رہی آخری تیسرے دن رات کی تاریکی میں سترہ آدمیوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر آپؓ کی لاش اٹھائی اور جنت البقیع

سے باہر دفن کر دی، بعد میں اس جگہ کو جنت البقیع میں شامل کر دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی افسوسناک سانحہ ہے اس نے ملت اسلامیہ پر بہت دور رس اثرات مرتب کیے ہیں، اس واقعہ نے

۱: ملت اسلامیہ کا شیرازہ درہم برہم کر دیا، مسلمان کئی فرقوں میں بٹ گئے، شیعہ، سنی، خارجی اور عثمانی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

۲: مسلمانوں میں نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

۳: شہادت عثمان جنگ جمل اور جنگ صفین کا سبب بنی، تقریباً ستر ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

۴: اس کے بعد مسلمان ایک خلیفہ پر اکٹھے نہ ہو سکے اور اسلامی ریاست ٹکڑوں میں بٹنی شروع ہوگئی۔

2.7- اہم نکات

۱: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاندان بنو امیہ میں سے تھے، آغاز بعثت میں ہی اسلام لے آئے تھے۔

۲: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں (رضی اللہ عنہما) یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اس وجہ سے ذوالنورن کہلائے۔

۳: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔

۴: آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی ریاست کی سرحدیں ہندوستان سے مراکش تک پہنچ گئی تھیں۔

۵: آپ رضی اللہ عنہ کی بارہ سالہ مدت خلافت کے ابتدائی 6 سال امن وسکون میں گزرے لیکن آخری چھ سال ہنگاموں کی نذر ہو گئے جن میں مفسدین نے آپ رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے اور بار بار مدینہ میں فساد پھیلایا اور آخر کار آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

۶: آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجے میں امت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور ملت کئی فرقوں میں بٹ گئی۔

۳...... سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ

3.1- نام،نسب اور خاندان

علی نام،ابوالحسن اور ابوتراب کنیت،حیدر(شیر)لقب تھا،والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا فاطمہ رضی اللہ عنہا تھا،شجرہ نسب کے لئے یونٹ ۱۴میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب دیکھئے۔

آپ یونٹ ۱۴میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ابوطالب تکلیفیں برداشت کرتے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں سبقت رکھتے ہیں،اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی۔

3.2- حضرت علی رضی اللہ عنہ آغوشِ نبوت میں

ابو طالب کے خاصے بچے تھے اور وہ کچھ زیادہ خوش حال نہیں تھے،قحط اور خشک سالی کی وجہ سے تنگدستی میں اور بھی اضافہ ہوگیا،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی کہ ابو طالب کی مدد کرنی چاہئے چنانچہ ان کی اولاد میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت کا ذمہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذمہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا اس وقت سے آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئے۔

3.3- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ مکی زندگی میں مسلسل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہ پر اس درجہ بھروسہ تھا کہ ہجرت کی رات آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا کر اور لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کی ہدایت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سفر ہجرت پر روانہ ہو گئے۔

غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ صرف شریک رہے بلکہ میدان جنگ کے حیرت انگیز کارنامے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں، مثلاً غزوہ بدر میں ۷۰ کافر مارے گئے تھے جن میں سے ۳۵ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے، غزوہ خندق میں خندق عبور کرنے والے شخص عمرو بن عبدوّد کو جسے ایک ہزار فوجیوں کے برابر بہادر سمجھا جاتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کے ایک ہی وار نے دو ٹکڑے کر دیا، غزوہ خیبر میں خیبر کا قلعہ کسی طرح فتح ہونے میں نہیں آتا تھا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اور ان کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہو گیا۔

غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ گئے تھے، اس موقع پر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیوں چھوڑ رہے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص سیکرٹری تھے، صلح حدیبیہ کے معاہدہ سمیت کئی اہم دستاویزات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لکھی گئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی اعزاز کیا کم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپؓ سے کیا اور فرمایا، فاطمہ بیٹی! میں نے اپنے خاندان کے سب سے اچھے آدمی سے تمہارا نکاح کیا ہے"

پچھلے تینوں یونٹوں میں آپ جگہ جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ پڑھتے رہے ہیں، جس سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ پچھلے تین خلفاء کے زمانے میں آپ رضی اللہ عنہ کو مشیر خاص کا درجہ حاصل رہا اور ہر اہم کام

آپ کی رائے سے انجام پاتا تھا۔

3.4- بیعت خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک کوئی جانشین منتخب نہیں ہوا، مدینہ میں بہت افراتفری تھی، صورتحال کو معمول پر لانے کے لئے فوری طور پر خلیفہ کا انتخاب ضروری تھا، انصار ومہاجرین کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بار بار درخواست کی گئی کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کریں اور آپ رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے آخر مسلسل اصرار سے مجبور ہو کر آپ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیسرے دن ۲۱ ذوالحجہ ۳۵ھ کو مسند خلافت قبول کر لی اور مسجد نبوی میں آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام بیعت ہوئی۔

3.5- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات

نظام خلافت سنبھالتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جو سب سے اہم مسئلہ تھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار کرنا اور قصاص لینا تھا لیکن اس معاملہ میں دقت یہ تھی کہ موقع کے گواہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ تھیں، جو مجرموں میں سے کسی کو نہیں پہچانتی تھیں، دوسری دقت یہ ہوئی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی قابو نہ تھا، اورانہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شورش بپا ہوئی اس کا سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے گورنر اور عمال تھے جن کی بے اعتدالیوں کے خلاف احتجاج نے یہ صورت پیدا کر دی تھی، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنتے ہی عہد عثمانی کے تمام گورنروں کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ نئے گورنروں کا تقرر کر دیا۔

3.6- حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم میں کشمکش

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طویل عرصہ سے شام کے وسیع اور زرخیز صوبہ کے گورنر چلے آرہے تھے۔ آپؓ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور گورنر مقرر کیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو فلسطین اور اردن کے علاقے بھی حوالے کئے۔ آپؓ چونکہ سیاسی میدان کے ماہر تھے اور حد درجہ ذہین تھے۔ اس لئے شام کے علاقے میں آپؓ کی بہت عزت اور احترام تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپؓ نے بطور احتجاج دمشق میں لوگوں کو جمع کیا اور خون عثمانؓ کے بدلے کا مطالبہ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شام کی صورت حال کی اطلاع ملی تو فوج جمع کر کے شام پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے لیکن راستہ میں معلوم ہوا کہ امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سرکردگی میں ایک فوج مکہ سے بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہے، چنانچہ شام کا ارادہ ترک کر کے بصرہ کی طرف چل پڑے۔

3.7- جنگ جمل

جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے لئے مکہ معظمہ میں تھیں، انہیں خبر ملی تو بڑا قلق ہوا، اسی دوران میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر مکہ معظّمہ پہنچ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں، چنانچہ باہمی مشورہ سے یہ طے ہوا کہ بصرہ چل کر خلیفۂ مقتول کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئیں۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج لے کر بصرہ پہنچے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بات چیت شروع کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب تک امن وامان قائم نہ ہو جائے قصاص لینا ممکن نہیں ہے پہلے ملک میں امن وسکون کی فضا پیدا کرنا ضروری ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اتفاق کیا اور مصالحت کی

تمام باتیں طے ہوگئیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں قاتلین عثمان (رضی اللہ عنہ) کا جو گروہ تھا وہ اس صلح کے حق میں نہیں تھا، انہیں معلوم تھا کہ اگر امن وامان ہو گیا تو ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ جس صبح صلح کا اعلان ہونا تھا اسی رات ان شرپسندوں نے فریق مقابل پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں دونوں فوجیں برسرپیکار ہوگئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہا نے ہر ممکن طریقہ سے جنگ کو روکنا چاہا لیکن باگ ڈوران کے ہاتھ سے نکل چکی تھی، خونریز جنگ ہوئی جس میں دونوں طرف سے جلیل القدر صحابہ اور صحابہ زادے شہید ہو رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار تھیں، عربی میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں، اسی نسبت سے اس جنگ کا نام جنگ جمل پڑا۔

حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے، جنگ کے دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا ''ابوعبداللہ تمہیں وہ دن یاد ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کہا تھا کہ ایک دن تم ناحق علی (رضی اللہ عنہ) سے لڑو گے'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا'' ہاں، مجھے یاد آ گیا ہے۔

یہ بات یاد کر کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ سے بصرہ کی طرف چل پڑے، مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو اس نے تاک کر تیر مارا اور انہیں شہید کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ لشکر کے درمیان میں تھا اور اس کے اردگرد دیوانہ وار لوگ کٹ رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھا نہ دیا جائے خون ریزی نہیں رک سکتی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے اشارے پر ایک آدمی گیا، اس نے اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری اور وہ بیٹھ گیا، اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج حوصلہ ہار گئی اور جنگ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خبر گیری پر مامور کر دیا اور اعلان کر دیا کہ:

۱: زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔

۲: کسی کو گرفتار نہ کیا جائے۔

۳: مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔

اس جنگ میں دونوں طرف سے تقریباً دس ہزار آدمی کام آئے، مقتولین کے کفن و دفن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ امّ المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں چند روز بصرہ میں آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد انتہائی عزت و احترام سے مدینہ بھیج دیا، کچھ فاصلہ تک خود بھی ساتھ گئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنگ جمل میں پیش آمدہ واقعات کو بہت محسوس کیا۔اس جنگ میں دراصل ان لوگوں کو کامیابی حاصل ہوئی جو اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔

3.8- جنگ صفین

جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔آپؓ انہیں گورنری سے معزول کرنا چاہتے تھے۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف یہ تھا کہ معزولی کے اسباب بتائے جائیں۔ بلاسبب کسی کو اس کے منصب سے معزول کرنا جائز نہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ جن علاقوں کے وہ عرصہ دراز سے گورنر ہیں ان علاقوں کے لوگ آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔اس لئے آپؓ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم کی فوری طور پر تعمیل کو مناسب نہیں سمجھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔اور دونوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دیں۔

دونوں طرف خاصی تعداد میں ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جو امت کی خیر خواہی میں جنگ کو ٹالنا چاہتے تھے چنانچہ کئی ماہ تک سفارتی سرگرمیاں جاری رہیں لیکن مصالحت کی کوششیں بارآور نہ ہوسکیں اور دونوں فوجوں میں جھڑپیں شروع ہوگئیں جو بڑھتے بڑھتے خونریز جنگ کی شکل اختیار کر گئیں۔یہ جنگ ایسے فریقین کے درمیان تھی جو دل وجان سے ایک دوسرے کا ساتھ لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ پورا پورا دن ایک دوسرے

کے سامنے بیٹھ کر محاذوں میں رہتے تھے اور راتوں کو بیٹھ کا سوچتے تھے اور روتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کارروائیوں کے علاوہ اس جنگ نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار نہ کی ۔ ہاں خوارج اور ان کے ہم خیال حالات خراب کرنے کی پوری کوشش مصروف رہتے تھے۔ فریقین نے تنگ آ کر جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

3.9- ثالثوں کا تقرر اور فیصلہ

جنگ بندی کے بعد یہ طے ہوا کہ دونوں طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا جائے جو اختلاف کا قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کریں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی فوج کے لوگ نہ مانے اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لے آئے اور انہیں ثالث بنا دیا، دونوں ثالثوں نے گفت وشنید کے بعد طے کیا کہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہم دونوں کو معزول کر کے شوریٰ کو حق دیا جائے کہ وہ نئے سرے سے خلیفہ کا انتخاب کرے، اب اس فیصلہ کا اعلان ہونا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پہلے آپ اعلان نہ کریں کہیں آپ سے دھوکہ نہ ہو جائے لیکن وہ چونکہ سینئر تھے ۔اس لئے پروٹوکول کے لحاظ سے انہیں پہلے اعلان کرنے کے لئے کہا گیا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب اعلان کیا۔ تو حاضرین میں بھگدڑ مچ گئی اور اب ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ دونوں فریق اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ان کے قائدین کو معزول کیا جائے اور نئے قائد کو خلافت دے دی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں اپنے اپنے علاقوں میں اپنی اپنی حیثیت پر بحال ہو کر واپس چلے گئے۔

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے علاقوں کے باقاعدہ خلیفہ ہو گئے اور انہوں نے مختلف سیاسی حربے استعمال کر کے اپنی حکومت کو وسعت دینی شروع کی مختلف لوگوں کو اقتدار میں شریک کر کے اپنے ساتھ ملایا، کچھ لوگوں نے خلاف غلط افواہیں پھیلا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کیں، الغرض یکے بعد دیگرے کئی خانہ جنگیوں کے بعد اسلامی ریاست باقاعدہ دو حصوں میں تقسیم

ہوگئی، حجاز، عراق اور مشرق کا پورا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور شام، مصر اور مغرب کا علاقہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔

3.10- خوارج کا ظہور اور معرکہ نہروان

حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی نزاع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ثالث مقرر کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن اپنی فوج کے اصرار پر آمادہ ہو گئے، اس کے بعد عجیب بات یہ ہوئی کہ انہیں میں سے کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ خلافت کے معاملہ میں ثالث مقرر کرنا کفر تھا اس لئے ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیتے چنانچہ بارہ ہزار آدمی آپ سے الگ ہو کر حروراء میں خیمہ زن ہو گئے، انہیں خارجی (خوارج) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر ممکن طریقے سے انہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی لیکن وہ راہ راست پر نہ آئے بلکہ لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہونے سے روکنے اور اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے اور نہ ماننے والوں کو بے دریغ قتل کر دیتے، آخر مجبور ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی ہزار کے لشکر جرار کو لے کر ان کے مقابلے میں نہروان کو روانہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر ایک مرتبہ پھر انہیں بات چیت سے راہ راست پر لانے کی کوشش کی، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں امن کا جھنڈا دیا اور فرمایا کہ جو اس جھنڈے تلے آجائیں انہیں امن ہے بہت سے لوگ اس جھنڈے تلے جمع ہوگئے، ایک جماعت کوفہ چلی گئی کچھ اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے، آخر میں چار ہزار خارجی رہ گئے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج پر دھاوا بول دیا، تعداد میں کم ہونے کے باوجود وہ انتہائی جرات اور بہادری سے لڑے، ایک ایک کر کے میدان میں کٹ گئے لیکن انہوں نے میدان جنگ سے منہ نہیں موڑا۔

معرکہ نہروان کے بعد اگرچہ خارجیوں کا زور ختم ہو گیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج پر اس کا یہ اثر

ہوا کہ ان کے حوصلے پست ہوئے اور ہمت جواب دے گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں شامی فوج کے مقابلے میں لے کر جانا چاہتے تھے لیکن سب لوگ عذر کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے، آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف ایک ہزار مجاہد رہ گئے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ بھی کوفہ لوٹ آئے۔

3.11-شہادت

نہروان کے معرکے کے بعد تین خارجیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ہی دن میں ایک ہی وقت حضرت علی، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیا جائے، چنانچہ تینوں اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، تینوں نے طے کیا تھا کہ فجر کی نماز کے وقت وار کیے جائیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گئے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس روز اپنی جگہ کسی اور کو نماز پڑھانے بھیج دیا تھا چنانچہ ان کے بجائے وہ آدمی قتل ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن ملجم نے زہر آلود خنجر سے کاری زخم لگایا جس کے اثر سے حملہ کے تیسرے روز ۲۰ رمضان ۴۰ھ کو آپ رحلت فرما گئے، آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے ایک قبرستان میں دفن کیا گیا۔

3.12- حضرت علی کے عہد خلافت پر تبصرہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا دورِ خلافت خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہو گیا، آئیے اس کے اسباب پر غور کریں اب جب کہ اس دور کی پوری تاریخ ہمارے سامنے ہے اور دونوں طرف کے دلائل، مطالبے اور اقدامات پوری تفصیل سے معلوم ہیں، ہم ان اسباب کا جائزہ لے سکتے ہیں جو اس فتنہ و فساد کا سبب بنے، وہ اسباب یہ ہیں۔

۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی بھی قیمت پر اعلیٰ اخلاق اور مثالی دیانت داری کے تقاضوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے جبکہ ان کے مدمقابل اقتدار کے حصول کی راہ میں اخلاق اور دیانت کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے۔

۲) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج ان کی مطیع تھی اور عرب کے عظیم مدّبروں اور سیاست دانوں کو مختلف طریقوں سے انہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج ان کے کہنے میں نہیں تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ماتحتوں سے دیانت وتقویٰ کے جس اعلیٰ معیار کا تقاضا کرتے تھے وہ لوگوں پر گراں گزرتا تھا جب کہ وہ دیکھتے تھے کہ دوسری طرف ایسی پابندیاں نہیں ہیں۔

۳) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ کفر واسلام کا مقابلہ تھا، جس میں تمام صحابہ خلیفہ کے دست و بازو بن گئے تھے جب کہ یہ نزاع مسلمانوں میں آپس میں پیدا ہوگئی تھی جس میں بہت سے محتاط اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ غیر جانبدار ہو گئے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا پانچ سالہ عہد خلافت سارے خانہ جنگیوں میں گزرا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو نظام حکومت کی اصلاح کی طرف توجہ دینے کا بہت کم وقت ملا، اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے ملکی نظم و نسق کو بہت بنانے کی پوری کوشش کی جس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ:

۱) آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی چھاؤنیوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔

۲) عمال کے اخلاق کی خودنگرانی کرتے اوران کی بے اعتدالیوں پر سختی سے باز پرس کرتے تھے۔

۳) محکمہ مال میں آپ رضی اللہ عنہ نے خاص اصلاحات جاری کیں اور جنگلات سے مالی فائدہ اٹھانے کی بنیاد رکھی۔

۴) عدل وانصاف کے ضمن میں فاروقی نمونہ پیش نظر رکھا، آپ خود کئی بار اپنے ماتحت قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے اور بسا اوقات قاضی آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کر دیتے جسے آپ رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے۔

۵) ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے۔

۶) محکمہ پولیس کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی آپ نے اسے منظم کیا اور باقاعدہ پولیس کے دستے تشکیل دیئے جنہیں شطر کہا جاتا تھا پولیس کا فرض تھا کہ وہ جرائم کی روک تھام کرے، منڈیوں پر نظر رکھے اور امن وامان قائم رکھے۔

3.13- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچپن میں دامن نبوت میں پرورش اور تربیت پائی جوانی میں مصاہرت کے شرف سے سرفراز ہوئے، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہے، اسی تعلق کی وجہ سے فضل وکمال میں بالعموم اور علمی اعتبار سے بالخصوص جو بلند مقام آپ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا وہ بہت کم صحابہ کو میسر ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہ قرآن، تفسیر، حدیث فقہ غرضیکہ تمام دینی علوم میں مہارت رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"میں علم کا شہر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ"

ایک اور موقع پر فرمایا:

"سب سے بڑھ کر صحیح فیصلہ پر پہنچنے والے علی (رضی اللہ عنہ) ہیں"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"علم کے دس حصوں میں سے نو حصے اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو عطا کئے اور دسویں میں بھی آپ رضی اللہ عنہ شریک تھے"

آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ:"

" قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ کب کہاں اور

کس کے بارے میں نازل ہوئی"۔

تفسیری روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی ترتیب نزولی کے مطابق اس کا ایک نسخہ مدون کیا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ سے ۵۸۶ احادیث مروی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ایک صحیفہ تھا جس میں زکوٰۃ وعشر اور قصاص، ودیت وغیرہ کے مسائل تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے خود بھی فقہی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا فقہی مقام اتنا بلند تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مجتہد ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ کر دیتے تھے اس کی متعدد مثالیں آپ کو حدیث اور سیر صحابہ کی کتابوں میں ملیں گی۔

علم میراث (وراثت کی تقسیم کا علم) میں آپ رضی اللہ عنہ سند کا درجہ رکھتے تھے اور مشکل ترین مسائل بے تکلف حل کر دیتے تھے۔

خطابت اور فصاحت و بلاغت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت بہت نمایاں تھی اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خطوط، فرامین اور معاہدے آپ رضی اللہ عنہ سے لکھواتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے خطبوں کا مجموعہ نہج البلاغۃ کے نام سے جمع کیا گیا ہے۔

شاعری میں ستھرا اور پاکیزہ مذاق تھا، حدیث اور عربی ادب کی کئی کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہ کے اشعار منقول ہیں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک دیوان جو عام طور پر ملتا ہے آپ رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی عجمی کو غلط قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو اس کی تصحیح کے لئے قواعد کی

ضرورت محسوس کی، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے نحو کے چند اصول ابوالا سود دؤلی کو بتائے اور انہوں نے ان اصولوں کی روشنی میں نحو کے قواعد مرتب کئے۔

3.14- اخلاق وعادات

آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی مین تربیت پائی تھی اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا کامل نمونہ تھی، آپ رضی اللہ عنہ پر غربت اور امارت کے مختلف دور آئے ایک دور ایسا بھی آیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار دینار سالانہ زکوٰۃ دی لیکن اس دور میں بھی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو جہیز لے کر آئی تھیں اس پر عمر بھر کوئی اضافہ نہیں کیا، گھر میں کوئی ملازم نہیں تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام خود کیا کرتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی تنگ دستی انفاق فی سبیل اللہ کی وجہ سے تھی، حتیٰ کہ اگر کئی دن کے فاقے کے بعد کھانا ملتا اور اسی وقت کوئی سائل آجاتا تو کھانا اٹھا کر اسے دے دیتے، قرآن کریم میں آپ رضی اللہ عنہ کی اس سخاوت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی!

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّ يَتِيمًا وَّأَسِيرًا﴾

''اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں''

بنو ہاشم میں آپ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کیا کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ خود ہر قسم کی تکلیف اٹھا لیتے تھے لیکن بیت المال سے اپنے حق سے زائد ذرہ بھر بھی لینا حرام سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سخت سردی میں بدن کانپ رہا تھا، کسی نے کہا کہ بیت المال میں آپ رضی اللہ عنہ کا بھی

حق ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ چادر میں مدینہ سے ساتھ لایا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے غلام نے ایک مرتبہ بیت المال کے کچھ سونے چاندی کے برتن آپ رضی اللہ عنہ کے لئے الگ کر لئے اور آ کر کہا کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ایک چیز الگ کر کے رکھ لی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا ''خدا تجھے سمجھے یہ انگارے تو نے میرے گھر کے لئے سمیٹے ہیں اور سب برتن تقسیم کر دیئے۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنا کام خود کیا کرتے، جوتا گانٹھ لیتے، زمانہ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے، کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے، بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے اور تاجروں کو امانت و دیانت کی تلقین کرتے۔

کھانا بہت سادہ اور معمولی کھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک آدمی نے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو پرندے کے گوشت کا شوق نہیں ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خلیفہ کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور اہل وعیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا میں تقسیم کر دے۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے فالودہ پیش کیا گیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی تعریف کی لیکن فرمایا:

''میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا''

۴......خلافت راشدہ کی خصوصیات

قرآن حکیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی طریق حکمرانی کے اصول بتائے ہیں اور ان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلافت کا نظام قائم کیا جسے امت نے خلافت راشدہ کا نام دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں خلافت کا صحیح طرز یہی ہے، خلافت راشدہ سے مراد ہے راست روخلافت، خلافت راشدہ کے مطالعہ سے اس کی جو خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

4.1- جمہوری اور شورائی نظام

خلفاء کا انتخاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عوام کے مشورے سے ہوتا تھا، ہر خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بڑے بڑے مہاجرین اور انصار صحابہ، اہل رائے حضرات اور سیاسی تدبیر رکھنے والے لوگوں سے مشورہ کیا جاتا تھا اور جس شخصیت پر اکثریت کا اتفاق ہوتا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی اور خلافت کے پورے دور میں تمام معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے تھے پچھلے تین یونٹوں میں آپ نے کئی بار پڑھا ہے کہ خلیفہ نے اہل رائے سے مشورہ لے کر اس پر عمل کیا۔

خلافت راشدہ میں ڈکٹیٹر شپ نہیں تھی، نہ تو کوئی خلیفہ زبردستی عوام پر مسلط ہوئے اور نہ انہوں نے کسی معاملہ میں اپنی مرضی لوگوں پر مسلط کی بلکہ تمام معاملات جمہوری طریقے پر باہمی مشورے سے طے ہوتے تھے۔

4.2- بنیادی حقوق کا تحفظ

اسلام نے اپنی ریاست کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق دیئے ہیں اور خلافت راشدہ کے دور میں شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جاتا رہا ہے، کسی شخص کی آزادی سلب نہیں کی گئی، کسی کی حق تلفی نہیں ہوئی، حتیٰ کہ وہ لوگ جو حکومت کے خلاف باغیانہ خیال رکھتے تھے لیکن عملاً بغاوت میں شریک نہ ہوئے ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، ان کی سرکوبی کی بھی اجازت نہیں دی گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو امن وامان سے رہنے کے لئے ہر ممکن طریقہ سے ترغیب دی، جس کی تفصیلات آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

4.3- بیت المال کے امانتً ہونے کا تصور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے، خلیفہ بنے تو ان کے لئے بیت المال سے اتناہ ہی وظیفہ مقرر کیا گیا جتنا کہ ایک آدمی کو خرچ کی ضرورت ہوتی تھی اور وہ چار ہزار درہم سالانہ (ایک ہزار روپیہ تقریباً) تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ میں نے بیت المال سے آٹھ ہزار درہم تنخواہ لی ہے وہ میرے ترکہ سے بیت المال کو واپس کر دی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر درجن بھر پیوند لگے ہوتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میرے لئے بیت المال سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لئے اور ایک جاڑے کے لئے اور اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کھانے پینے کا اسی قدر سامان جتنا کہ قریش کے ایک عام آدمی کی ضرورت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تنخواہ کا وہی معیار رکھا جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا تھا۔ خلفاء راشدین بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے اور اس میں اپنی مرضی سے ایک پیسے کا تصرف بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔

4.4- قانون کی بالاتری

خلفاء اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے بلکہ قانون کی نگاہ میں اپنے آپ کو عام شہری کے مساوی سمجھتے تھے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے کئی ایسے واقعات ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہم اپنے ماتحت قاضیوں کی عدالتوں میں ایک عام فرد کی طرح پیش ہوئے۔

4.5- اظہار رائے کی آزادی

خلافت راشدہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ظہار رائے پر کبھی پابندی عائد نہیں کی گئی، ہر شخص اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق رائے کا اظہار کرسکتا تھا، خلیفہ پانچوں وقت نمازوں میں لوگوں کے سامنے حاضر ہوتا، اور ہر شخص ہر وقت خلیفہ کا احتساب کرسکتا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک عورت نے خطبہ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوک دیا تھا، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کرتا پہنا ہوا تھا اس پر ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے دوران اعتراض کیا کہ یمن سے جو چادریں آئی تھیں سب کو ایک ایک ملی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے جو قمیض پہنی ہے وہ ایک چادر سے نہیں بن سکتی، آپ رضی اللہ عنہ اس پر برا فروختہ نہیں ہوئے بلکہ فرمایا کہ اس کا جواب میرا بیٹا دے گا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور جواب دیا کہ جو چادر مجھے ملی تھی وہ میں نے ابا جان کو دے دی تا کہ ان کی قمیض بن جائے، خلافت راشدہ کا دور روشنی کا مینار تھا اور مسلمان ہر دور میں اس مینار نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

4.6- اہم نکات

ا) حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے بچپن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں تربیت پائی۔

۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں سیدنا معاویہؓ بھی شام کے مستقل امیر رہے۔

۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے کا دعویٰ لے کر نکلیں اور بصرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوجوں میں جنگ ہوئی جو جنگ جمل کہلاتی ہے۔

۴) اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ او رحضرت علی رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی جس کا نام جنگ صفین ہے۔

۵) ان جنگوں کے دوران خوارج کا فرقہ پیدا ہوا جسے نہروان کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ختم کر دیا۔

۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی اختلاف کے نتیجہ میں اسلامی ریاست دو حصوں میں بٹ گئی۔

۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ علم وحکمت، خطابت وشاعری میں نادرہ روزگار تھے، آپ رضی اللہ عنہ اخلاق وعادات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی ہو بہو پیروی کرتے تھے۔

۸) خلافت راشدہ کی اہم خصوصیات میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں۔

۱: جمہوری اور شورائی حکومت

۲: بنیادی حقوق کا تحفظ

۳: بیت المال کے امانت ہونے کا تصور

۴: قانون کی بالاتری

۵: اظہار رائے کی آزادی۔

۵......خود آزمائی

۱: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا والدہ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا رشتہ تھا؟

۲: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے کتنے سال پہلے پیدا ہوئے؟

۳: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت ان کی عمر کیا تھی؟

۴: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہتے ہیں؟

۵: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے کون سے قبیلے سے تھے۔

(بنو ہاشم، بنو عدی، بنو امیہ)

۶: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صاحبزادیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں ان کے نام کیا کیا تھے؟

۷: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک کیوں نہ ہوئے؟

۸: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیعت لی تھی اس کا نام بتائیں؟

۹: غزوہ تبوک کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتنا چندہ دیا۔

۱۰: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کس نے کیا؟

۱۱: آپ رضی اللہ عنہ کتنی تاریخ، کون سے سال خلیفہ بنے؟

۱۲: خلافت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی؟

۱۳: کوئی سے چار علاقون کے نام لکھیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہوئے۔

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۱۴: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کل مدت خلافت کتنی ہے؟

۱۵: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ کے کوئی سے چار اسباب مختصراً بتائیں۔

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۱۶: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے عہدوں سے کیوں سبکدوش کر دیا تھا۔

۱۷: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سختی کیوں کی گئی۔

۱۸: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مفسدین کے گروہ کن کن شہروں سے آئے تھے۔

۱۹: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جو اہلیہ شہادت کے وقت ان کے پاس تھیں ان کا نام بتائیں۔

۲۰: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے والوں کی تعداد کیا تھی؟

۲۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہمی رشتے کیا کیا تھے؟

۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو ان کی عمر کیا تھی؟

۲۳: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں کیوں لے لیا تھا؟

۲۴: حضرت علی رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟

۲۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا کوئی خاص واقعہ بتائیں؟

۲۶: حدیبیہ کا معاہدہ کس نے لکھا تھا؟

۲۷: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کتنے دن بعد خلیفہ بنے؟

۲۸: آپ رضی اللہ عنہ نے کس تاریخ کو کون سے سال مسند خلافت سنبھالی؟

۲۹: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک کا آغاز کس چیز سے کیا؟

۳۰: جنگ جمل کہاں ہوئی؟

۳۱: اسے جنگ جمل کیوں کہتے ہیں؟

۳۲: جنگ جمل میں کون کون سی معزز شخصیتیں باہمی برسرپیکار تھیں؟

۳۳: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے کیوں کنارہ کش ہو گئے تھے؟

۳۴: اس جنگ میں کتنے آدمی مارے گئے؟

۳۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں فتح کے بعد کیا اہم اعلان کئے؟

۱: ....

۲: ....

۳: ....

۳۶: جنگ جمل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ردعمل کیا تھا؟

۳۷: کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے؟

۳۸: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں شرکت سے بچنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی؟

۳۹: حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو دو ثالث مقرر کئے گئے ان کے نام کیا تھے؟

۴۰: حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جگہ کس شخص کو ثالث بنانا چاہتے تھے اور کیوں؟

۴۱: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اعلان کس صورت حال میں کیا؟

۴۲: اسلامی ریاست حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم میں کس طرح تقسیم ہوئی؟

۴۳: خوارج کون تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کون سی جنگ میں ان کا خاتمہ کر دیا؟

۴۴: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے کا نام بتائیں؟

۴۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاسی ناکامی کے کوئی سے تین اسباب بتائیں؟

۱: .... ۲: ....

۳: ....

۴۶: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمی مقام پر ایک حدیث ذہن میں دہرائیں؟

۴۷: آپ رضی اللہ عنہ سے کتنی احادیث روایت کی گئی ہیں؟

۴۸: آپ رضی اللہ عنہ نے علم نحو کی بنیاد کس ضرورت کے تحت رکھی؟

۴۹: آپ رضی اللہ عنہ کی چالیس ہزار سالانہ زکوۃ ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی تنگی کی کیوں تھی؟

۵۰: خلافت راشدہ کی خصوصیات بالترتیب (صرف عنوانات) تحریر کریں؟

ا: ....

۲: ....

۳: ....

۴: ....

۵: ....

۵۱: خلافت راشدہ کی کل مدت کتنی ہے؟

۵۲: خلافت راشدہ کی وجہ تسمیہ بتائیں۔

اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن

تحریر : ڈاکٹر طفیل ہاشمی

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے پڑھنے کے بعد آپ:

۱: صحابیات رضی اللہ عنہن کی دینی، علمی اور مجاہدانہ خدمات سے آگاہ ہوں گے۔

۲: آپ یہ جان جائیں گے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں میاں بیوی کے باہمی تعلقات کیسے ہوتے تھے اور ہمارے لئے ان میں کیا کیا نمونے موجود ہیں۔

۳: اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ اسلام نے خواتین کو کتنی اہمیت دی ہے۔ اور قوموں کی تربیت میں عورتوں کا کتنا بڑا دخل ہے۔

۴: مختلف مشکل مواقع پر خواتین کی جرأت اور حوصلہ مندی کی مثالوں سے روشناس ہوں گے اور آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں اتنے بڑے لوگ اس لئے پیدا ہوئے کہ ان کی مائیں بہت عظیم تھیں اور وہ اپنی اولاد کی تربیت پر بہت توجہ دیتی تھیں۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1-	یونٹ کا تعارف	695
2-	امّ المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	697
	2.1 نام ونسب	697
	2.2 نکاح	697
	2.3 تجارت	697
	2.4 حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح	698
	2.5 اسلام	699
	2.6 وفات	700
3-	امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا	701
	3.1 نام ونسب	701
	3.2 نکاح	701
	3.3 ہجرت اور رخصتی	702
	3.4 واقعہ افک	702

-4	حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا	706
-5	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	712
-6	حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا	714
-7	اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن	718
	7.1 طرز معاشرت	720
	7.2 مذہبی خدمات	721
	7.3 احتساب	723
-8	خود آزمائی	725

ا...... یونٹ کا تعارف

نسل انسانی کی بقاء اور تحفظ کے لئے خالق کائنات نے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری کیا جس کے لئے مرد اور عورت کے نام سے دو جنسیں تخلیق کیں اور ہر صنف کو دوسری کے لئے وجۂ سکون اور باعث تکمیل قرار دیا۔

اسلام نے مرد اور عورت کے باہمی تعلق کو استوار رکھنے کے لئے ان میں انتہائی عادلانہ تعلق قائم کیا۔ ایک گھر میں مرد کو انتظامی اور خاتون خانہ کو احترامی برتری دے کر ایک گونہ مساوات پیدا کردی۔

معاشرتی زندگی میں عورت کی ذمہ داریاں انتہائی نازک اور اہم ہیں۔ قوم کی تخلیق وتعمیر میں بنیادی کردار عورت ادا کرتی ہے۔ عورت مرد کو دیانت دار، جرأت مند، باحوصلہ اور صداقت شعار بناتی ہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خواتین نے بے پناہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ ان کا اجمالی تذکرہ بھی اس یونٹ میں ممکن نہیں تاہم ہم نے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر اس یونٹ کو سیر صحابیات رضی اللہ عنہن اور اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن کے لئے وقف کیا ہے۔

یونٹ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں پانچ صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات زندگی ہیں ان میں سے دو ازواج مطہراتؓ، ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور دو عام صحابیاتؓ ہیں۔ یونٹ کے دوسرے حصے میں مختلف عنوانات کے ماتحت بعض صحابیات رضی اللہ عنہما کے چند ایک کارناموں کا تذکرہ ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر چند ایک کتابوں سے آپ کو متعارف کرادیں تاکہ آپ صحابیات

رضی اللہ عنہن کے حالات کا مزید مطالعہ کرسکیں۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں ہیں۔ لیکن آپ کو موقع ملے تو چند مندرجہ ذیل کتابیں ضرور پڑھیں۔

۱) حیاۃ الصحابیات از مولانا سعید انصاری و مولانا عبدالسلام ندوی

۲) صحابیات از علامہ نیاز فتح پوری

۳) تذکار صحابیات از طالب ہاشمی

اب آپ یونٹ کا مطالعہ شروع کریں۔

۲...... امّ المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

2.1- نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہا کا نام خدیجہ کنیت امّ ہندا اور لقب طاہرہ تھا، آپ کے والد کا نام خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، ''قصی'' پر پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہا کا خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے، رسول اکرم کا شجرہ نسب آپ یونٹ نمبر ۱۴ میں پڑھ آئے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عام الفیل سے پندرہ برس قبل مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے نہایت نیک اور پاکیزہ اخلاق تھیں، اس وجہ سے طاہرہ مشہور ہوئیں۔

2.2- نکاح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی دو یا تین شوہروں سے ہوئی لیکن سب یکے بعد دیگرے انتقال کرتے گئے، اسی دوران میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد بھی وفات پا گئے اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنا زیادہ وقت خلوت میں گزارتی تھی۔

2.3- تجارت

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کا وسیع سلسلہ تھا، لیکن کوئی مرد تجارت کا نگران نہ ہونے کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت دقت ہوتی تھی، آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے وسیع کاروبار کو چلانے کے لئے

کئی لوگوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں، جو آپ رضی اللہ عنہا کے مال تجارت کو لے کر شام اور یمن جاتے، صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی سامان قریش کے مجموعی سامان سے زیادہ ہوتا تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہا کسی ایسے شخص کی متلاشی تھیں، جو دیانت دار، قابل اور ذہین ہو، تاکہ آپ اپنے تجارتی سامان کو اس کی نگرانی میں بھیجا کریں۔

اسی دوران میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور صداقت کا چرچا مکہ میں گھر گھر پھیل چکا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالی اور سامان تجارت لے کر بصریٰ کو روانہ ہوئے۔ چلتے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خاص غلام میسرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی دیانت داری اور تجربے کی بدولت اس سال سامان تجارت پر دوگنا نفع ہوا۔

2.4- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خاندانی وجاہت اور شرافت کی وجہ سے کئی قریش سردار اور روساء ان سے نکاح کے خواہش مند تھے۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بڑے بڑے لوگوں کے پیغام رد کر دیئے، اب کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنے غلام میسرہ کی زبانی سفر کے حالات اور منافع کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو انہوں نے عرب کے دستور کے مطابق اپنی باندی نفیسہ کی معرفت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد وفات پا چکے تھے البتہ ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، لیکن عرب

میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں، اس بناء پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہانے خود ہی بات چیت کی، مقررہ تاریخ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلمکے چچا ابوطالب اور بنو ہاشم کے دوسرے معززین اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے بزرگ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر جمع ہوئے اور حضرت ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا، ۵۰۰ درہم مہر مقرر ہوا۔شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی عمر پچیس سال تھی۔

2.5-اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہانے آپ کو تسلی دی اور پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، یہ سارا واقعہ آپ یونٹ نمبر۱۴ میں پڑھ چکے ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب قرآن کی آیات سنیں تو فوراً ان کی تصدیق کی، آپ رضی اللہ عنہا سب سے پہلی مومن خاتون تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہانے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ جب تک زندہ رہیں، اسلام کی تبلیغ و دعوت میں سب سے بڑی مددگار ثابت ہوئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید دشمنی کے باوجود کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس کی وجہ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجاہت اور اثر ورسوخ تھا اور جب مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ ہوتا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملے کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں تاکہ آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں۔

جب قریش نے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا اور بنوہاشم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلمکے ساتھ شعب ابی طالب میں رہیں، تین سال کا یہ دَور بہت سخت دَور تھا، درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کھا کر رہتے تھے، تاہم اس زمانے میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثرورسوخ سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا، ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو رحم آیا، ابوجہل سے کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے لئے کچھ بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔

2.6- وفات

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں، ہجرت مدینہ سے تین سال پہلے ۱۱ رمضان کو انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے چند روز پہلے حضرت ابوطالب وفات پا چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی وجہ سے دعوت کے کام میں بہت حوصلہ ہوتا تھا، ان دونوں کے انتقال کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا، اور پھر قریش ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں جو حیا محسوس کرتے تھے وہ بات بھی ختم ہوگئی۔

۳......امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ

3.1- نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہا کا نام عائشہ، لقب صدّیقہ اور کنیت امّ عبداللہ تھی، آپ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں اور قبیلہ بنوتیم سے تعلق رکھتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چار برس بعد شوال کے مہینے میں پیدا ہوئیں، آپ رضی اللہ عنہا کے والدین آپ کی پیدائش سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں کفروشرک کی آواز نہیں سنی۔

3.2- نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے قبل وہ جبیر بن مطعم سے منسوب ہوئی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہؓ بنت حکیم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ امّ رومان سے بات کی اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، تو چونکہ یہ ایک طرح کی وعدہ خلافی تھی اس لئے فرمایا کہ مطعم سے ان کے بیٹے جبیر کے لئے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر عائشہ ان کے گھر آگئیں تو گھر میں اسلام داخل ہو جائے گا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کے دسویں سال پانچ سو درہم مہر پر نکاح ہوگیا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ابھی چھوٹی تھی اس لئے رخصتی نہیں ہوئی۔

3.3-ہجرت اور رخصتی

نکاح کے بعد تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں رہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے، وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے خاندانوں کو لانے کے لئے مکہ معظمہ آدمی بھیجے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ، بہن حضرت اسماء اور بھائی حضرت عبداللہ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئیں، وہاں جا کر شدید بیمار ہو گئیں، صحت یاب ہوئیں تو شوال ا ہجری میں رخصتی ہوئی۔

3.4- واقعۂ افک

غزوہ بنو مصطلق میں جو ۶ ہجری میں پیش آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک سفر تھیں، راستے میں قافلے نے ایک جگہ رات کو قیام کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لئے دور نکل گئیں، واپس آئیں تو پتہ چلا کہ گلے کا ہار جو انہوں نے اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے مانگ کر پہنا ہوا تھا کہیں گر گیا ہے، اسی طرح ہار کی تلاش میں واپس ہوئیں، جب ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچیں تو قافلہ چل پڑا تھا، وہیں چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں، ایک صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جو اس لئے قافلے کے پیچھے رہتے تھے کہ کوئی گری پڑی چیز ہو تو اٹھا لیں، جب وہاں پہنچے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لیٹے ہوئے دیکھا، پیچھے رہ جانے کا سبب معلوم کیا اور پھر انتہائی احترام سے اونٹ پر بٹھایا اور قافلے میں پہنچا دیا، عبداللہ بن ابی کو جو منافقوں کا سردار تھا اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا، چند سادہ لوح مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش رہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے رو رو کر برا حال کر دیا، ناحق بدنامی کے صدمے سے بیمار پڑ گئیں آخر غیرت الٰہی جوش میں آئی اور سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور الزام لگانے والوں کا جھوٹ کھول کر بیان کر دیا گیا، چنانچہ قیامت تک۔ ہر مسلمان گھر میں ہر مسجد و محراب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے۔

مشغلہ :

سورۂ نور پارہ ۱۸ کے پہلے تین رکوع کسی ترجمہ والے قرآن سے پڑھیں اور ان سے معلوم ہونے والے احکام کو ترتیب وار لکھیں۔

۱) ________________

۲) ________________

۳) ________________

۴) ________________

۵) ________________

۶) ________________

۷) ________________

۸) ________________

۹) ________________

۱۰) ________________

آپ جانتے ہیں تیمّم کیا ہوتا ہے۔

اگر آپ کو وضو کے لئے پانی میسر نہ ہو یا آپ کسی بیماری وغیرہ کے باعث پانی استعمال نہ کر سکتے ہوں، تو قرآن نے حکم دیا ہے کہ آپ تیمّم کر کے نماز پڑھ لیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ تیمّم کا حکم کس موقع پر نازل ہوا۔

اگر نہیں تو آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا، ہار کی تلاش کی وجہ سے قافلہ رکا رہا اور نماز کا وقت ہو گیا، اس جگہ وضو کے لئے پانی نہیں تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیٹی پر بہت غصہ آرہا تھا کہ ان کی لاپرواہی کی وجہ سے اتنے لوگ پریشانی میں مبتلا ہوئے اور اب نماز کا وقت جا رہا ہے، اور پانی کا کوئی انتظام نہیں، اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾

اگر تمہیں پانی میسر نہ ہو تو پاکیزہ مٹی سے تیمّم کر لو، اس طرح کہ اپنے چہرے اور بازوں پر ہاتھ پھیر لو!

حضرت اسیدؓ بن حضیر فوراً پکار اٹھے:

"امّ المومنین (رضی اللہ عنہا)! خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے آپ کے نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور وہ مسلمانوں کے لئے باعث برکت بن گیا"۔

مشغلہ:

اگر آپ کو تیمّم کا صحیح طریقہ معلوم نہیں تو پندرہ روزہ ٹیوٹوریل میٹنگ میں اپنے ٹیوٹر سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو تیمّم کر کے دکھائیں اور پھر آپ سے دہرائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی، آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی نو سالہ نبوی رفاقت کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا علم سمیٹا کہ ۲۲۱۰ احادیث آپ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور علم الانساب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر مہمان نواز اور غریب پرور تھیں کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک لاکھ درہم بھیجے، انہوں نے اس وقت سب رقم غریبوں، مسکینوں میں تقسیم کر دی، خود روزے سے تھیں، شام ہوئی تو خادمہ نے کہا:

''امّ المومنین (رضی اللہ عنہا)! کیا اچھا ہوتا، آپ نے اس رقم سے کچھ گوشت ہی افطار کے لئے خرید لیا ہوتا'' فرمایا: ''تم یاد دلا دیتیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان ۵۸ ہجری میں ۶۷ سال کی عمر میں فوت ہوئیں اور انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

۴......حضرت فاطمۃ الزہراؓ

حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلمکی چاروں صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں، بعثت نبوی کے زمانے میں پیدا ہوئیں، بچپن سے ہی انتہائی ذہین اور تنہا پسند تھیں، اپنی چال ڈھال اور گفتگو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمسے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تبلیغ کی وجہ سے کفار مکہ کی طرف سے بدتمیزی اور ایذارسانی کا سامنا ہوتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت رنجیدہ ہو جاتیں، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے، مشرکین مکہ کے شریر گروہ کے سرغنہ عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر رکھ دی، کسی نے آ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ تمہارے ابا جان کے ساتھ شریروں نے یہ حرکت کی ہے، بے چین ہو کر خانہ کعبہ کی طرف بھاگ پڑیں اور وہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے اوجھڑی ہٹائی، کفار کو جو ارد گرد کھڑے ہنس رہے تھے، ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ:

"شریرو! احکم الحاکمین تمہیں ان شرارتوں کی ضرور سزا دے گا، خدا کی قدرت دیکھئے یہ سب جنگ بدر میں ذلت کی موت مرے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلمکو اپنی بیٹی کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبت تھی، یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

ہمارے ملک میں جہیز کی بہت اہمیت ہو گئی ہے، بعض جگہوں پر لڑکی کی قیمت جہیز سے متعین کی جاتی ہے، جو لڑکی بھاری جہیز لے کر نہ آئے سسرال میں اس کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چہیتی بیٹی کو اگر دنیا کا ساز و سامان دینا چاہتے تو بے حساب دے سکتے تھے، آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاڈلی لخت جگر کو جہیز میں کیا دے رہے ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

۱) بان کی چارپائی

۲) چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

۳) ایک مشکیزہ

۴) دو مٹی کے گھڑے

۵) ایک چکی

۶) ایک پیالہ

۷) دو چادریں

۸) دو بازو بند چاندی کے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی اپنی زوجہ مطہرہ کو جہیز کے نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بہت خیال رکھتے تھے، اور کوئی بات ان کی منشا کے خلاف نہیں کرتے تھے، میاں بیوی میں کبھی کبھار

اختلاف ہو ہی جاتا ہے، ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی بات ناگوار گزری وہ ناراض ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی خدمت میں گئیں، پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی سے فرمار ہے ہیں کہ بیٹی شوہر کو شکایت کا موقع نہ دیا کرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

''اللہ کی قسم میں آئندہ کبھی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کروں گا، جس سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچے یا ان کی دل شکنی ہو''۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں، پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لاتیں جس سے سینے پر نیل پڑ گئے تھے، چکی پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے، کچے مکان میں خود جھاڑو دیتیں تو تمام لباس گرد آلود ہو جاتا، ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ آپ جائیں اور ابا جان سے گھر کا کام کرنے کے لئے ایک خادم ہی مانگ لائیں، تشریف لے گئیں لیکن شرم وحیا کی وجہ سے بات نہ کرسکی، پھر دونون میاں بیوی گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں کو خادم کیسے دے دوں، ابھی تک تو اہل صفہ کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا، دونوں واپس آگئے، رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور دونوں کو پاس بٹھا کر فرمایا:

''تم نے جو چیز مانگی تھی اس سے بہتر ایک چیز میں تمہیں دیتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ اور الحمدللہ ۳۳، ۳۳، بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو تمہاری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی، یہ ذکر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا، اس لئے اس کا نام تسبیحات فاطمہ پڑ گیا۔

تسبیحاتِ فاطمہ

- سبحان اللہ...... ۳۳ بار
- الحمد للہ ...... ۳۳ بار
- اللہ اکبر ...... ۳۴ بار

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وظیفہ بتایا میں نے کبھی سخت سے سخت حالات میں بھی اسے نہیں چھوڑا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس قدر سخی تھیں کہ کئی کئی روز کے فاقے کے بعد اگر کچھ کھانے کو ملتا اور اس وقت کوئی سائل آجاتا تو سب کچھ اٹھا کر اسی کو دے دیتیں اور خود صبر کر لیتیں۔

ایک دفعہ قبیلۂ بنوسلیم کا ایک بوڑھا ضعیف آدمی مسلمان ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دین کے ضروری احکام ومسائل بتائے اور پھر اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے، اس نے کہا کہ بنوسلیم کے تین ہزار افراد میں، میں سب سے زیادہ غریب اور فقیر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم میں سے کون اس مسکین کی مدد کریگا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسے اپنی اونٹنی دیتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ''تم میں سے کون اس کا سر ڈھانکے گا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ اتارا اور اس کے سر پر رکھ دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون اس کے کھانے کا انتظام کرے گا''۔

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ اٹھے، اسے ساتھ لیا اور چند گھروں سے دریافت کیا لیکن کھانے کو کچھ نہ ملا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا کون ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ سنایا، فرمایا، میرے گھر آج تیسرے دن سے فاقہ ہے لیکن سائل کو اس طرح نہیں لوٹا سکتی، یہ میری چادر لے جاؤ اور شمعون یہودی سے کہو کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چادر رکھ لو اور اس غریب کو کچھ جنس دے دو۔

سلمان رضی اللہ عنہ اعرابی کو ساتھ لے کر یہودی کے ہاں پہنچے، اس سے کیفیت بیان کی وہ حیران رہ گیا اور پکار اٹھا، سلمان! اللہ کی قسم یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی ہے گواہ رہنا کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ پر ایمان لایا، اس کے بعد کچھ غلہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دیا اور چادر سیدہ فاطمہ کو واپس بھیج دی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلہ لے کر آئے، حضرت فاطمہ نے اناج پیسا اور جلدی سے روٹیاں پکا کر دیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے اس میں سے کچھ بچوں کے لئے بھی رکھ لیں، جواب دیا:

''سلمان! جو چیز اللہ کی راہ میں دے چکی، وہ میرے بچوں کے لئے جائز نہیں''۔

علامہ اقبال نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتول　　　مادراں را اسوۂ کامل بتول

بہر محتاجے دلش آں گو نہ سوخت　　　با یہودے چادر خود رافروخت

نوری وہم آتشی فرمانبرش　　　گم رضائش در رضائے شوہرش

آں ادب پروردۂ صبرورضا　　　آسیا گردان و لب قرآں سرا

گریہ ہائے اوزبالیں بے نیاز　　　گوہر افشاندے بداماں نماز

ترجمہ......حضرت فاطمہؓ تسلیم ورضا کی کھیتی کا حاصل ہیں، اور وہ ماؤں کیلئے نمونہ کامل ہیں۔

ایک محتاج کے لئے ان کے دل میں ایسی ہمدردی پیدا ہوئی کہ اس کے لئے انہوں نے اپنی چادر ایک یہودی کے پاس بیچ دی۔آتش ونور کی مخلوق ان کے تابع تھی۔ان کی رضا، ان کے شوہر کی رضا میں گم تھی۔

وہ ہستی جسے صبر ورضا نے ادب سکھایا، ان کے ہاتھ چکی چلانے میں اور زبان قرآن خوانی میں مصروف رہتی تھی، ان کے آنسو بالیں سے بے نیاز رہے، انہوں نے اپنے آنسوؤں کے موتی نماز کے دامن میں مٹائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی آگے چلی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے تھے اور دوسری بیٹیوں کی اولاد بھی زندہ نہیں رہی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دولڑکے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم ہوئے اور دولڑکیاں ہوئیں ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہما۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔

۵...... حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، عبدالمطلب کی بیٹی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں سے صرف آپ رضی اللہ عنہا ہی اسلام لائیں، آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوا، جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہوگئی، کچھ لوگ میدان جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آرہے تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو ہاتھ میں نیزہ لے کر مدینہ سے نکلیں اور آنے والے لوگوں کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں اور نہایت غصے سے فرماتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ ''صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی لاش پر نہ جانے دینا'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں مردانہ وار لڑ رہے تھے، آپ دو دھاری تلوار چلاتے تھے، جس طرف نکل جاتے دشمن کی صفوں کی صفیں الٹ دیتے، جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بن حرب آپ کی تاک میں بیٹھا تھا اس کے قریب پہنچے تو اس نے تاک کر حربہ مارا اور آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی نے اپنے باپ عتبہ کا انتقام لینے کے لئے جو بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا، ان کی نعش کا مثلہ کیا تھا، یعنی ناک اور کان

کاٹ ڈالے تھے، پھران کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال کر چباڈالا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ماں کو روکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں، میں اپنے بھائی کی لاش کی حالت کے بارے میں سب کچھ سن چکی ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، لاش دیکھی، عزیز ترین بھائی کی لاش کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے لیکن انا للہ پڑھ کر مغفرت کی دعا مانگی اور صبر سے برداشت کر گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت جرات منداور حوصلے والی خاتون تھیں، ضرورت پڑنے پر دشمنوں سے براہ راست مقابلے سے بھی نہیں چوکتی تھیں، غزوۂ خندق میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا، مسلمانوں نے حفاظت کی غرض سے عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعے میں پہنچا دیا تھا، اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ متعین کر دیئے گئے تھے، یہود نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کے تمام مرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھ لیا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جا کر اسے قتل کر دو ورنہ یہ واپس جا کر دوسرے یہودیوں کو بھی خبر کر دے گا کہ قلعہ میں صرف عورتیں اور بچے ہیں، تو وہ حملہ کر دیں گے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کسی بیماری کی وجہ سے اس قدر کمزور دل ہو گئے تھے کہ وہ لڑائی کر سکتے تھے نہ جنگ کا منظر دیکھ سکتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں اس قابل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑی اور اتر کو یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا واپس چلی آئیں اور حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ، انہوں نے پھر معذرت کر دی تو خود ہی گئیں جا کر اس کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے یہود کے مجمعے میں پھینک دیا، یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے، چنانچہ انہوں نے حملہ کرنے کی جرات نہیں کی۔

حضرت صفیہ نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۷۳ سال تھی، جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

۶......حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن تھیں، ہجرت مدینہ سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئی۔

ان کا نکاح حضرت زبیرؓ بن عوام سے ہوا تھا، دونوں میاں بیوی شروع کے دنوں میں ہی اسلام لے آئے تھے، حضرت اسماء کا لقب ''ذات النطاقین'' تھا نطاق عربی زبان میں اس پٹی کو کہتے ہیں جو خواتین اپنی کمر کے گرد لپیٹتی تھیں، ذات النطاقین کا مطلب ہوا، دو پیٹیوں والی، اس لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کو روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دونوں کے لئے دو تین دن کا کھانا تیار کر کے ناشتہ دان میں رکھا، فوری طور پر ناشتہ دان کو باندھنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو اپنی پٹی پھاڑ کر اس کے ایک ٹکڑے سے ناشتہ دان باندھ دیا، اس روز سے ذات النطاقین مشہور ہوگئیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی زندگی قناعت، صبر و استقامت، جرات اور حوصلہ مندی کا اعلیٰ نمونہ تھی، ہم آپ کو ان کی زندگی کے دو تین واقعات بتاتے ہیں، جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ کس طرح کی خاتون تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے تو گھر میں جتنا روپیہ پیسہ تھا، سب ساتھ لے گئے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے والد کو معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ بتایا کہ نہیں وہ تو بہت سے پیسے چھوڑ گئے ہیں، چنانچہ وہ اٹھیں کنکر پتھر اکٹھے کر کے اس جگہ رکھ دیئے جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیسے رکھتے تھے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر اپنے دادا ابوقحافہ کو لے گئیں کہ آیئے ٹٹول کر دیکھ لیں پیسے تو یہ پڑے ہیں، ابوقحافہ نابینا ہو گئے تھے،

انہوں نے ہاتھ پھیرا اور مان گئے اور کہنے لگے کہ کھانے پینے کو بہت ہے۔

ہجرت کے موقع پر مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیچ سے نکل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہجرت کے سفر پر روانہ ہو گئے، صبح کو جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھ کھلی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر پا کر بہت مایوس ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ابو جہل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچا اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا، اندر سے حضرت اسماء تشریف لائیں تو ابو جہل نے کڑک کر پوچھا: لڑکی تیرا باپ کدھر ہے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، میں کیا بتا سکتی ہوں، یہ سن کر ابو جہل غصے سے لال پیلا ہو گیا، اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا پڑی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صبر اور خاموشی کے ساتھ گھر کے اندر چلی گئیں اور ابو جہل بکتا جھکتا وہاں سے دفع ہو گیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زندگی شروع شروع میں بہت تنگی کی تھی چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا افلاس کی وجہ سے ہر چیز ناپ تول کر خرچ کیا کرتی تھیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اسماء! ناپ تول کر مت خرچ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی نپی تلی روزی دے گا''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کھلے دل سے خرچ کرنا شروع کر دیا، اللہ کی قدرت کہ اسی وقت سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آمدنی میں اضافہ ہونے لگ گیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بڑے درجے کے صحابی تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید نے خلافت سنبھالی تو، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا، اور مکہ معظمہ میں پناہ گزین ہو گئے اور یزید کی حکومت کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاصی جمعیت ہوگئی اور بہت سے علاقوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر لبیک کہی، بعد میں جب عبدالملک بن مروان نے حکومت سنبھالی تو حجاج بن یوسف کو آپ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے یکم ذی الحجہ ۷۲ ہجری کو مکہ کا محاصرہ کرلیا اور رسد بند کر دی، چھ ماہ تک جنگ جاری رہی لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی ایک ایک کر کے آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ گئے، تھوڑے سے آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے، یہ حالت دیکھ کر حضرت عبداللہ اپنی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا:

''ماں! کچھ دوست بے وفائی کر گئے جو باقی رہ گئے وہ بھی بے حوصلہ ہو گئے ہیں، اگر آپ کی رائے ہو تو میں بھی اطاعت قبول کرلوں''۔

جرات مند ماں نے جواب دیا:

''بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بے وفائی کے سبب دشمنوں سے دب جانا شریفوں اور دین داروں کا شیوہ نہیں بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے، خدا کی قسم! عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا ذلت کے ساتھ عیش کی زندگی سے بہتر ہے۔

میرے بیٹے! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبہ شہادت پر فائز ہو جاؤ، اور اگر تم نے یہ سب کچھ دنیا کے لئے کیا تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں، جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی مروایا''۔

بیٹے نے ماں کی نصیحت پر عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہید ہو گئے، شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش سولی پر الٹی لٹکا دی، تین دن گزرنے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی ایک کنیز کو ساتھ لے کر اس جگہ آئیں دیکھا کہ لاش الٹی لٹکی ہوئی ہے، یہ دردناک منظر دیکھ کر نہایت صبر و استقلال سے فرمایا:

''کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار اسلام گھوڑے پر سے اترے''

چند دنوں بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے لاش اٹھوا کر گھر منگوا لی اور غسل دلوا کر نماز جنازہ پڑھی، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لئے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا اور دفن کروا دیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ دعا مانگا کرتی تھیں کہ جب تک میں بیٹے کی لاش نہ دفنالوں مجھے موت نہ آئے، چنانچہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ دفن کرنے کے ایک ہفتہ بعد وفات پا گئیں، اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

۷......اسوۂ صحابیاتؓ

معاشرتی زندگی کی بنیاد مرد اور عورت کے خوش گوار تعلق پر ہے، اگر میاں بیوی ایک دوسرے کی ضروریات، جذبات اور احساسات کا خیال رکھتے ہیں تو ان کی عائلی زندگی ہمیشہ خوش گوار رہتی ہے اور اس کا بچوں پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے، صحابہ کرام کے جو بڑے بڑے کارنامے ہم پڑھتے ہیں کہ انہوں نے دین پر ثابت قدمی، دین کی تبلیغ اور سر بلندی اسلام کی حکومت کے قیام اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر قربانیوں کے پیچھے کسی عظیم خاتون کا عزم اور حوصلہ کارفرما تھا۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا عمل دخل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تھکے ماندے یا مایوس گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھاتیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عجیب وغریب تجربے سے پریشان تھے، گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ سنایا، تو انہوں نے فوراً ان الفاظ میں تسلی دی۔

> ”بخدا، اللہ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلۂ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور مسکینوں کی مدد فرماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں“۔

ہر حالت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت مال دار اور معزز خاتون تھیں لیکن جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا اور مسلمان شعب ابی

طالب میں بند ہو گئے (دیکھئے یونٹ نمبر۱۴) تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام تکلیفیں برداشت کیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس کئی خدمت گار تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غار حرا میں ہوتے تو آپ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ستو، کھجوریں اور پانی لے کر جاتیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی خدمت کی کہ جس سال ان کا انتقال ہوا اس سال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''غم کا سال'' کہا کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے ایک عرصہ بعد ایک موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

> ''بخدا مجھے خدیجہ سے اچھی بیوی نہیں ملی، جب سب لوگ کافر تھے وہ ایمان لائیں جب سب نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے تصدیق کی، جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا تو انہوں نے اپنا مال و دولت مجھ پر قربان کر دیا اور اللہ نے مجھے اولاد بھی ان کے بطن سے دی''۔

صحابیات شوہروں کے مال واسباب کی حفاظت کے سلسلے میں بہت محتاط رہتی تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں) کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، ایک دن وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنی دیوار کے سائے میں مجھ کو سودا رکھ کر بیچنے کی اجازت دیجئے، وہ عجیب کش مکش میں مبتلا ہو گئیں، فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں، بولیں ''اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر رضی اللہ عنہ انکار کر دیں تو مشکل پڑے گی، تم یوں کرو کہ زبیر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو، وہ دوسرے وقت آیا جب زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے اور کہا کہ میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں سودا رکھ کر بیچنا چاہتا ہوں، بولیں، تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے اگر یہ غریب یہاں سودا رکھ کر بیچے، وہ تو چاہتی ہی تھیں، اجازت دے دی۔

حضرت اسماء بہت فیاض تھیں، صدقہ وخیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں، لیکن ان کے پاس شوہر کے مال کے علاوہ کچھ نہ تھا، اور شوہر کے مال سے بغیر اجازت خرچ کرنا پسند نہ کرتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں جو ہو سکے دے دیا کرو۔

ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون نے کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں، ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو۔

7.1- طرزِ معاشرت

ابتداء اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتی تھیں، جس کا اثر ان کے لباس مکان اور سامان وغیرہ سے ظاہر ہوتا تھا۔

شروع شروع میں صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب اور حیاء سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامی ہوئی، سر ڈھکتی تھی تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے، ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر دے دے۔

شادی بیاہ کے موقعوں پر بھی دلہنوں کو پہنانے کے لئے مناسب لباس میسر نہیں تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس گاڑھے کا ایک کرتا تھا، شادی بیاہ پر جب کوئی دلہن سنواری جاتی تو وہ مجھ سے مستعار مانگ لی جاتی تھی۔

رہائش کے لئے مکان، چھوٹے چھوٹے اور مختصر ہوتے تھے، گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی، اس لئے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا، دروازوں پر پردے نہ تھے، راتوں کو چراغ تک جلانے کو میسر نہ تھا۔

صحابیات خانہ داری کے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے اور مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینے پر داغ پڑ گئے، گھر کا تمام کام خود کرتی تھیں۔

ازواج مطہرات باری باری گھر کا کام کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، انہوں نے جو پیسے، روٹی پکائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں دیر ہوگئی تو سوگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو جگایا اور اکٹھے کھانا تناول فرمایا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی، وہ اس قدر مخلص تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کے لئے گھاس لاتی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کے لئے ایک غلام بھیجا تو انہیں اس کام سے نجات ملی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے باہر کچھ زمین دی تھی جو مدینہ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روزانہ وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کر کے اپنے سر پر اٹھا کر لاتی تھیں اور کوٹ کر اپنی اونٹنی کو کھلاتی تھیں، گھر کے دوسرے کام اس کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آٹا گوندھتیں، روٹی پکاتیں اور گھر کا تمام کام کرتیں۔

7.2- مذہبی خدمات

اسلام کی اشاعت اور تبلیغ میں صحابیات کا حصہ مردوں سے کچھ کم نہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور حوصلہ افزائی کرتی تھیں، اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زبان سے تذکرہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔

حضرت امّ شریک رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام

ں دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو ان کی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔

ایک غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیاس سے بے تاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اس عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو پانی کی قیمت دلا کر پانی استعمال کرنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے احسان کا صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ اثر تھا کہ جب بھی اس عورت کے گاؤں کے آس پاس کہیں حملہ ہوتا تو مسلمان اس عورت کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے اور اس احسان کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے تمام خاندان سمیت مسلمان ہو گئی۔

عکرمہ ابو جہل کے بیٹے اور اسلام کے سخت دشمن تھے، جب مکہ فتح ہوا تو انہیں یہ خیال تھا کہ مجھے کسی طرح معاف نہیں کیا جائے گا، چنانچہ بھاگ کر یمن چلے گئے ان کی بیوی امّ حکیم بنت الحارث فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں اور شوہر کو دعوت اسلام دینے اور واپس لانے یمن چلی گئیں، وہاں پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور انہیں ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئیں۔

حضرت ابو طلحہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے حضرت امّ سلیم کو نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو میں مسلمان، اس لئے نکاح نہیں ہو سکتا، ہاں اگر اسلام قبول کر لو تو نہ صرف یہ کہ تمہارا پیغام نکاح منظور ہے بلکہ تمہارا اسلام لانا ہی میرا مہر ہوگا، اس کے علاوہ تم سے کچھ نہیں مانگوں گی۔

چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو بہت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا، گھر بار، اہل وعیال اور مال وجائیداد سے ہاتھ دھونا پڑتے، ایسے حالات میں ان نومسلموں کی کفالت کا کام بہت بڑی خدمت تھی اور کئی صحابیات اس میں حصہ لیتی تھیں، حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کا گھر ان نومسلموں کے لئے مہمان خانہ بن گیا تھا، حضرت درہ بنت کعب رضی اللہ عنہا بھی بہت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔

کئی صحابیات غزوات میں شریک ہوتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، مجاہدین کو پانی پلاتیں ،تیراندازوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتیں اور اسلامی فوج کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرتی تھیں۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں، وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، اور مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

غزوۂ احد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شریک ہوئیں،وہ اور حضرت ام سلیم اپنی پیٹھ پر مشکیزے لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں۔

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمہ میں ان کا علاج کرتی تھیں، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو اسی خیمہ میں ان کا علاج کیا گیا۔

7.3- احتساب

اسلام نے نیکی پھیلانے اور برائی کو ہر ممکن طریقے سے ختم کرنے کی بہت تاکید کی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان﴾

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اسے روکے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

صحابیات ہر ممکن طریقے سے برائی کو روکتی تھیں، اور جہاں جو بات شریعت کے خلاف پاتیں اس سے منع کرتیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک گھر میں بطور مہمان تشریف لے گئیں میزبان کی دو لڑکیوں کو دیکھا کہ چادر اوڑھے بغیر نماز پڑھ رہی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی چادر اوڑھے بغیر نماز نہ پڑھے۔

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور معمولی طور پر جلدی جلدی وضو کر کے جانے لگے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا کہ عبدالرحمان! اچھی طرح وضو کیا کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔

ایک دفعہ انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش ونگار بنے ہوئے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ڈانٹ کر کہا کہ یہ چادر اتار دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ دیتے تھے۔

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمان رضی اللہ عنہا نے نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے دیکھتے ہی غصہ سے دوپٹہ اتار کر چاک کر دیا پھر فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام اتارے ہیں، اس کے بعد گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر انہیں اوڑھایا۔

ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ زندہ چیزوں کی تصویروں والے لباس یا صلیب کی تصویر والے کپڑے یا اتنے باریک کپڑے نہ پہنیں جن سے اسلام کے احکامات کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

۸......خود آزمائی

۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنیت کیا تھی؟

۲) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب کہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

۳) خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا جو غلام سفر تجارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھیجا اس کا نام کیا تھا؟

۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے سال کے تھے؟

۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی کا خطبہ نکاح کس نے پڑھا تھا۔

۶) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر کتنا مقرر ہوا؟

۷) ورقہ بن نوفل سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کیا رشتہ تھا؟

۸) حکیم بن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کیا لگتے تھے؟

۹) شعب ابی طالب کون سی جگہ ہے؟

۱۰) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد کتنی مدت زندہ رہیں؟

۱۱) وفات کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی؟

۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قریش کے کون سے قبیلے سے تھیں؟

۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر کتنا مقرر ہوا تھا؟

۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کب ہوئی؟

۱۵) غزوۂ بنو مصطلق کب پیش آیا؟

۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کی آیات کون سی سورت میں ہیں۔

۱۷) تیمّم کسے کہتے ہیں؟

۱۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی؟

۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کتنی احادیث بیان کی گئی ہیں۔

۲۰) وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی؟

۲۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی صاحبزادیاں تھیں؟

۲۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں جو چیزیں دی تھیں ان میں سے پانچ کے نام لکھیے۔

:۱ ....

:۲ ....

:۳ ....

:۴ ....

:۵ ....

۲۳) تسبیحات فاطمہ سے کیا مراد ہے؟

۲۴) اس یہودی کا نام بتائیں جس کے پاس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی چادر رہن رکھی تھی۔

۲۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کتنی اولاد ہوئی؟

۲۶) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہیں؟

۲۷) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا رشتہ تھا؟

۲۸) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ کے کیا لگتے تھے؟

۲۹) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کیا تعلق تھا؟

۳۰) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کون سے لڑائی میں شہید ہوئے؟

۳۱) غزوۂ خندق کے موقع پر عورتوں اور بچوں کے ساتھ قلعہ میں کون سے صحابی تھے؟

۳۲) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کس سن ہجری میں وفات پائی؟

۳۳) حضرت اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہما کا باہمی رشتہ بتائیں؟

۳۴) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین کیوں کہتے ہیں؟

۳۵) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی کس سے ہوئی؟

۳۶) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے کا نام بتائیں؟

۳۷) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کس نے سولی پر لٹکا دی تھی؟

۳۸) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی کتنی عمر ہوئی؟

۳۹) عکرمہ رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام کیا تھا؟

۴۰) ام سلیم رضی اللہ عنہا کون تھیں؟

۴۱) زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کرنے والی ایک صحابیہ کا نام بتائیں؟